ہندستانی

ہندستانی اکیڈیمی کا تِماہی رِسالہ

جنوری ۱۹۴۴

ہندستانی اکیڈیمی، صوبۂ متحدہ، الہ آباد

سالانہ چندہ چار روپے

هندستاني ، جنوری ، ۱۹۴۴

اڈیٹر : محمد اجمل خان

فہرست مضامین

ہندستانی

ہندستانی اکیڈمی کا تماہی رسالہ

جنوری نیا سلسلہ-جلد ۱-حصہ ۱ ۱۹۴۴

وسط ایشیا کی قوموں کا سوویئت ادب

(از لطیف الدین احمد اکبرآبادی)

زار شاہی عہد کی نو آبادیانہ تاریخ کو سامنے رکھے بغیر سوویئت وسط ایشیا میں جو کلچری عمل ہو رہا ہے اور صناعت و ادب نے جو ترقی کی ہے اُسکا سمجھہ سکنا دشوار ہوگا - چنانچہ روسی کمیونسٹ پارٹی کی سنہ ۲۱ کی دسویں کانگریس نے جو ریزولیوشن پاس کیا اُس سے وسط ایشیا کے ماضی قریب پر کافی روشنی پڑتی ہے - وہ ریزولیوشن یہ تھا :—

"'قومی امتیاز' کا 'انحصار' اقتصادی امتیاز' پر تھا اور یہ تاریخی پیداوار تھی - 'امتیاز' کی یہ پالیسی اس امر واقعہ سے ظاہر ہوجاتی ہے کہ (زار شاہی عہد میں) روس کے تمام دور افتادہ علاقے اور

خاص کر ترکستان نو آبادي یا نیم نو آبادي کي حیثیت رکھتے تھے - اور اسلئے باقي و زندہ تھے کہ صنعتي مرکزوں کے لئے اُن سے خام پیداوار جبریہ حاصل کي جائے - ان ملکوں کے پسماندہ رھنے اور کوئي ترقي نہ کرسکنے کي اصل وجہ یہ تھي - ؟ اور یہي سبب تھا کہ ان پامال قوموں میں صنعتي پرولتاریا طبقہ پیدا نہ ھوسکا - "

تاشقند کے زاري گورنر جنرل کے دفتري رکارڈ میں اسکا ایک ریزولیوشن دستیاب ھوا ھے جو اس موضوع پر مزید روشني ڈالتا ھے - ریزولیوشن کے الفاظ یہ ھیں —

" مرکز کے ارباب حل و عقد نو آبادیوں میں کارخانے جاري کرنے کے اسلئے خلاف ھیں کہ روسي کارخانہ داروں کے لئے ناخوشگوار مقابلہ پیدا ھوجائےگا -

ان دونوں ریزولیوشنوں کے دیکھنے سے تاریخي صورت حال صاف ھوجاتي ھے - اور باسانی سمجھہ میں آجاتا ھے کہ زار شاھي ایشیا میں یہ حالات تھے جنکي وجہہ سے ان ملکوں کے باشندے کسي قسم کي کلچرل یا تہذیبي ترقي نہ کرسکتے تھے - ادبي و صناعتي ترقي کا امکان بھي کہاں ھوسکتا تھا - زار شاھي عہد میں علم و ادب کے ذیل میں جس بات کي اجازت تھي وہ مشنري رسالوں کي تقسیم پادریوں کے وعظ اور " روسي قومیت " کا پروپیگنڈا تھا -

چنانچہ یہي نہیں کہ وسط ایشیا کي قومیں تعلیم و تعلم سے بے بہرہ رھیں بلکہ بعض قوموں میں تو (جیسے کرغیز ھیں) حروف ھجا بھي مفقود تھے -

لیکن اشتراکی انقلاب نے ان تمام " امتیازات " کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں - جہانتک اقتصاد کا تعلق ہے - اب وسط ایشیا ایک بالکل پچھڑا ہوا " نو آبادیانہ " اور سو فیصدی زرعی علاقہ نہیں رہا ہے ' بلکہ اب وہ اشتراکی نوعیت کا زراعتی و صناعتی ملک بن گیا ہے - اور اب وسط ایشیا کی مختلف قومیں اپنے اپنے کلچر کو بلا روک ٹوک ترقی دے رہی ہیں - ان قوموں کا یہ کلچر اصل وجوہر کے اعتبار سے اشتراکی ہے اور شکل و صورت کے اعتبار سے ہر قوم و ملک کی خصوصیات کی مطابقت میں " قومی " ہے - اور اسلئے کہ وسط ایشیا کی تمام قومی جمہوریتوں میں کلچری ترقیاں عام ہیں اسلئے وہاں کی صناعتیں بھی مستحکم بنیادوں پر ترقی کر رہی ہیں - تعلیم عام ہے اور اعلیٰ تعلیم کی اشاعت کے ساتھ دوسرے کلچری و تہذیبی اداروں کی ترقی کے باعث ان تمام ملکوں میں تعلیم یافتہ پرولتاریا طبقہ وجود میں آگیا ہے - اور قبل انقلاب کی نسل میں جسقدر بھی کلچری ورثہ تھا اُسکی قوت بھی اب اشتراکی تعمیر میں صرف ہورہی ہے -

ازبکستان کے ادیبوں میں سب سے بلند شخصیت عبداللہ قادری کی ہے جو صناع الفاظ ہونے کے اعتبار سے آپ اپنی مثال سمجھا جاتا ہے - قادری انقلاب سے پہلے ' درباروں کا قصیدہ خواں تھا ' مگر انقلاب کے بعد اُسنے اپنے پرانے ادبی عقائد کو دفن کر دیا اور آج نئی زندگی سے نئے موضوع لے کر زندگی کو چمکا رہا ہے - ازبکستان کا دوسرا نامور ادیب شامو ہے - شامو فیکٹری کی پیداوار ہے - وہ فیکٹری کے مدرسے سے نکل کر ادب کی دنیا میں پہنچا ہے - تیسرا مشہور شاعر حمرتی ہے -

حمیرتي کا ادبي درجه قائم کرنے والي اس کي وہ نظم هے جو اُسنے عورت کي آزادي پر لکهي - حمیرتي کي یه نظم اسکا شه کار هي نهیں بلکه ایک غیر فاني نظم سمجهي جاتي هے - حمیرتي کے بعد غفور گلیار (Hafoor Gulyar) هے جسکي متعدد کتابیں مقبول عام هیں مگر اسکي ایک نظم جسکا هیرو ایک " اجتماعي کاشتکار " هے - اسکا شہہ کار سمجهي جاتي هے - یه حقیقت بهت اهم هے که ازبکستان کے ادبیات میں وهاں کي عورتیں مردوں سے کم نہیں - حالانکه قبل انقلاب انکي حیثیت و حالت گهریلو جانوروں سے بهتر نه تهي - Yanga yul ایک ممتاز ادبی رساله هے جس کے لکهنے والوں میں آدهي تعداد عورتوں کي هے -

ماسکو میں تمام سوویئٹ جمهوریتوں کا ایک Art Olympiad هوا تها جس میں ازبک تهیٹر کو اعلیٰ امتیاز کا تمغه دیا گیا - ازبکستان میں عمدہ قسم کے ڈراما نویس متعدد هیں -

تاجکستانی ادب کي تاریخ طرفه چیز هے : انقلاب رونما هونے تک تاجک ادب بالکل ایراني ادب کے اثر میں تها - صدرالدین عیني اسوقت بهي اعلیٰ ترین ادیب مانا جاتا تها ' اور وہ قبل انقلاب بخارا کي ریڈیکل تعلیمیافته جماعت کا سر خیل تها - انقلاب کے بعد عیني هي نئے رجحانات کا سب سے بڑا مبلغ اور رهنما هے -

عیني کي انشا و ادب کے اندر ' تاجک ادب ' مخصوص کے قدیم درباري قصیدہ خواني اور تصوف کے گورکهه دهندے سے نکل نئے هیرو تهالنے میں مصروف هے - عیني کے افسانوي کردار بالعموم غریب دهقان

ہوتے ہیں جو بخارا کے بے (زمیندار) کے ظلم و تعدی سے (Dekhan) آزاد ہونے کیلئے بے تاب ہیں - انقلاب کے پہلے دن سے عینی نئی زندگی کی فوج کا سپاہی اور تاجکستان کی کلچری تعمیر کا چیف انجینیر بنا ہوا ہے-

قدرتی بات ہے کہ انسان کی پرانی نصاوت اور عادتیں یکایک ترک نہیں ہو جاتیں - چنانچہ عینی کی بعد انقلاب کی پہلی تصنیف یعنی اسکے ناول " دینہ" سے اس بات کا پتہ چلا لینا دشوار نہیں - لیکن اس کے بعد کی تصانیف سے یہ بھی روشن ہو جاتا ہے کہ عینی کے عالمگیر فلسفے نے کس تیزی سے بروز حاصل کیا ہے - حقیقت یہ ہے کہ اس امیر نثر نگاری نے اپنی قوم کے تاریک ماضی کو بری طرح داغ دیا ہے -

عینی کے نئے ناول ' دو خلدہ " کا ہیرو دو خلدہ گاؤں کے غریب مزدور کا لڑکا ہے - یہ ہیرو " ادینہ " کے ہیرو کی طرح مر نہیں جاتا بلکہ ایک دنیا دریافت کرتا ہے اور اس دنیا کی تعمیر کا معمار بن جاتا ہے -

عینی کے ساتھ ہی پیراف سلیمانی (Pairof Sulaimni) مرحوم عبدل معین زادہ اور سرور کا بھی شمار ہوتا ہے - تاجک زبان کا رسالہ "برائے اشتراکی کلچر" اور بھی بہت سے نئے ادیبوں کے نام پیش کرتا ہے -

سوویٹ ترقیوں نے وسط ایشیا کا سب سے بڑا شاعر پیدا کیا - وہ شاعرعلی تکمبائیف ہے - علی نے ایسی زبان میں نئے ادب کی بنا قائم کی' انقلاب سے پہلے جس زبان میں تحریری حروف مفقود تھے - علی بھی کھیت کے ایک مزدور کا لڑکا ہے اور اسکی تعلیم و تربیت بالکل ایک معجزہ معلوم ہوتی ہے - بد ترین قسم کی فاقہ کشی اور بقائے

اور تیرا تو یہ فرمان ہے کہ میں تیری لائی ہوئی مسرت کا اعلان

کروں ! شاباش رے، بولشویک !

تو نے محلوں اور مسجدوں میں مدرسے جاری کر دئے اور اب وہ

جو مدتوں سے تاریکی میں تھے،

وہ نئی زندگی سیکھیں گے جو تو ان کےلئے لایا ہے ! شاباش رے،

بولشویک !

وطن کے غریبو، خبردار ! ایک لمحہ ضائع نہ ہونے پائے، تعمیر

کرو، جان لڑا دو، سیکھے جاؤ

اور اپنے علم سے ماضی کو صاف بدلالو ! ہاں، رے بولشویک تو نے

ہمیں یہ ہتھیار دئے ہیں !

شاباش رے، بولشویک !

سوویٹ مشرق لخوتی (LAKHUTI) کی ذات پر جتنا بھی فخر و ناز کرے بجا ہے - لخوتی در حقیقت جدید انقلابی ادب کا برترین صناع ہے - BRUNO YASENSKY نے لخوتی کے بارے نہایت سچی بات کہی ہے کہ وہ صرف انقلابی ایشیا کا برترین شاعری نہیں ہے بلکہ دنیا کے چند چوٹی کے شاعروں میں سے ایک ہے جلکو یہ فخر و امتیاز ملا ہے کہ ان کا ایک ایک لفظ عوام کی روح و جان پر منقوش ہو گیا ہو !

لخوتی نے اپنے تخلیقی کام کی تیسویں سالگرہ منائی تو اس میں ادیبوں اور صناعوں ہی نے حصہ نہیں لیا بلکہ اس دن ایک قومی تہوار کی طرح ساری سوویٹ یونین کے عوام نے خوشی اور مسرت کا جشن منایا - اسلئے کہ لخوتی نے عام و خاص، سب کے دلوں میں گھر بنا لیا اور ان کے

دماغوں میں بس گیا ہے - وہ جب کبھی مزدوروں میں پہونچ جاتا ہے' جب بھی اس کا گزر اجتماعی کاشت کرنے والوں کی طرف ہو جاتا ہے' وہ دن تعطیل کا دن بن جاتا ہے - اس کی نظمیں " کومیابین " " ہم فتحیاب ہونگے ' اور " U S S R کی طاقت " وغیرہ ایسی شاعری ہے جو بلا شبہہ انقلابی صناعت ادب کے جواہر پارے بن کر محفوظ رہے گی - اس کی وجہہ چھپی ڈھکی بات نہیں : اس کے شعر کا موقوع و بنیاد مزدور کا بین الاقوامی اتحاد اور اس ملک کی اشتراکی تعمیر ہے جس نے عالم کو آزادی کی راہ دکھائی ! لخوتی مشرقی سوویٹ کی صناعتی زندگی کا سب سے بڑا ناظم بھی ہے - وہ U S S R کی تنظیمی کمیٹی کا روح رواں ہے' روسی زبان میں تاجک لعب کے ترجموں کا بانی ہے' اور سوویٹ پریس کا مستقل لکھنے والا - وسط ایشیا میں لینین کی " قومی پالیسی " کا عملی بروز لخوتی ھی کا ممنون احسان ہے - وہ قومی رجعت پسندی کے خلاف جنگ کرنے والا بہادر سپاھی ہے -

مشرق کے کلاسیکی ادب سے کام لیکر لخوتی زبان و تخئیل کے ایسے نادر نمونے پیش کرتا ہے جو "شاھانہ" طریق پر مشرقی ہونے کے ساتھہ ساتھہ انقلابی بجلیوں کے خزانے ہوتے ھیں - ذاتی طور سے لخوتی نہایت درجہ کلچر یافتہ صناع ہے -

روس کے متعدد ادیبوں نے وسط ایشیا کے ادیبوں سے تعامل کرکے سوویٹ مشرق پر متعدد کتابیں لکھی ھیں - وسط ایشیا کے ادب یعنی شعر' افسانہ اور ڈراما' جملہ اصناف ادب کی خصوصیت شگفتگی اور

زندہ دلی ہے، تخئیل کا تمول ہے اور ترقی کا ولولہ ہے - اور اس کا یہ ادب جو آغاز نمو کی تمام دقتوں کا کامیاب مقابلہ کر چکا ہے، اس بناء پر بے حد اہم ہے کہ اس کے اندر تاریخی صداقت ہے ! سوویٹ ایشیا کے ادیبوں کی تخئیلی قوت کا اندازہ اس حقیقت کو یاد کرکے کرنا چاہئے کہ صدیوں تک امیر، خوانین اور مقامی بورژوا کے جوئے کے ساتھ "سفید زار" کی حکومت کا جوا ان کی گردنیں توڑتا رہا ہے لیکن اس پر الم ماضی سے نجات ملتے ہی ان تمام ملکوں کے ادیب و شاعر اشتراکیت کی روز افزوں طاقت کے گیت گاتے ہوئے، عوام کے بہت بڑے حلقے کو فاتحین اکتوبر کے ہمدوش لے آئے ہیں انہیں انقلابی صف میں لا کھڑا کر دیا ہے ! یہ شاعر و ادیب اپنے عوام کو سوویٹ طاقت کی مدافعت اور اس کے دشمنوں کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیار کر رہے ہیں یا ماضی کے باقیات باصالحات سے جنگ کرنے کے لئے تیار کر رہے ہیں، قوم پرستانہ تنگ خیالی کو فنا کر رہے ہیں اور کمزور ہمسایوں کے مقابل " غالب قوم " کے احساس کو مٹا رہے ہیں اور روس خاص کے لوگوں کی طرف سے وسط ایشیا کے لوگوں کے دلوں میں جو بغض وعناد بیٹھ چکا تھا اسکو دھو رہے ہیں -

ایس والیٹی نے " پانچ جمہوریتوں کا ادب " کے عنوان سے رسالہ " ادبی نقاد " میں جو مضمون شائع کیا تھا اس کا ایک پیرا یہاں نقل کیا جاتا ہے :—

" وسط ایشیا کے ادیبوں اور شاعروں کا بیشتر رجحان اس طرف ہے کہ اپنے عوام کو قومی زندگی کے لئے بیدار کریں، سورج کی روشنی میں

جگمگاتي هوئي ارض وطن سے محبت کرنا سکھائیں جسے زار اور امیر نے روند رکھا تھا مگر جو آج بالکل آزاد ہے' اور انھیں اپنی زبان اور اس کے ادب سے محبت کرنا سکھائیں - نوجوان مزدور طبقہ یعني Dekhan کا تمام ولولہ اور ساري قوت عمل اس بات پر صرف ہورہی ہے کہ سوویٹ ایشیا کے ریگستان اور کہسار کو اشتراکیت کا باغ بنا دیا جائے' اور یہ برکت ہے ان ملکوں کے شعر ادب کي !

تاجکستان کا ایک (بھاٹ) شاعر دشمن کو سرحد پار چھپا دیکھتا ہے اور اسے مخاطب کرکے کہتا ہے :—

" تو اگر پلٹ کر پھر ہمارے وطن میں آنا چاہے گا تو یاد رکھ سڑک کا ایک ایک کنکر اٹھکر تیري راہ روکے گا "

راستے کے درختوں کي ٹہنیاں تیر بن کر تیري آنکھوں میں گھسیں گی' جنگل کي ہر بیل تیرے پانوں کے لئے ایک جال اور زنجیر بن جائیگي' پہاڑ کنڈے تول کر تیرے اوپر سوک پڑیں گے' اور ندیاں تیري راہ میں طوفان بپا کردیں گي -

" تو نے اگر اس طرف کا رخ کیا تو یاد رکھہ کہ ہماري عورتوں کے طوفان غیظ و غضب ہي میں بہ جائیگا اور یہاں تیرے لئے کچھہ نہ ہوگا مگر نفرت—نفرت کے پہاڑ ! "

کرا کلپا کیا کا شاعر زال مرزا اپنی نظم " پے کو جواب " میں کہتا ہے :

" اقرار نامے لکھا لکھا کر تو نے میری جان ہلکان کر رکھی تھی '
تو نے سانپ کی طرح مجھے ڈسا تھا '
تو نے مجھے اتنا بھینچا کہ سانس لینے کی تاب نہ رہی '
تو نے مجھے مٹھی کے اندر بھینچ رکھا تھا '
مگر سن رکھ ! اب میرے بے شمار ساتھی و مددگار ہیں '
اور سویت ایک زبردست لیڈر و رہنما ہے -
" اب میں تجھے مٹا کے چھوڑوں گا ! "

وسط ایشیا کے ادیب و شاعر کا ایک موضوع پانی کی قلت اور اس کے حاصل کرنے کی جدو جہد بھی ہے - قدرے فطرت پر قابو پا لینے کی جدو جہد " سفید سونے " (کپاس) کی کاشت کی جدو جہد ہے ' اور بحالات موجودہ وسط ایشیا میں کپاس کی جدو جہد کے معنی اشتراکیت کی جدو جہد ہیں - چنانچہ کپاس کے موضوع پر اعلی پائے کی نظمیں ' فسانے اور ڈرامے وجود میں آ گئے ہیں ایک ازبک شاعرہ ' ادین صابر وفا کپاس کے کھیت کا گیت گاتی ہوئی کہتی ہے :

" عطائے ارض کا سفید سونا نرم ہے ·
اس کا حبابی و حریری لباس سبز ہے '
اور دمکتا ہوا سورج نصف النہار پر ہے ! "

ایک اور ازبک شاعر ' رستم اگیشیف پانی اور کپاس کو سفید بلور کے پہاڑے تشبیہہ دیتا ھے - ایک دوسری جگہہ سوویت دور کا ترانہ گاتے ہوئے ' رستم ' زمین کی اگلی بیچجانی کی طرف اشارہ کرتا ھے .

" جہاں کبھی گرمی کی شدت گھاس کو جلا ڈالتی تھی '
اور جہاں گلہری پیاس سے تڑپ کر جان دیتی تھی '
(وھاں) اب برف کی مانند سفید کپاس اگ رھی ھے !

پگھلے ہوئے باور کی طرح شفاف پانی نہروں کے اندر دوڑتا پھر رھا ھے

جو دور کے پہاڑوں سے لایا گیا ھے——یہ سب سوویت دور کی کرامت ھے ! "

کرغیز شاعر علی تکمبائیف اپنی ایک نظم میں جس کا عنوان " اراضی و آبپاشی کی اصلاحات " ھے ' اُن دنوں کو یاد کرتا ھے جب کپاس' اناج اور چاول سے بھری ہوئی کھیتیاں دولتمندوں یا تاجروں کی ملکیت تھیں :—

"...اور آقا ھمیں انعام میں طمانچے دیتا تھا '
لیکن اب ' ساتھیو ' دیکھو تو '
ھماری خوشحالی و مسرت چھلکی پڑتی ھے——
وطن کا شیریں پانی اور کاشت کی زمین ھمیں مل گئی ھے ! "

وسط ایشیا کے ادب و شعر میں جس موضوع کو نمایاں جگہہ ملی ھے وہ تمام قوموں کا برادرانہ اتحاد ھے : اور ماضی کے ورثے' ضعیف الاعتقادی

اور وھم پرستی کو استحصالی نظام کی پیداوار تھی ؛ متاثر لوگوں کے فکر و خیال آزاد کرنا ھے -

انقلابی اکتوبر نے ان ادیبوں اور شاعروں کو بلاوادیا ، قومی زندگی اور آزادی وطن کی طرف بلاوادیا ، اور یہ وہ رشتہ ھے جسکی وجہہ سے مشرقی سوویٹ کے تمام ادیب و شاعر پوری سوویٹ یونین کے شیدائی بن گئے ھیں ، اس سے محبت کرتے اور اسپر فخر کرتے ھیں - کرغیز شاعر علی تکمدالیف اپنی نظم میں جو کرغیز زبان پر ھے ، کہتا ھے : —

ھماری زبان کو دیمک لگ رھی تھی ،
اسپر صدیوں کے حملوں اور جنگوں کی ظلمت چڑھی ھوئی تھی ،
ھماری زبان اور ھماری قوم قید اور بند میں تھے ،
حتی کہ اکتوبر ھماری مدد کو پہنچا اور ھمیں دعوت دی
کہ ایک دولت مشترک اور زبانوں کی برادری میں شامل ھو جاؤ !
میں اُس درخشاں گھڑی پر فخر و ناز کرتا ھوں
جب دشمن پر ھماری فتح و ظفر کے بادل پھٹ پڑے
اور اس طوفان نے ھمارے کندھوں پر سے جوا اتار پھینکا
اور غلام آزاد ھوگئے کہ اپنا جنگی پرچم لہرا دیں !
میں اس مقدس دن پر فخر و ناز کرتا ھوں ——
آغاز اکتوبر کے دن پر !
اے ارض وطن ! محنت اور کام کے ترانے بجا ،
میں تیرا پاسبان ھوں ! "

یوگوریا (Ugurin) کا ایک عوامی گیت ہے :—

" ارضِ وطن ! تیرے پھل اور میوے ،

تیرے آڑو اور انجیر ، مٹر اور گیہوں ، بہت اچھے ہیں ، -

تیرے باغ جن میں ہرے ہرے پودے لہلہاتے ہیں ،

جہاں چڑیاں کھا کھیل کر بسیرا لیتی ہیں ، بہت اچھے ہیں !

تیری زمین کی تہوں میں اور تیرے جنگلوں میں بڑی دولت ہے :

کالا کوئلہ بھی ہے اور اندر سونا بھی—لوہا بھی ہے اور تانبا بھی..."

مارکس ، لینن اور استالین پر وسط ایشیا کے ادب میں بے شمار نظمیں ہیں - مارکس پر ایک ازبک شاعر کی نظم ہے ، اُس میں وہ وہ کہتا ہے :—

" ارض سوویئٹ ! تو تو ارض مارکس ہے !"

لینین ایک گمنام شاعر کی نظم ہے جسکا آخری شعر یہ ہے :—

" لینین نے سب کو حق دیا کہ جو چاہیں گائیں ،

اور وہ سب کے سب ایکدم سے لینین کا ترانہ گائیں گے !"

لاہوتی کا ذکر اوپر آ چکا ہے - اس کی ایک نظم کا عنوان ہے " لینن کی قبر پر پھولوں کا ہار " اس نظم میں اُس نے لینن کی تصویر بڑے درو بست کے ساتھ بنائی ہے اور کمال حیرت اس پر ہے کہ ایک لفظ ایسا نہیں جسے بھرتی کہا جا سکے - یہ نظم اپنی معنویت کے اعتبار سے بھی بے نیاز تعریف ہے - اُن کے آخری بند کا ترجمہ یہ ہے -

" کوئی یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ تو مر گیا !

دشمن اگر بہادر بھي ھے تو مانے گا اور منھہ چھپاے گا :

مردہ خود وہ ھے جو تجھے مردہ سمجھے -

اس لئے کہ وہ دیو پیکر کبھي نہیں مر سکتا

جو دنیا سے جاتے وقت بولشویک پارٹي

اور استالین سي طاقت پیچھے چھوڑ جائے ! "

پورے وسط ایشیا میں ادبي حلقوں اور انجمنوں کا جال بچھہ گیا ھے - بڑے بڑے مرکزوں میں نظیمي کمیٹیاں کام کر رھي ھیں اور ھر Kolkhorz (جہاں اجتماعي کاشت ھوتي ھے) کا ایک ادبي حلقہ ھے - ھزاروں کتابیں شائع ھورھي ھیں - ھر ریپبلک کي ادبي تنظیم ایک رسالہ نکالتي ھے جو وھیں کي زبان میں شائع ھوتا ھے - پھر تاشقند سے ایک اور مجلہ شائع ھوتا ھے - اس رسالے کا نام " وسط ایشیا کے لوگوں کا سوویت ادب " ھے - تاشقند وسط ایشیا کي ادبي جدو جہد کا مرکز ھے -

عبدالرحیم خان خاناں کی ھندی شاعری

(از سید رشیدالحسن - ام - اے)

تعرف

شہنشاہ اکبر کے مشہور اتالیق اور وزیر بیرم خاں خان خاناں کے فرزند عبدالرحیم خان خاناں ۱۴ صفر ۹۶۴ھ میں بمقام لاھور پیدا ھوئے - بہت کم عمری میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا - یتیم ھونے کے بعد خود اکبر نے انکی پرورش اور تعلیم و تربیت اپنے ذمہ لے لی - شاھانہ توجہہ اور عاطفت و سرپرستی کے باعث خان خاناں میں اعلی قابلیت اور ارفع اخلاق پیدا ھوئے - ھر قسم کے علوم و فنون اور سیاست میں دستگاہ حاصل ھوئی - سن بلوغ کو پہونچنے کے بعد خود شہنشاہ نے خان اعظم مرزا عزیز کوکلتاش کی ھمشیرہ ماہ بانو بیگم سے ان کی شادی کروا دی -

خان خاناں کی اعلی صلاحیتوں ، عمدہ جوھر ذاتی اور ھمہ گیر طبیعت نے ان کے رتبے بہت بلند کئے - شہنشاہ نے انھیں اعلی سے اعلی اعزازات ، انعامات اور جاگیریں عطا کیں - ممتاز ترین عہدوں اور خدمت پر فائز کیا - یہ اکبر کے سپہ سالار ، وکیل مطلق اور درباری نو رتن کہلائے -

عبدالرحیم خان خاناں کی فیاضی کے قصے ہندوستان بھر میں زبان زد خاص و عام ہیں - ان کی سخاوت کے بے شمار واقعات میں سے ایک حیرت انگیز واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ ملا نظیری نیشا پوری نے خان خاناں سے عرض کیا ' " حضور ! میں نے لاکھ روپئے کا ڈھیر نہیں دیکھا " نواب نے فوراً ایک لاکھ روپئے کا ڈھیر ان کے سامنے لگوا دیا اور انہیں بخش دیا - غرض ان کی فیاض طبیعت جو دو سخا کے لئے ہر وقت بہانے تلاش کر لیا کرتی اور ذرا ذرا سی بات پر لوگ بڑے بڑے انعام و اکرام پاتے -

خان خاں نے اپنی زندگی میں تین شہنشاہوں کے دور دیکھے - انہیں زمانہ کے بہت سے تغیرات اور انقلابات سے گزرنا پڑا - آخر عمر میں فتنۂ روزگار اور کشمکش حیات کی سخت آزمائشوں میں مبتلا رہے - شاہجہاں سے ساز باز کرکے جہانگیر کی مخالفت کے الزام میں گرفتار ہو کر یہ قید بھی ہوئے تھے ' لیکن جہانگیر نے بعد میں انہیں رہا کر دیا - اس بارے میں ان کا ایک شعر بھی پایا جاتا ہے -

مرا لطف جہانگیرے ز تائیدات ربانی

دوبارہ زندگی دادہ دوبارہ خان خانانی

بیان کیا جاتا ہے کہ خان خاناں کو آخر عمر میں اگلی سی وہ فارغ البالی میسر نہیں تھی - آخری ایام میں انہیں طرح طرح کے آلام و مصائب ' دھر اٹھانے پڑے - آخرکار ۷۳ سال کی عمر میں سنہ ۱۰۳۶ھ کو انتقال کیا اور ہمایوں کے مقبرے کے قریب دفن ہوئے -

شہنشاہ اکبر کا دور حکومت (سنہ ۱۵۵۶ع تا سنہ ۱۶۰۵ع) ہندی ادب کا عہد زریں سمجھا جاتا ہے - شاہانہ سر پرستی میں ہندی زبان اور ادب بام عروج پر پہونچ چکا تھا - دربار شاہی میں ہندی کے نامی گرامی شعرا جمع تھے - دربار کے ممتاز ترین شاعر کو 'کوی رائے' کا خطاب دیا جاتا تھا - شعرا کی ہمتیں بڑھانے کے لئے موقع بہ موقع بڑے بڑے انعام و اکرام ، خلعتیں اور جاگیریں عطا ہوتی تھیں - خود شاہ کو بھی بڑا اچھا ذوق حاصل تھا - بیان کیا جاتا ہے کہ شہنشاہ نے بھی ہندی میں چند دوہے کہے ہیں - الناس علی دین ملوکھم کی رو سے اس عہد کے بعض مسلمان امراء و فضلاء کو بھی ہندی زبان کی تحصیل کا شوق پیدا ہوا اکثر نے ہندی میں شعر بھی کہنا شروع کیا - چنانچہ ہندی کے مسلمان شعرا میں خان خاناں کو افضلیت کا درجہ حاصل ہوا -

ہندی شاعری کا ذوق

خان خاناں ذہین آدمی تھے - طبیعت ہمہ گیر اور مزاج میں مختلف چیزوں کا امتزاج تھا - مختلف زبانوں کو حاصل کرنے کا عجب خداداد ملکہ موجود تھا - عربی ، فارسی اور ترکی کے ساتھہ سنسکرت اور ہندی میں بھی مہارت تامہ حاصل کی -

شاہی دربار کے بلند پایہ ہندی شعرا کے فیض صحبت کے علاوہ خان خاناں نے خود اپنے دربار میں بڑے بڑے نامور شعرا جمع کئے تھے - ہر وقت محفل شعر گرم رہا کرتی اور ہمہ ساعت ان کا ذوق شعر سیراب ہوا کرتا - داد شعر میں انہوں نے شعرا کو سینکڑوں مرتبہ مالا مال کیا ہے - ان کے دربار کے ہندو شعرا جاڑا ، کیشو داس ، گنگ ، ہری ناتھہ ،

منڈن ، پرسدھہ ، ھول رائے ، مکند وغیرہ بارہا بڑے بڑے صلے پا چکے ھیں - گنگ کوی کے متعلق بیان کیا جاتا ھے کہ ایک مرتبہ اس نے اپنے ایک چھپہ (ھندی شاعری کی ایک صنف ھے) پر چھتیس لاکھ روپئے انعام میں پائے - ' رحیم رتنا ولی ' کے مقدمہ میں مایا شنکر ٹگ لکھتے ھیں -

" جتنے کویوں نے رحیم کی پرشنسا (تعریف) لکھی ھے انھے کویوں نے انیہ (دیگر) کسی کی مہما (مدح) نہیں گائی - گنگ ، پرسدھہ ، منڈن ، سامنت ، لکشمی نارائن ، وان ، آدی (وغیرہ) انیک (مختلف) کبی رحیم کے اشوت (آسرے) میں تھے اور سب پرکار سے ان کے کرتگیا (احسان مند) بھی تھے " -

رحیم کو نہ صرف اپنے قریب رھنے والے شعرا سے تعلق تھا بلکہ ملک سے باھر رھنے والے اسی عہد کے مشہور شعرا سے بھی لگاو اور دوستی تھی - بعض تذکرہ نویس تلسی داس سے ان کی گہری دوستی کا ذکر کرتے ھیں - بیان کیا جاتا ھے کہ انھوں نے تلسی داس کو کئی مرتبہ اپنے دربار میں آجانے کی دعوت دی ، لیکن سادھو منش تلسی نے دنیاوی جاہ کو خاطر میں نہ لاکر انکار کر دیا - مگر دونوں کی آپس کی خط و کتابت نے خلوص و محبت کا بندھن باندھہ دیا تھا - بہاری لال ، منی رام ، ویاس ، درند ، رس ندھی ، سندر وغیرہ سے بھی رشتۂ اخوت و عقیدت تھا - چنانچہ رحیم کے ھندی کلام میں ان تمام شعرا کی شاعری کی جھلکیاں پائی جاتی ھیں -

خود خان خاناں کی شخصیت، ہندی شاعری میں اس قدر بلند و بالا تھی کہ اس دور کے اکثر بڑے بڑے ہندو شعرا پر ان کے کلام کا اثر قائم ہوا - چنانچہ ہندی شاعری کی مشہور صنف بروے چھند میں ان کو خاص مقام حاصل تھا اس صنف میں خود تلسی داس نے ان کی پیروی کی ہے - اپنی کتاب ' رحمن ولاس ' نمبر ۸۱ پر برج رتن داس صاف تحریر کرتے ہیں :—

" بروے چھند میں تو رحمن کی دیکھا دیکھی ہی گو سوامی نے
' بروے رامائن ' بنائی تھی اور ان کے گرنتھوں (مجموعہ کلام)
کا رحیم کی رچنا (شاعری) پر بھی پر بھاو (اثر) پڑ سکتا ہے " -

اسی طرح متی رام کے کلام میں بھی کافی اثر پایا جاتا ہے - رحیم کا ' بروے نایکہ بھید ' اور متی رام کے ' رس راج ' کو ایک ساتھ پڑھیں تو اس کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہے -

خان خاناں ہندی میں رحیم یا رحمن تخلص کیا کرتے تھے -

رحیم کی ہندی تصانیف

بڑے پر گو اور فن شعر کی ہر صنف کے مرد میدان تھے - دوہے ' سوتے ' کبت' چھپے ' بروے ' غرض ہر صنف پر قلم اٹھایا اور ہر ایک میں اپنے کمال کی داد حاصل کی - ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں -

۱—دو ہاولی - کہا جاتا ہے کہ رحیم نے دوہوں کی ایک مکمل ستسئی (سات سو دوہوں کا مجموعہ) تیار کی تھی ' لیکن ابھی تک

تمام دوھے دستیاب نہیں ہوئے - رحیم کے ان دوھوں میں ان کی زندگانی کا عکس نظر آتا ھے - دوھوں کے کہنے میں انھیں قدرت تامہ حاصل تھی بعض دوھوں میں خامیاں بتائی جاتی ھیں - لیکن معلوم ھوتا ھے کہ انکی اپنی گوناگوں مصروفیات نے انھیں اپنی خامیوں کی طرف توجہہ نہیں دلائی -

۲—نگر شوبھا - اس میں ایک سو بیالیس دوھے پائے جاتے ھیں - یہ دوھے مختلف قسم کی پیشہ ور عورتوں پر کہے گئے ھیں - انکی ذات اور بیوھار کے الفاظ کو لیکر (شرنگارک بھاؤ) حسن و عشق کی باتوں کو بڑی عمدگی سے ظاھر کیا گیا ھے -

۳—بروے نایکۂ بھید - رحیم کی یہ تصنیف مکمل حالت میں میں ملتی ھے - اس میں انھوں نے مختلف نایکاؤں (ھیروین) کے بھید یا مکاری و عیاری کو نہایت عمدہ زبان میں بیان کیا ھے - یہی وہ بروے ھیں جنکا اتباع تلسی داس جی نے کیا ھے - برج رتن داس کہتے ھیں -

" جس طرح ' پد ' میں سور ' دوھوں میں بہاری ' چوپائیوں میں تلسی ' ' کوت ' میں دیو کا مقابلہ ھندی ادب میں کوئی نہیں کرسکتا ' اسی طرح بروے میں رحیم کے مقابلہ میں کوئی بھی نہیں آتا -

ان بروں کی زبان اودھی زبان کا بہترین نمونہ ھے - یہ چھوٹے چھوٹے چھند چھوٹی چھوٹی تصویریں ھیں - یہ ھندوستانی پریم

جیون (زندگي عشق و محبت) کا بہترین عکس ھے - یہ کسی کي سني سنائي باتیں نہیں معلوم ھوتے بلکہ کسي درد مند دل کي پکار ھیں -

رحیم کے ھاتھہ میں بروے واقعي چھند کہلانے کے لائق ھوگئے - یہ چھوٹا سا مجموعہ هندي زبان کے سرمایہ ادب کا ایک بیش قیمت خزانہ ھے -

۴— بروے - یہ ایک سو ایک برووں کا مجموعہ ھے - جو شرنگار طرز پر ھے - ابتدائي چھہ برووں میں گنیش جي ' شري کرشن جي ' سوریہ بھگوان ' مہادیو جي ' ھنومان جي اور دیگر گرووں کي مدح کي گئي ھے -

رحیم نے برووں میں اوروں کے بر خلاف بارہ ماسے لکھے ھیں - اشاڑھہ ' ساون ' بھادوں اور پھالگن چار ماس کا اس میں بیان ھے -

۵— شرنگار سورٹھا - رحیم کے دوھوں میں بہت سے سورٹھے بھي ملتے ھیں - ان میں چھہ سورٹھے ایسے ھیں جو شرنگار رس میں پائے جاتے ھیں - انہیں چھہ سورٹھوں کو لے کر شرنگار سورٹھا ' کي شکل دي گئی ھے - یہ سورٹھے بڑے انوکھے ھیں - درد و اثر میں بڑھے ھوئے ھیں - زبان نہایت عمدہ ھے - یہ بھاري کے اچھے دوھوں کے مقابل لائے جا سکتے ھیں -

۶— مدناشتک - اس میں رحیم نے مالیني چھند استعمال کیا ھے - یہ کھڑي بولي میں لکھي گئي ھے - جس میں سنسکرت کا

خاص طور پر مالاین کیا گیا ہے ـ بعض لوگ اسی امتزاج کے باعث اسکو ریختہ بھی کہتے ہیں ـ

۷ــ بھتکر پد ـ بھگت مال سے دو پد لیکر اسکو ترتیب دیا دیا گیا ہے ـ

۸ــ رحیم کاویہ یہ سنسکرت زبان میں لکھی گئی ہے ـ ایک مسلمان کا سنسکرت میں کلام کرنا ایک قابل تعریف بات ہے ـ اس لحاظ سے یہ بھی انکی ایک عمدہ تصنیف سمجھی جاتی ہے ـ

اس میں رحیم نے بعض شلوک خاص سنسکرت شلوک اور سنسکرت اور ہندی ملے ہوئے شلوک لکھے ہیں ـ

۹ــ کھیٹ کو تک جاتکم ـ یہ بھی انکی ایک سنسکرت تصنیف ہے جو علم جوتش پر لکھی گئی ہے ـ اسکے ایک ایک شلوک میں آٹھوں گرھوں کے بارہ مقالوں کے پھل دئیے گئے ہیں ـ اس میں کہیں کہیں بعض گرھوں کے فارسی نام درج کئیے ہیں ـ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ جوتش بھی خوب جانتے تھے ـ

رحیم کے عہد تک بھگتی تحریک اپنے عروج پر تھی ـ کبیر، نانک، تلسی داس جیسے با کمال شعرا بام شہرت پر جلوہ افروز تھے ـ ہر چھوٹا بڑا شاعر ان شاعروں کے اتباع کو اپنے لئے باعث فخر تصور کرتا تھا ـ چنانچہ رحیم بھی اس سیلاب سے نہ بچ سکے ـ ان کے تمام کلام میں بھگتی

کلام کی خصوصیات

تحریک کی روح نظر آتی ہے - یہ اچھے خاصے تعلیم یافتہ اور سنی مسلمان ہونے کے باوجود بھگتی تحریک کے اعتقادات ، عبادات اور اخلاقیات کو بڑے چوچلے سے بیاں کرتے ہیں - وہ بھگتی تحریک کے دو بڑے اوتار شری کرشن جی اور رامچندر جی کو عقیدتمندانہ جوش و خروش سے پکارتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ خدا ہیں جو انسان کے روپ میں ظاہر ہو انسان کی نجات کے لئے آئے - یہ غریبوں کے ملجی و ماوی ہیں جو انکے دکھہ درد میں کام آتے ہیں انکی مرادیں بر لاتے ہیں اور انہیں نیک ہدایت دیتے ہیں - اس قسم کے اشعار ملاحظہ فرمائیے -

۱—گہو سرناگت رام کی ، بھوساگر کی ناؤ
رحمن جگت ـ اُدھار کر ، اور نہ کچھہ اُپاو

ترجمہ - کشتئ بحر حیات را مچندر جی کے آسرے میں پہنچ چکی ہے - اے رحمن ! اب تو ترک دنیا کر - اسکے سوا اب کوئی اور تدبیر نہیں ہے -)

۲—رحمن من ہی لگاے کے دیکھی لہو کن کوے
نر کو بس کرہبو کہا ، ناراین بس ہوے

(ترجمہ - رحمن نے ہر شخص سے دل لگاکر دیکھہ لیا - بس انسان کے لئے تو ناراین ہی کی محبت کافی ہے -)

۳—چترکوٹ میں رام رہے رحمن اودھہ نریش
جاپر بپدا پڑت ہے سو آوت یہی دیش

(ترجمہ - چترکوٹ میں رام چندر جی رہتے ہیں اور رحمن اودھ کے راجہ کے پاس - چترکوٹ وہ مقام ہے جہاں لوگ مصیبت پڑنے پر آتے ہیں اور اپنی مراد پاتے ہیں -)

۴—اب رحیم مسکل پڑی گاڑھے دوؤ کام

سانچے سے تو جگ نہیں جھوٹے ملے نہ رام

(ترجمہ - اے رحیم ! اس دنیا میں دو کام بہت مشکل ہیں - سچے آدمی کو دنیا نہیں ملتی اور جھوٹے کو رام نہیں ملتے -)

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں

ایں خیال است و محال است جنوں

دئی مقامات پر رحیم سری کرشن سے اپنے انتہائی عشق و محبت کا ذکر کرتے ہیں - ایک جگہہ کہتے ہیں -

۱—انجن دنہے کر کری سرمہ دیو نہ جاے

جن آنکھوں سوں ہری سکھیو رحمن بلی بلی جاے

(ترجمہ - میری آنکھوں میں ہری اس طرح بس گئے ہیں کہ اب ان میں کاجل تک کرکرا معلوم ہوتا ہے اور سرمہ تو لگایا ہی نہیں جاتا - اے رحمن ! میں ایسے ہری پر بل بل جاتا ہوں -)

۲ - انوون شری برندا بن برج تے آون آون جانی

اب رحیم چت تے نہ ٹرتی ہے سکل سیام کی بانی

(ترجمہ - ہر روز برندا بن اور برج کے علاقہ سے سری کرشن کی (بانسری کی) آواز آتی جاتی رہتی ہے - اب انکی آواز دل میں کچھہ اسطرح جاگزیں ہوچکی ہے کہ نکالے سے نہیں نکلتی -)

۳—تے رحمن من آئیو کنھوں چاروں چکور
لھلی باسہ لاگو رھے کرشن چندر کی اور

(ترجمہ - اے رحمن ! سری کرشن جی نے میرے دل کو چاروں طرف سے اپنی ھی جانب کر لیا ھے - اب حالت یہ ھے کہ وہ رات دن انھیں کی طرف لگا رھتا ھے)

۴—رحمن کو کوو کا کرے جواری چور کبار
جو یتی راکھن ھار ھے ' ماکھن مکھن ھار

(ترجمہ - رحمن کو کوئی کیا کرے - اس کے دل کو ایک جھوتے اور چور نے چرا لیا ھے - اس کی صفت یہ ھے کہ وہ سب کا مالک و شوخی شرارت سے مکھن چوری کرنے والا ھے - شری کرشن اپنے بچپن میں اکثر شوخی و شرارت سے مکھن چوری کرکے کھایا کرتے تھے ان کی اس ادا کو ھندی کے شعرا بڑے پیار سے بیان کرتے ھیں -)

ایک مقام پر رام چندر جی کی محبت میں پکار اٹھتے ھیں کہ اگر کوئی رام نام نہ جانے تو اس نے گویا اپنی تمام عمر ضائع کی - کہتے ھیں

رام نام جانیو نہیں جانیو سدا اُپادی
کہی رحیم تے ھی آئیو ' جنم گنوایو بادی

(ترجمہ - اگر کوئی رام نام نہیں جانتا ھے تو اس نے بہت برا کیا - اے رحیم ! تم اس شخص سے کہنا کہ تم نے اپنی زندگی فضول ھی گنوائی -)

پریم یا عشق حقیقی بھگتی تحریک میں ایک نہایت ہی

پریم

بلند مقام رکھتا ہے - پریم کے بغیر بھگتی کا فدائی سچا بھگت نہیں کہلاتا - کبیر نے کہا ہے

پریم بنا دھیرج نہیں ، برہ بنا بیراگ
ستگورو بنا مٹے نہیں من منسا کا داگ

(ترجمہ - پریم کے بغیر صبر سکون نہیں اور نہ اس کے بغیر بیراگ کیا جا سکتا ہے - اس کے بغیر انسان کے دل کا داغ بھی مٹ نہیں سکتا -)

غرض بھگت کا کمال یہ ہے کہ وہ پریم یا عشق حقیقی میں ایسا جذب ہو جائے کہ اس کے بعد دنیا و ما فیہا کی خبر نہ رہے - پریم ہی بھگتی کا سب سے بڑا مقصد ہے - گرو کے پریم سے اس کا آغاز ہوتا ہے اور بالآخر بھگوان کے پریم میں فنا ہو جاتا ہے - اس پریم کی کیفیات کو رحیم نے اس طرح بیان کیا ہے -

۱ — رحمن میں ترنگ چوھی چاہیو پاوک ما نہیں
پریم پنتھ ایسو کٹھن ، سب کوؤ نبہت ناھیں

(ترجمہ - اے رحمن ! محبت کی لہر چڑھتے چڑھتے آگ میں تبدیل ہو رہی ہے - محبت کا راستہ اتنا کٹھن ہے کہ ہر شخص اس کو نبھا نہیں سکتا -)

۲ — یہ نہ رحیم سراھئے لین دین کی پریتی
پران باجی راکھئے ہاری ہوے کہ جیتی

(ترجمہ - اے رحیم! محبت کی لین دین کو نہ سراہئے -
ہار اور جیت ہر دو صورتوں میں جان کی بازی لگانی پڑتی ہے -)

۳—جے سلگے تے بجھی گئے ' بجھے تے سلگے ناہوں
رحمن داھے پریم کے بجھی بجھی کے سلگا ہیں

(ترجمہ - جو چیز سلگ جاتی ہے بجھ بھی جاتی ہے اور جو بجھ جاتی ہے وہ خود بخود نہیں سلگتی - مگر اے رحمن! پریم کے جلے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بجھ بجھ کر سلگا کرتے ہیں -)

۴ - انتر داتو لگی رہے - دھواں نہ پرگٹے سوے
کہ جئے جانے آپنو جا سر بیتی ہوے

(ترجمہ - پریم کی آگ ایسی ہے کہ وہ اندر ہی اندر جلتی رہتی ہے - دھواں تک باہر نہیں آنے پاتا - جس پر بیتتی ہے وہی جانتا ہے دوسرا کیا جانے -)

اخلاقیات

بھگتی کے پرستار ہر وقت دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے واقعہ یا معمولی سے معمولی شئے میں ایک اخلاقی نکتہ پیدا کیا کرتے تھے - یہ بھگت ہمیشہ پند و موعظت کے خزانے کھول کر رکھ دیا کرتے تھے - چنانچہ اسی قسم کے بیش بہا گوہر رحیم کے کلام میں اکثر و بیشتر جھلکتے نظر آتے ہیں - ملاحظہ ہو -

۱—اپنی عزت کا خیال رکھو -

رحمن موہی نہ سہاے آئی پیاوے مان بنا
برو وشی دئے بلاے مان سہت مریبو بھلو

(ترجمہ - اے رحمن ! مجھے بغیر عزت اور مان کے آب حیات بھی پینا پسند نہیں -

اگر کوئی شخص عزت سے بلا کر زہر بھی دے تو پی کر مرنا بہتر ہے

مان سہت وشہ کھانے کے شمبو بھئے جگدیش

بنا مان امرت پئے راھو کٹایو سیس

(ترجمہ - شمبو نے زہر کھایا مگر عزت کا پاس تھا اس لئے بعد میں جگدیش یعنی دنیا کے مالک بن گئے - بر عکس اس کے راھو نے بے عزتی کے ساتھہ آب حیات پینا پسند کیا - نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے اپنا سر کٹایا -)

۲—اپنی عزت آپ کرنے کے معنی یہ نہیں کہ بڑے بول نہ منہ بولیں یا اپنی بڑائی میں اترایا کریں - کہتے ہیں -

بڑے بڑائی نہیں کریں ، بڑو نہ بولیں بول

رحمن ہیرا کب کہے ، لاکھہ ٹکا میرو مول

(ترجمہ - بڑے ہونے کے یہ معنی نہیں کہ خواہ مخواہ بڑا بول منہہ سے نکالیں اور اپنی بڑائی کرتے پھریں - رحمن ! کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ ہیرا اپنی قیمت اپنے منہہ سے بولتا ہے کہ میرا مول لاکھہ ٹکے ہے -)

۳—برے آدمی سے بچنا چاہئے اور بھلے لوگوں سے ہر وقت تعلق رکھنا چاہئے -

اوچھے کوست سنگ ، رحمن تجھو انکار جنوں

تانو جارے انگ ، سربے پے کارولگے

(ترجمہ ـ اے رحمن ! ذلیل آدمي کی صحبت سے اس طرح بچ جس طرح آگ سے بچتے هیں -

آگ کی خاصیت یہ ھے کہ اس سے جسم بھي جلتا ھے اور زخم کا سرا بھي سیاہ ھو جاتا ھے - یعني برے کي صحبت سے تکلیف بھي پہونچتی ھے اور بدنامي بھي ھوتي ھے -)

مگر اس کے باوجود اچھا آدمي ھر حالت میں اچھا ھي رھتا ھے- اس کي مثال ایسي ھے

جو رحمن أتم پر کرتی ' کا کری سکت کسنگ
چندن وش ویاپت نہیں ' لپٹے رهت بھجنگ

(ترجمہ - اے رحمن ! نیک فطرت کو بری صحبت کا کچھہ بھي اثر نہیں ھوتا - اس کي مثال ایسي ھے کہ اگر چندن پر سانپ لپٹ جائے تو اس کا زھر اس پر پھیل نہیں سکتا ـ)

رحمن لاکھہ بھلي کرو ' اگلي اگن جائے
راگ سنت پے پہت ھو سانپ سہج دودھ کھائے

(ترجمہ ـ اے رحمن ! برے کے ساتھہ لاکھہ بھلائي کرو اس کي برائي نہیں جاتي سانپ کو دیکھو کہ راگ سننے کے بعد دودھ بھي بڑی آساني سے پي جاتا ھے اس کو اس احسان کا کوئي خیال نہیں رھتا -)

۴—اپنے آڑے وقت آدمي کو جانچو -

سب کو سب کوؤ کرے کے سلام کے رام
ھت رحمن تب جانئے جب کچھہ اٹکے کام

(ترجمہ ـ سب لوگ سب کو دوستی جتانے کے لئے سلام سلام یا رام رام کہا کرتے ھیں مگر اے رحماں دوست اسی کو جانئے جو آڑے وقت کام آئے -)

دوست آن باشد کے گیرد دست دوست

در پریشاں حالی و در ماند گی

رحمن اسے کے پرے، ھت ان ھت ھوے جات

بدھک بدھے مرگ بان سوں، او دھرے دیت بتاے

(ترجمہ ـ اے رحمن ! برے وقت پر دوست بھی دشمن ھو جاتا ھے - اسکی مثال ایسی ھے کہ صیاد تیر سے ھرن کا خاتمہ کرنے کے بعد اسے خون بتاتا ھے - یعنی اسکی تکلیف اور اضافہ کرتا ھے -)

۵ـــ شریف آدمی سے ھر وقت رشتہ جوڑئے -

ٹوٹے سجن منائیے، جو ٹوٹے سو بار

رحمن پھری پوھئے - ٹوٹے مکتا ھار

(ترجمہ ـ شریف آدمی سے اگر بگڑ جاے تو اسکو منا لیجئے خواہ کتنی ھی بار منانا کیوں نہ پڑے - اے رحمن اگر موتی کا ھار سو بار بھی ٹوٹے تو کیا حرج ھے پرونا ھی پڑتا ھے -)

۵ـــ سخاوت - رحیم خود ایک بڑے سخی داتا تھے - سخاوت کو انسان کے اعلیٰ محاسن میں سے خیال کرتے تھے - سخاوت سے انسان کو نقصان کے بجاے فائدہ ھوتا ھے - اسی کو ایک انوکھے انداز سے بیان کیا ھے -

یوں رحیم سکھہ ہوت ہے اُپکاري کے انگ
بانٹن وارے کے لگے جیوں مہندي کو رنگ

(ترجمہ ـ اے رحیم ! سخي کے جسم کو سخاوت میں اسطرح فائدہ اور سکھہ پہنچتا ہے جسطرح کہ کسي مہندي بانٹنے والے کے ہاتھوں کو مہندي کا رنگ لگ جاتا ہے ۔)

پھر کہتے ہیں کہ سخي اس بات پر اترا نہیں سکتا کہ اس نے کسي کو کچھہ دیا ۔ دینے والا تو خدا ہے ۔ خدا انسان کو صرف ذریعہ بناتا ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جب گنگ کوي نے انکی سخاوت کي شان میں یہ دوہا پڑھا ـ

سیکھے کہاں نباب جو ایسی دیني دین
جیوں جیوں کر اونچے کرو ' تیوں تیوں نیچے نین (گنگ)

(ترجمہ ۔ اے نواب (رحیم) تم نے سخاوت کے یہ لچھن کہاں سے سیکھے کہ مانگنے والا جوں جوں اپنا ہاتھہ اونچا کرتا ہے ویسے ہی آپ اپنی آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں یعنی مائل بہ سخاوت رہتے ہیں ۔)

خان خاناں نے اس دوہے کے جواب میں فوراً ایک دوہا فی البدیہہ یہ کہا

دینہار کوؤ اور ہے ' بھیجت سو دن رین
لوگ بھرم ہم پے دھریں ' یاتے نیچے نین

(ترجمہ - زور دولت دینے والا کوئی اور ہی ہے جو ہمارے پاس دن رات بھیجتا رہتا ہے - لوگ خواہ مخواہ ہم پر بھرم رکھتے ہیں کہ ہماری آنکھیں نیچی ہی رہتی ہیں یعنی ہم لوگوں کو دیتے ہیں -)

اگر دولت نہ ہو تو سخی کی ہستی کچھہ بھی نہیں ہوتی - اسی کو بڑے عمدہ پیرایہ میں بیان کیا ہے

سمپتی بھرم گنوے کے ہاتھہ رہت کچھہ ناہیں
جیوں رحیم سسی رہت ہے دیوس اکاس ہی ماہیں

(ترجمہ - دولت کا بھرم کھونے کے بعد سخی کے ہاتھہ میں کچھہ بھی نہیں رہتا - اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ دن کے وقت چاند آسمان میں پوشیدہ رہتا ہے -)

مگر پھر کہتے ہیں کہ سخی کی آزمائش تو اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ اسکے ہاتھہ میں کچھہ نہ ہو - کہتے ہیں

رحمن داتی دریر رتر تو جانچھو یوگ
جیوں سری تن سوکھا پرے کواں کھداوت لوگ

(ترجمہ - اے رحمن ! سخی تو اسی وقت آزمانے کے لائق ہوتا ہے جب کہ وہ تہی دست ہو - جب کنوے کے سوتے بند ہوجاتے ہیں تو لوگ کنوے کو اور کھدواتے ہیں -)

زبان کی خصوصیات

رحیم کے زمانہ میں ہندی زبان کافی ترقی کر چکی تھی - بھگتی شعرا کے علاوہ خود ان کے ہم عصر شعرا گنگ ، کیشو ، سینا پتی ، بہاری لال ، متی رام وغیرہ نے زمانہ سے داد سخن حاصل کرلی تھی - مسلمانوں

جائسي کے بعد انهيں کا درجه هے - رحيم کے اتباع ميں انهيں کي زندگي ميں چند اور مسلمان هندي کو شعرا مثلاً احمد ، عثمان ، مبارک ، رس خاں وغيره رونما هوئے - ان لوگوں نے هندي زبان کو خوب بنايا سنوارا اور اس کے ادب کو مالا مال کيا - رحيم کی زبان کی خصوصيات اکثر وهي هيں جو ان کے زمانے کے شعرا ميں پائی جاتي هيں - کهيں کهيں انهوں نے ايسی جدت دکهائی هے که ان کي حيثيت ممتاز هو جاتی هے - شرنگار رس يعنی تغزل يا حسن و عشق کا بيان جو ان کے زمانه کي ايک مقبول عام صنف تهی ، رحيم نے بهی اس کي آرائش و زيبائش ميں بڑا حصه ليا هے - چنانچه شرنگار رس ميں ان کے هاں بهاری لال اور متی رام کی سي شوخی اور چلبلتا پائي جاتی هے -

۱ - سادگي - رحيم کے بيان کی سب سے پهلی خصوصيت اس کي سادگی هے ، جس کي وجه سے ان کے کلام ميں بلا کی تاثير پيدا هو گئي هے -

رحمن دهاگا پريم کو مت توڑو چٹکائي
ٹوٹے سے پهر نا ملے ، ملے گانٹهه پڑ جائے

(ترجمه - اے رحمن ! رشته محبت کو نه توڑو - اس لئے که ٹوٹنے کے بعد ملنا مشکل هے اور اگر ملانا چاهيں تو گانٹهه پڑ جاتی هے -)

جيوں ناچتي کٹهه پتلي ، کرم نچاوت ساتهه
اپنو هاتهه رحيم يوں نهيں آپنے هاتهه

(ترجمه - اے رحيم ! قسمت هميں کٹ پتلي کي طرح نچاتي هے - همارے هاتهه ميں کچهه بهی نهيں هے -)

بگڑي بات بنے نہیں لاکھہ کرو کن کوئي
رحمن بگڑے دودھہ کے ، متھے نہ ماکھن کوئی

(ترجمہ ـ بات کے بگڑ جانے پر لاکھہ کرو نہیں بنتی جس طرح کہ دودھہ خراب هوجانے پر مکھن نہیں نکل سکتا ـ)

۲—طرز بیان نہایت انوکھا ھے ـ جا بجا شوخی بھي اپنا رنگ دکھاتي ھے ـ

کہو رحیم آت جائے گری دھاری سوں تیری
رادھے ـ درگ ـ جل ـ بھرن تے ، اب برج ڈوبت پھیري

(ترجمہ ـ اے رحیم ! گردھاری سري کشن سے وھاں جاکے پکار کر کہنا کہ ان کي معشوقہ رادھا ، ان کے فراق میں اپني آنکھوں سے اتنا سیلاب اشک بہا رھي ھیں کہ اگر وہ جلد خبر نہ لیں گے تو گمان غالب ھے کہ برج کا علاقہ ڈوب جائےگا ـ)

نین ملونے ادھر مدھو ، کتھي رحیم کہوں کون
میٹھو بھاوے لون پر ، آرو میٹھے پر کون

(ترجمہ ـ اس معشوق آنکھیں سلونی اور هونٹ شیریں ھیں ـ اب اے رحیم تمھیں بتاؤ کہ دونوں میں سے کون کمتر درجہ کے ھیں ؟ ـ دنیا کا قاعدہ ھے کہ میٹھي چیز کھانے کے بعد کھاري چیز اچھي معلوم هوتی ھے اور کھاري پر میٹھي ـ ایسي صورت میں هم دونوں میں سے کسي کو بھي برا نہیں کہہ سکتے ـ)

سوچ مالي کي اپچ ، کہي رحیم نہ جاوے
پھل شھاما کے اُر لگے ، پھول شام اُرساے

(ترجمہ ـ محبت کے دیوتا کے کام بھی عجیب و غریب ھیں کہ بیان نہیں کئے جا سکتے -

اس نے محبت کے پھل تو اس شاما دوشیزہ کے دل میں لگائے اور پھول شیام کے دل میں -)

۲ــ معنی آفرینی اور حسن تعلیل رحیم کے دور میں امتیازی شان رکھتی تھی - بہاری لال اس فن کے بادشاہ تصور کئے جاتے ھیں مگر رحیم بھی ان سے کچھہ پیچھے نہیں ھیں -

دھوری دھرت نج سیس پر ' کہو رحیم کے ھی کاج
جے ھی رج ' ملی پتنی تری ' سو ڈھونڈت گجراج

(ترجمہ - اے رحیم ! ھاتھی جو اپنی سونڈھ سے مٹی میں کچھہ تلاش کرتا ہے اور کبھی کبھی گرد اپنے سر پر ڈال لیتا ہے اسکا کیا مطلب ہے ؟ جس طرح ملی پتنی اهلیا نے کسی کی خاک پاک پا کر نجات کا سامان کیا شاید یہ بھی گرد کے اس ذرہ کو پا جائے اور نجات حاصل ہو -)

من سے کہاں رحیم پربھو ' درگ سو کہاں دیوان
دیکھی دوگمت جو آدایں ' من تے ھی ھاتو بکان

(ترجمہ ـ اے رحیم ! جسم میں دل بمنزلہ راجہ کے ہے اور آنکھہ بمنزلہ وزیر - اور یہ تو مشہور ہے کہ راجہ تک پہنچنے کے لئے پہلے وزیر سے ملنا پڑتا ہے - وزیر خوش ھوا تو راجہ اپنا ھی ھو جاتا ہے -)

برونی بار لیکھوں ترے، مسي کاجر بهر لهئي
پریما کهر لکهي نهن تے، پر یه بانچن کو دیئي

(ترجمه - وہ دو شیزہ اپني شوخ و چالاک هے که وہ مژگاں کو قلم اور آنکھوں کے کاجل کو سیاهي بناکر اپني آنکھوں سے اپنے عاشق کو نامه محبت لکھتي هے، عاشق اسکو دیکهه کر محبت کي گہرائیوں میں پہنچ جاتا هے -)

۴—رحیم کے هاں تغزل کا رنگ بهی نہایت گہرا هے - عشق و محبت کي باتوں کو بڑے مزے سے بیان کرتے هیں - سیدهے سادے اور سلیس الفاظ میں محبت کے عمیق جذبات کو بڑي کامیابي سے ظاهر کرتے هیں -

کاہ کرب بهگونت لے، کلپ ورکهش کي چهانهه
رحمن ڈهاک سهاوني، جو گل پیتم - بانهه

(ترجمه ـ اے رحیم ! جنت اور شجر طوبیٰ کي چهاوں محبوب کے بغیر لے کر کیا کروں ـ اگر گلے میں پیتم کي بانہیں هوں تو ڈهاک کے درخت کي چهاوں بهي گهني اور سہاني معلوم هوسکتی هے -)

هوں لکهیهوں رے سجني، چوتهي ملنهک
دیکهوں کیهي ودهی هري سے، لگے کلنک

(ترجمه ـ اے سکهی چوتهه کا چاند دیکهنے سے لوگ کہتے هیں که دیکهنے والے کو کلنک لگتا هے - میں اس دفعه ضرور دیکهونگي اور آزماؤنگي که کس طرح هري کے ساتهه مجهے رسوائي عشق هوتي هے -)

رحمن تھر کي چوٹ تے ' چوٹ پرے بچي جاے
نین بان کي چوٹ تے ' دھلونکري نہ بچاے

(ترجمہ - اے رحمن ! تھر کي چوٹ اگر لگ جاے تو بچنا ممکن ھے ' لیکن آنکھوں کي تیر کي خاصیت یہ ھے کہ دھلونکری (فدائي طبیب) کے علاج سے بھي بچنا محال ھے -)

پیتم چھبي نین بسي ' پر چھي کہاں جاے
بھري سراین رحیم لکھي ' آپ پتھک پھري جاے

(ترجمہ - عکس رخ جاناں میري آنکھوں میں بس گیا ھے ' لیکن وہ اس مقام کے سوا کہاں جاتا - اے رحیم ! دنیا کا قاعدہ ھے کہ جب سراے بھر جاتي ھے تو مسافر وھاں سے واپس لوٹ جاتا ھے - اسي طرح جلوہ جاناں تمام مقامات سے واپس ھوکر میري آنکھوں میں جلوہ فگن ھوگیا ھے -)

۵—رحیم نے قدیم اور اپنے ھم عصر ھندي شعرا کی طرح سلیس سادہ اور عام فہم الفاظ استعمال کئے ھیں - عربي فارسي کے بھي سیکڑوں الفاظ استعمال کئے ھیں ' لیکن انھیں الفاظ کو لیا ھے جو اس زمانہ میں رائج تھے ' اور جن کو ھندو شعرا نے اپنے کلام میں باندھا ھے - رحیم کے کلام میں اس قسم کے وارد شدہ عربي فارسي الفاظ کي مختصر فہرست درج کی جاتي ھے :—

زور - مشکل - مصري - سرمہ - نصیحت - حضور - کاغذ - بازو -
باز - صاحب - خرچ - روزی - سزا - خبر - خون - خوشي - جہاں -

غرضي - مهنم - پیادہ - فرزي - احوال - بار - عزت - سراے - گرم - بدن - دل - در در - یارو - یاري - شکر - وزیر سیر - تاثیر - غریب - خرچ - (فعل خرچے بھي استعمال کیا ھے -) سیاہ - سلام - نقارہ - لشکر - لشکري - جاگیریں - سودا - تہر -

اس قسم کے چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ھیں ·

۱—کملا تھیر نہ رحیم کہی ' لکھیت ادھم جے ھوے
پربھو کی سو اپنی کہے ' کھوں نہ فضیحت ھوے

۲—کام کچھہ آوے نہیں ' مول رحیم یہ لیئي
یارو ٹوٹے باز کو ' صاحب چارا دیئي

۳—خرچ بڑھے ' روزی گھٹے نرپتي نیٹھر میں کھیں
رحمن وے نرکا کریں ' جیوں تھوڑے جل میں

۴—خیر ' خون ' کھانسي ' خوشي ' بیر ' پریتي ' پان
رحمن دابے نہ دبے جانت سکل جہان

۵—یہ رحیم در در پھریں مانگي مدھو کري کھاھیں
یارو یاري چھوڑي دو ' اب رحیم وے ناھیں

۶—رحمن سودھي چال سوں پیادہ ھوتے وزیر
فرزي میر نہ ھوئي سکے ' ٹیڑھے کي تاثیر

۷—رحمن پریتي سراھئے - ملے ھوت رنگ دون
جیوں ھردي زردي تجے ' تجے سپیدي چون

۸—سدا نقارہ کوچ کا باجت آٹھواں جام
رحمن یا جگ آئی کے ، کا کری رہا مقام

مندرجہ بالا الفاظ صرف رحیم کے دوہوں سے اخذ کئے گئے ہیں۔ ان کی ایک تصنیف 'مد ناشٹک' ہے جس کا ذکر قبل ازیں آچکا ہے ، اس میں شروع سے آخر تک سنسکرت ہندی الفاظ کی ایک لڑی کو عربی فارسی الفاظ کی لڑی کے ساتھ کچھ اس خوبی سے باندھ دیا ہے کہ وہ ریختہ - یا ہماری آجکل کی اردو کا پیش خیمہ معلوم ہوتی ہے - نمونہ ملاحظہ ہو -

۱—درشٹوا تتر و چترتاں تر رلتار ، میں گیا تھا باغ میں
کانشی چمت تر کرنکشا و نہلی ، گل توڑتی تھی کھڑی
آنند رؤ دھنوشاکاتا کشوی شیکھے ھا ، خیال کیا تھا مجھے
تت سی دامی سدیو موہ جل دھو ، ہے دل گزار و شکر

۲—ایک کتل کاری دیکھہ دلداز زلفیں
آلی کلت نہارں آپے دل کی زلفیں
سکل ششی کلا کو روشنی دیں لیکھوں
مہہ برج لا کو کس طرح پھیر دیکھوں

۳—زرد بسن والا گلچمن دیکھتا تھا
جھکی جھکی متوالا گواتا دیکھتا تھا
شروتی یگ چپلا سے کنڈلے جھومتے تھے
نیں کرتما سے مست ہوئے گھومتے تھے

جدید هندی والوں کے لئے ایک لمحۂ فکر کا موقع ہے - اگر وہ ہمارے اسلاف کے کارناموں کو غور سے پڑھیں تو انہیں یہ روز روشن کی طرح واضح ہوجائے گا کہ ہمارے بزرگ زبان کے معاملہ میں کبھی تعصب نہیں برتتے تھے - ان بزرگوں نے زبان کے بنانے اور سنوارنے میں زبان کی فطرت کو ملحوظ رکھا نہ کہ کوئی مذہبی یا سیاسی تحریک - چنانچہ انہیں نیک لوگوں کی یہ انتھک اور بے غرض کوشش تھی کہ آج ہمارے لئے ایک ایسی زبان تیار ہوگئی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ایک رشتۂ اتحاد بن گئی -

ميرا نظريه حيات

(از پروفيسر عبدالحي)

رساله " هندستاني " کے جولائي و اکتوبر ۱۹۴۲ع کے شمارے ميں مندرجه بالا موضوع پر جناب روش صاحب صديقي کے جو تاثرات شائع هوے هيں ' وه ميں نے بار بار پڑھے ' اور بے حد پسند کئے - مجھے جناب جنرل سيکريٹري صاحب ' " هندستانی اکيڈمي" کي رائے گرامی سے پورا اتفاق هے - که يه عنوان مستقل طور پر رساله " هندستاني " ميں قائم کر ديا جائے - تاکه " ادب جديد " کے مندر کے هم ايسے پجاريوں کو اظهار خيال اور طبع آزمائی کا موقع مل سکے -

جناب روش صاحب نے بحيثيت ايک شاعر ' زندگي کے مختلف پهلوؤں پر روشني ڈالي هے ' ليکن ميں شاعر نهيں هوں - مگر شاعر نه هونے کے باوجود ميں زندگي کي اونچ نيچ پر برابر غور کرتا رها هوں اپنے ناچيز ' غير شاعرانه " خيالات کو ذيل ميں درج کرتا هوں -

کسي مغربي مفکر کا قول هے که " دنيا کی دو چيزيں ميرے دل کو حيرت زده کر ديتی هيں ايک تاروں بهرا آسمان - دوسرے انسان کے دل ميں اپنے فرائض کا احساس ! "

میں پہلے یہ سوچا کرتا تھا کہ بھلا تاروں بھرے آسمان کو احساس فرض سے کیا نسبت ؟—لیکن اب میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح آسمان کے سینے پر بے شمار ستاروں کی زندگی رات بھر کانپتے ہوئے گزرتی ہے ، بالکل اسی طرح حضرت انسان کے دل میں لاتعداد فرائض کے احساسات عمر بھر اُسے حیران و پریشان او بے تاب و مضطرب رکھتے ہیں ، اور دم بھر کے لئے بھی اُسے چین لینے نہیں دیتے - یعنی یہی سر کائنات ہے اور یہی مقصد حیات -

یا یوں بھی ہو سکتا ہے کہ تاروں کی قسمت میں روز کا مرنا جینا لکھا ہے ، وہ رات کی رات چمکتے ہیں ، اور صبح کو غائب ہوجاتے ہیں ، یا غائب کر دئے جاتے ہیں ، یہ ایسا انجام کیوں ؟—شائد یہ اُن کے زینت عالم ہونے کے سبب سے ہے -

یا شاید تارے ہم کو یہ سبق سکھاتے ہیں کہ وہ ہر دم ، ہر لحظہ اور ہر گھڑی " ستم کش سفر " رہتے ہیں ، اور صبح و شام ان کا کام چلنا اور گردش کرنا ہے ، ان کا خاموش قافلہ دن رات کہیں نہ کہیں ضرور رواں رہتا ہے ، پس اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ

" سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں "

یا شاید تاروں کی زندگی ہمیں یہ نکتہ بتاتی ہے کہ " جذب باہمی " سے دنیا کے سارے نظام قائم ہیں ، اور جب کسی سماج یا قوم میں یہ جمعیت اور شیرازہ بندی باقی نہیں رہتی - تو گویا وہ سماج یا قوم اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑا مار لیتی ہے -

پھر کیف فکر و نظر کی دنیا میں زندگی کے متعلق انواع و اقسام کے خیالات ہیں ، جو ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں ، دور جانے کی ضرورت کیا ہے - اپنے ملک ہی کو لیجئے - ہمارے قدیم ہندوستانی فکر کا نچوڑ اُپنشدوں میں ملتا ہے ، جن میں ہمارے دیس کے فلسفہ کا انمول خزانہ پایا جاتا ہے - اور جن کے تراجم کو پڑھکر دنیا کے مشہور و معروف فلسفی شوپن ہار اور شیلنگ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے - ہمارے قدیم ہندوستانی فلسفہ کا اصل لب لباب یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے ، دکھ سکھ میں دوسروں کے کام آؤ - انت بھلا سو بھلا انسان کی زندگی چند روز کی ہے - اس لئے جہاں تک ہو سکے ، نیکی کے کام کرو ، اور " اخلاص تخیل " (جو اقبال کی زبان میں وفا کا دوسرا نام ہے) کے ساتھ ساتھ ہمیں شدت خلوص کا بھی احساس ہونا چاہئے - اور دوسروں کے دکھ کا یا لن ہار بنانا ہمارا اصل دھرم یا مذہب ہے - اپنے ایک غریب بھائی کے ساتھ بلا امتیاز مذہب و ملت ہمدردی کرنا ہمارا فرض اولین ہے ، انسان تو پھر انسان ہے ، ہمیں جانوروں تک پر رحم کرنا چاہئے - اور ایک خارش زدہ کتے کو اپنے پہلو میں لٹا لینے سے عار نہ کرنا چاہئے - اور یہ ہمدردی بغیر کسی معاوضہ یا اجر کی امید یا طمع کے ہو ، تو زندگی کا مزہ آجاتا ہے ، شاستروں میں اسی کا نام "لوبھ" دیا گیا ہے - اور اس سے بچنے کی تاکید کی ہے ، اس لئے (اور اس امر پر خاص طور پر بہت زور دیا ہے) کہ انسان کی زندگی فانی ہے ، پانی کی سطح پر پیدا ہونے والے بلبلے سے بھی زیادہ عارضی ، یا مثل مرغ خوشنوا ، جو

" شاخ پر بیٹھا کوئی دم ' چہچہایا ' اُڑ گیا "

اسی لئے بہت سے مفکروں نے اس دنیا کو ایک سرائے سے تشبیہ دی ھے ' اور زندگی کو ایک خواب سے ! اس پر مجھے فانی بدیوانی کا غیر فانی مصرع یاد آتا ھے کہ " زندگی کا ھے کو ھے ایک خواب ھے دیوانے کا " یقیناً زندگی ایک خواب ھے ' اگرچہ بقول امریکن شاعر لانگ فیلو زندگی ایک " بے معنی خواب " (Empty Dream) نہیں -

ھاں - خوب یاد آیا - پچھلے دنوں میں کالج میں اپنے طلبا سے اسی مسئلہ پر اظہار خیال کر رھا تھا اور پھر کلاس میں مذکورہ بالا شعر (Life is but an empty dream) پر مضمون لکھنے کو دیا - بنگالی طلبا نے میری توقعات سے بڑھکر جوھر دکھائے - کیوں نہ ھوتا - جو سر زمین ڈاکٹر رابندرا ناتھہ ٹیگور ' بنکم چندر اور سرت چندر چیٹر جی جیسے شاعر باکمال اور ادیب بے مثال پیدا کر سکتی ھے ' بھلا اس کے نونہال زندگی کے پیچ در پیچ گتھیوں کو سمجھنے کی کوشش میں کیونکر پیچھے رھتے - ایک متعلم نے تو کمال کر دیا ' نہ جانے سنسکرت کی کون سی پرانی پستک سے ایک قصہ اخذ کرکے لکھتا ھے کہ کسی زمانہ میں ایک راجہ تھا - ایک روز وہ دربار سے تھکا ھوا محل میں آیا - اور تھوڑی دیر سستانے کے لئے اپنی رانی کے زانو پر سر رکھہ کر گھری نیند سو گیا - سوتے ھوئے وہ خواب دیکھنے لگا کہ ایک روز صبح کے وقت شکار کھیلنے کے لئے وہ جنگل کو جا رھا ھے - راستہ میں کیا دیکھتا ھے کہ ایک برھمن درخت کے سایہ تلے سویا ھوا ھے '— پھر جب راجہ شام کو شکار سے واپس آیا - اور اس درخت کے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ برھمن

بالکل اُسی طرح اُسی جگہہ بدستور سو رہا ہے - محل میں پہونچ کر اس نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ جاؤ - اس برہمن کو جگا لاؤ - تھوڑی دیر کے بعد نوکر چاکر واپس آئے ' اور ہاتھہ باندھہ کر عرض کی ' " مہاراج ! ہم نے بہت کوشش کی مگر وہ برہمن نہیں جاگتا - اور ابھی وہ مرا بھی نہیں - کیونکہ اس کا بدن گرم ہے - اور سانس اور نبض بدستور جاری ہیں " تب راجہ نے حکم دیا ' کہ اچھا - اُس کو چارپائی پر اُٹھا کر محل میں لے آؤ چنانچہ نوکروں نے ایسا ہی کیا - اور وہ براہمن اُسی طرح محل کے اندر مسلسل سات برس تک اُسی چارپائی پر اور اُسی کروٹ سوتا رہا - سات سال کے اس طویل عرصہ میں کل دنیا بدل گئی - زمانہ پلٹ گیا - جنگ چھڑ کر بند بھی ہوگئی - مگر وہ برہمن برابر سوتا ہی رہا

بالاخر ایک روز یکایک برہمن جاگ اُٹھا اور اپنے ارد گرد محل کی چار دیواری اور نوکر چاکروں کا جمگھٹا دیکھ کر بہت گھبرایا اور کہنے لگا ' " ہیں ! یہ کیا ؟ ابھی پل بھر تو ہوا ہوگا - کہ میں ایک درخت کی ٹھنڈی چھاؤں کے نیچے سویا تھا -"

برہمن کی یہ بات سن کر راجہ بہت حیران ہوا - اور کہنے لگا ' " اے برہمن ! تم یہاں پورے سات برس تک سوتے رہے ہو - اس طویل مدت میں ' میں نے کئی دربار منعقد کئے - جنگ اور صلح بھی ہوئی ' اور اس دوران میں میرے یہاں کئی بچے بھی پیدا ہوئے جو بڑے ہوکر اب چلنے پھرنے لگے ہیں اور تم برابر سات سال تک سویا کئے ' - مگر اس پر بھی تم اب یہ کہتے ہو ' کہ ابھی پل بھر تو ہوا کہ - تم سوئے تھے -"

راجه کی یه بات سن کر برهمن کچهه کهنا هی چاهتا تها - که یک بیک راجه جو رانی کے زانو پر سر رکهکر سویا هوا یه خواب دیکهه رها تها ' کی آنکهه کهل گئی ' اور وه چونک کر اُتهه بیتها - راجه کے چونک جانے پر رانی بهی گهبرا گئی ' اور پوچهنے لگی ' " مهاراج ! کیوں ؟ کیا هوا ؟ "

راجه نے کہا ' " اے رانی ! میں کتنی دیر تک سویا هوں ؟ "

رانی نے جواب دیا ' " مهاراج ' ابهی ایک لمحه بهی تو نهیں هوا ' که آپ میرے زانوں پر سر رکهه کر سوئے تهے ' که فوراً چونک کر جاگ اٹهے "

اس پر راجه بیحد حیران هوا - اسی اچنبهے اور بدحواسی کے عالم میں رانی کی طرف دیکهتے هوئے یوں کهنے لگا ' " آه ' رانی ' یهه زندگی ایک سپنا هے - خواب هے ' بلکه " خواب درخواب " - کیوں تمهارے زانو پر سر رکهکر میں نے پورے سات برس کے خواب دیکهے اور تم کهتی هو ' که ایک لمحه بهی نهیں هوا - که میں سویا تها - آه ! همارے زندگی ' همارا جینا ایک دهوکا هے ' فریب هے ' سراب هے ' هم اس دنیا میں جی نهیں رهے بلکه ایک خواب دیکهه رهے هیں ' اور سچ پوچهو ' تو یهه خواب بهی اصل خواب نهیں نهیں هے ' بلکه ایک اور خواب کے اندر هم یهه ایک نقلی خواب دیکهه رهے هیں - دیکهیں یهه خواب شرمندهٔ تعبیر کب هوتا هے ؟ "

راجه کا اتنا کهنا تها - که محل کی چهت گر پڑی ' راجه رانی دونوں چهت کے نیچے دب کر مر گئے ' ان کا یه نقلی سپنا ختم هوگیا۔

اُن کا یہہ مصنوعی خواب شرمندۂ تعبیر ہوگیا ' اور اب وہ اس خواب سے پورے طور پر بیدار ہوگئے

کہنے کو تو یہہ ایک معمولی قصہ ھے ' لیکن اس میں " خواب درخواب " کی نرالی اصطلاح مجھے بہت پسند آئی - ایک لمحہ بھر کی نیند میں راجہ نے پورے سات سال کی تاریخ اپنی آنکھوں سے دیکھی - اور نہ صرف دیکھی - بلکہ خود بھی اس میں نمایاں حصہ لیا - اسی لئے میں اکثر سوچا کرتا ہوں ' کہ ہمارے یہ خواب بھی کسقدر حسین اور عجیب و غریب " چیز " ھیں ' اور پھر خواب بھی دیوانے کے ! — اور اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل غور ھے ' کہ اگر نیند میں خواب نہ ہوتے ' تو نیند اور زندگی بذات خود کتنی پھیکی ہوتی ' یہ شائد اس لئے کہ زندگی بھی تو خواب ھے ' بہت ھی عارضی اور مختصر ! اور اگر سو برس تک بھی ہم یہ خواب دیکھا کریں ' تو اس عارضی خواب سے بیداری کے وقت ' یا بقول ذوق ' " بوقت مرگ " بھی کھلنگے -

" ہم کیا رہے یہاں ؟ ابھی آئے ' ابھی چلے "

اکثر احباب بلکہ مشاہیر اپنی روز مرہ کی ڈائری لکھا کرتے ھیں ' ایک روز میں نے سوچا ' کہ " روزنامچہ " تو سب ھی لوگ لکھتے ھیں ' مگر " شب نامچہ " (یعنی خوابوں کی ڈائری) کوئی نہیں لکھتا ' حالانکہ زندگی بذات خود ایک خواب ھے - اور نیند میں خواب کے حالات بھی اسی قدر (یا شاید زیادہ ؟) دلچسپ ہوتے ھیں ' جس قدر کہ روزانہ زندگی کے واقعات ! پس میں نے باقاعدہ

طور پر اپنے خواب میں دیکھے ہوئے حالات قلمبند کرنا شروع کردئے -
اور ایک بہت دلچسپ " شب نامچہ " مرتب ہوگیا - (اور قارئین
کرام نے پسند کیا ' تو اس کے بعض حصے ہندستانی میں اشاعت
کے لئے بھیجوں گا -)

یوں تو خواب ہم سبھی دیکھتے ہیں ' بڑے حسین اور
دلچسپ خواب ! اور بہت ڈراؤنے اور خوفناک خواب بھی ! ایک
اندھا بھی خواب دیکھتا ہے ' اور ایک بہرا اور گونگا بھی - لیکن
خواب دیکھتے وقت ایک اندھے آدمی کو آنکھوں سے رنگ برنگ کے
پھول بھی دکھائی دیتے ہیں ' اور حسین و جمیل چہروں پر خفیف
سے خفیف مسکراہٹ اور ہلکے سے ہلکا تبسم بھی ' علی ہذالقیاس
ایک بہرے آدمی کو خواب میں سب کچھ صاف سنائی دیتا
ہے ' اور اسی طرح خواب میں ایک گونگا آدمی بڑی دھواں دار
تقریریں بھی کرتا ہے ' اور میٹھے اور سہانے گیت اور پر کیف نغمے
بھی گاتا ہے اور تو اور ' سب سے زیادہ پرلطف بات یہہ ہے ' کہ میرے
جیسا کوتاہ بیں شخص جو دن میں آنکھوں پر چشمہ لگا کر پڑھنے
کا عادی ہے ' خواب میں بغیر چشمہ لگائے سب کچھہ پڑھہ اور دیکھہ
لیتا ہے ' بارہا ایسا ہوا - کہ رات کو بچھونے پر لیٹ کر کوئی کتاب
پڑھتے پڑھتے سوگیا - اور چشمہ آنکھوں پر لگا رہا - بیگم نے دیکھا '
تو جگا کر کہا ' " چشمہ تو اُتار کر سوئیے ! " میں نے جواب دیا '
" اگر خواب میں کچھہ پڑھنے کی ضرورت پڑگئی تو " ! اس پر وہ

ھنسنے لگیں ، اور کہا ، " واہ ! کیا خواب میں بھی چشمہ کے بغیر نہ دیکھا جائے گا ؟ "

کیا زندگی واقعی ایک خواب ہے ؟

اپنی زندگی کے گزرے ہوئے لمحوں اور بیتی ہوئی صحبتوں پر جب میں نظر ثانی کرتا ہوں ، تو بعینہ ایک خواب کی مانند ان کی دھندھلی سی تصویر اپنے تخیئل کے آئینہ میں دیکھتا ہوں ، اور دل کی عمیق گہرائیوں سے یہ صدا نکلتی ہے -

" ہاں ، دکھادے اے تصور ! پھر وہ صبح و شام تو ،
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو "

لیکن میں جانتا ہوں ، کہ یہ نا ممکن ہے ، گزرے ہوئے لمحے اب واپس کیونکر آسکتے ہیں ؟ کمان سے نکلا ہوا تیر ، آنکھ سے گرے ہوا انسو ، آسمان سے ٹوٹا ہوا ستارہ ، اور سر سے اکھڑا ہوا بال پھر اپنی جگہہ پر واپس نہیں آ سکتا - اگر جیون کو ایک ناٹک سے بھی تشبیہ دی جائے ، تو زندگی کے یہ سب ڈرامے جو اس دنیا کے استیج پر کھیلے جاتے ھیں ، آخرکار سب کے سب ایک بھولا بسرا خواب ھوکر رہ جاتے ھیں ، ان ڈراموں میں بعض کامیڈیاں ھیں اور بعض ٹریجڈیاں اور پھر سالہا سال گزر جانے کے بعد ان " ڈراموں " کی یاد ان سے بھی بڑھکر پر لطف ھو جاتی ہے ، جس کو انگلستان کے مایہ‌ناز شاعر و لیم ورڈزورتھ نے " سکون میں جذبات کی یاد " [Emotion recollected in tranquillity]

کے نام سے موسوم کیا ھے ' یہ کمبخت یاد بڑھاپے کے ایام میں بھلانے پر بھی نہیں بھولتی ' کسی شاعر نے اس خیال کی یوں ترجمانی کی ھے -

" تیرے خیال کی بے تابیاں معاذ اللہ !
جو ایک بار بھلاؤں تو لاکھہ بار آئے "

واللہ - یہ یاد بھی کیا چیز ھے ! صفحۂ تخیل پر برسوں کی پرانی تاریخ یوں گھومنے لگتی ھے ' جیسے پردۂ سیمیں پر متحرک فلم !—اور فلم بھی وہ جو " سو فیصدی بولتی ' ناچتی اور گاتی " ھو - اسی لئے تو شاید آسکروا ئیلڈ نے اپنے مشہور و معروف ناول " پکچر آف ڈورئین گرے " میں نے لکھا ھے کہ " بیتی ھوئی صحبتوں کو یاد کرنے میں سو لطافتوں کی ایک لطافت یہ ھے کہ وہ صحبتیں بیتی ھوئی ھوتی ھیں " بقول بمبئی والے بھیوں کے یہ بات سولہ آنے سچ ھے ' اور اس سلسلہ میں نہ جانے یہ کس نے کہا تھا کہ گزرے ھوئے لمحوں کے لئے میں لاکھوں روپئے دینے کے لئے تیار ھوں - اے کاش ' وہ گزرے ھوئے لمحے مجھے مل جاتے -

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس " بے معنی خواب " کو ھم بے جا اھمیت دے رھے ھیں - گویا یہ جانتے ھوئے بھی کہ زندگی ایک خواب ھے - ھم بھول جاتے ھیں - کہ ھم خواب دیکھہ رھے ھیں - اسے تجاھل عارفانہ کہئے ' یا " معرفت جاھلانہ " - بالفاظ دیگر ھماری مثال اس مچھلی کے مانند ھے جو ماھی گیر کی بنسی میں لگے ھوئے آتے کو نگل چکی ھے ' اور بنسی کا کانٹا اس کے حلق کے پار ھو چکا ھے - ھم

دکھہ سہتے ہوئے بھی زندگی کو خیر باد کہنا نہیں چاہتے - کہا کرتے ہیں کہ جان سب کو پیاری ہوتی ہے - قدرتی طور پر امید و رجا ہمارے دلوں پر آخری وقت تک قبضہ کئے رہتی ہے ' ایک مہلک سے مہلک مرض میں مبتلا مریض بھی اپنی زندگی سے مایوس ہونا پسند نہیں کرتا - خدا کے وجود کو نہ ماننے والا بڑے سے بڑا منکر یا دہریہ بھی اپنی زندگی میں کسی وقت ایک غیر معمولی طاقت کا وجود محسوس کرتا ہے ' ایک تہجد گزار عابد و زاہد اور برہم چاریہ پجاری اپنے خالق اور مالک کے سامنے سربسجود ہو کر عاجزانہ التجا اور پرارتھنا کرتا ہے - اسی طرح آدھی رات کے سناتے میں نقب لگانے والا چور اور ڈاکو بھی اپنے شکار پر جانے سے پہلے خدا سے دعا کرتا ہے ' کہ اے خدا ' آج مجھے کسی بڑے امیر گھر میں چوری کرنے کا موقع ملے ' اور خوب ہی دولت ہاتھہ آئے - اور اسی طرح ایک جوئے باز بھی جوئے کے کھیل میں خدا سے دعا کرتا ہے ' کہ اس کے پو بارہ ہوں - اور اس کے ساتھہ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ایک مریض ' یا عابد و زاہد ' یا چور ' یا ڈاکو ' یا جوئے باز اپنی دعا میں کامیابی کے وقت ایک غیر معمولی خوشی بھی ضرور محسوس کرتا ہے - جسے وہ اپنی فتح یا کامرانی کے مترادف سمجھتا ہے -

کہتے ہیں ' ایک کتا تھا - جس کا کوئی مالک نہ تھا - اسے کھانے پینے کے لئے کوئی کچھہ نہ دیتا - بیچارہ دن بھر ادھر ادھر کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینکی اور سڑی ہوئی چیزیں کھاکر اپنا پیٹ بھرتا ' اور گندی نالیوں ' اور موریوں کا خراب پانی پیتا ' دن بدن وہ

لاغر اور دبلا ہوتا جاتا تھا - اور خارش اور زخموں سے اس کا سارا جسم بھر گیا تھا - جو کوئی اسے دیکھتا - دھتکارتا، یا پتھر مارتا ، اگر کبھی بھولا بھٹکا کسی کے گھر کے دروازہ تک وہ چلا بھی جاتا - تو گھر والے اسے لکڑی لے کر مارنے دوڑتے ، بھٹکتے بھٹکتے کئی دفعہ مرنے سے بچا - اب تو غریب کا برا حال تھا - ہر وقت موت کے خوف میں مبتلا ، دم دبائے - بھوکا پیاسا ، جھاڑیوں کی اوٹ میں، سر چھپائے پڑا رہتا ، تاکہ وہاں شہر سے باہر اسے کوئی نہ دیکھے ، اور نہ مار سکے ، کئی روز یونہی گزر گئے - بھوک کی شدت سے بیچارے کا برا حال ہوگیا - حتیٰ کہ اب اگر وہ شہر کو جانا بھی چاہتا ، تو کمزوری اور نقاہت کے سبب وہ چل بھی نہ سکتا تھا - اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ بچ نہیں سکتا ، کیونکہ موت اس کے ارد گرد منڈلا رہی تھی ، — اتنے میں ایک روز وہ کیا دیکھتا ہے کہ راستہ میں سڑک پر ایک بہل گاڑی جا رہی ہے ، جس میں کئی عورتیں بیٹھی ہیں ، ان کی سج دھج سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی تقریب سے واپس آرہی ہیں ، اور جوں ہی ان کی نظر اس نحیف و نزار کتے پر پڑی ، وہ سب کی سب اس کی ہنسی اڑانے اور ٹھٹھا کرنے لگیں - لیکن ان میں سے ایک عورت بہل گاڑی سے نیچے اتری ، اور کتے کو چمکارتے ہوئے اس کے آگے روٹی کا ایک ٹکڑا پھینکا - بیچارے کتے کی سمجھ میں اس کا مطلب کچھ نہ آیا - اور حسرت بھری نگاہوں سے عورت کے منہ کی طرف تکنے لگا - وہ سوچ رہا تھا ، کہ زندگی بھر کسی نے اس پر ایسی مہربانی نہیں کی - اس کی آنکھوں

میں آنسو بھر آئے - اور وہ اپنی دبلی ، پتلی دم کو آہستہ آہستہ
ہلانے لگا " -

یہ تھا تصویر کا ایک رخ - اب دوسرا رخ بھی دیکھئے - کہتے ہیں ،
ایک بلبل گلاب کے سرخ پھول کے لئے جگہہ جگہہ ماری ماری پھرتی
رہی ، صرف گلاب کے سرخ پھول کی تلاش میں ، - کبھی درختوں کے
جھنڈ پر سے گزرتی ، کبھی باغ کے اس پار جاتی ، اور کبھی اِس پار
آتی - آخر گھاس کے ایک تختے کے بیچ میں گلاب کے پھولوں کے ایک
خوبصورت پودے کو دیکھکر نیچے اُتر آئی - اور اسکی ایک شاخ پر
آبیٹھی ، اور پودے سے یوں کہنے لگی ، " اے گلاب ! تم مجھے اپنا
ایک سرخ پھول دے دو ، میں تمہیں ایک بہت سہاونا گیت
سناؤں گی " -

ہوا کا ایک جھونکا آیا - جواب میں گلاب کے پودے نے اپنا سر
ہلا دیا ، اور کہا ، " آہ ! میرے پھول تو سفید ہیں ، برف سے بھی زیادہ
سفید ، ایک بوڑھے آدمی کے بالوں سے بھی زیادہ سفید - مگر خیر ،
تم میرے بھائی کے پاس جاؤ - وہ جو سامنے گھاس کے دوسرے تختے
میں ہے - شاید جو کچھہ تم مانگ رہی ہو ، تمہیں وہاں سے
مل جائے " -

بلبل اڑ کر اب اس پودے کے پاس آئی ، جو گھاس کے دوسرے
تختے میں اُگ رہا تھا اور کہنے لگی - " گلاب ، گلاب " - تم مجھے اپنا
ایک سرخ پھول دے دو ، میں تمہیں اپنا سب سے شیریں نغمہ
سناؤں گی " -

اب پھر ہوا کا ایک اور جھونکا آیا - اور جواب کے طور پر اس گلاب کے پودے نے بڑی اپنا سر ہلا دیا ' اور کہنے لگا لگا ' " آہ - میرے پھول تو زرد ہیں ' بہت زرد ' نرگس کے زرد رو پھولوں سے بھی زیادہ زرد ' جو پہاڑ کے دامن میں انتہائی خوف کی حالت میں گلچین کا انتظار کرہے ہوں '— ایک قریب المرگ مدقوق مریض کے چہرے سے بھی زیادہ زرد — مگر ہاں ' تم میرے بھائی کے پاس چلی جاؤ - جو سامنے کے تختے میں ایک طالب علم کی کھڑکی کے نیچے اُگا ہے - شاید جو کچھہ تم مانگ رہی ہو ' تمہیں وہاں سے مل جائے " -

اب بلبل اُڑ کر اس تیسرے پودے کے قریب آئی ' اور اس سے کہا ' " گلاب ' گلاب ' تم مجھے اپنا ایک سرخ پھول دے دو ' میں تمہیں اپنا سب سے سہاونا گیت سناؤں گی " -

ہوا کا ایک جھونکا آیا - اور جواب میں پودے نے سر ہلا دیا - اور کہنے لگا ' " بے شک میرے پھول سرخ ہیں ' بہت سرخ ' مونگے اور یاقوت سے بھی زیادہ سرخ ' اتنے سرخ - جتنے فاختہ کے پاؤں - لیکن آہ ! جاڑے کا جاڑا میری رگوں سے چمٹ گیا ہے - پالے نے میری نازک کلیاں نوچ ڈالی ہیں ' اور آندھی اور طوفان نے میری شاخیں توڑ دی ہیں ' اس لئے اس سال تو مجھہ میں پھول بالکل نہیں آئیں گے "

اس پر بلبل چلا کر کہنے لگی - " میں صرف ایک پھول مانگتی ہوں - صرف ایک ہی ' کیا مجھے یہ کسی طرح بھی حاصل ہو سکے گا "؟

پودے نے جواب دیا - " ہاں - ایک طریقہ ہے ' لیکن بہت ہی خوفناک ' میں تمہیں وہ کیونکر بتاؤں ؟"

بلبل کہنے لگی ' " بتاؤ - بتاؤ - خدا کے لئے مجھے بتاؤ - میں ڈروں گی نہیں -"

پودے نے جواب دیا ' " اگر تجھے سرخ پھول ضرور ہی چاہئے ' تو پھر تجھے چاندنی راتوں میں اپنا گیت الاپ الاپ کر اسکی تخلیق کرنا ہوگی ' اور اپنے دل کے خون سے اسے سینچنا ہوگا تجھے ایک کانٹے کے ساتھ اپنا سینہ جوڑ کر رات بھر مجھے اپنے گیت سنانا پڑیں گے - یہاں تک کہ کانٹا تیرے سینے کے پار ہوتا ہوکر آخر تیرے دل میں اُتر جائے گا - اور تیرا سب خون بھری رگوں میں پہنچ کر میرا بن جائے گا -

بلبل گھبرا کر کہنے لگی ' " تمہارا یہ مطلب ہے ' کہ میں اپنی جان کے بدلے ایک پھول خریدوں - مگر اسکی یہ قیمت بہت زیادہ ہے - اور جان تو سب کو پیاری ہوتی ہے - "

رات کو جب چاند آسمانوں پر چمکنے لگا ' تو بلبل اُڑ کر گلاب کے اُسی پودے پر ایک کانٹے سے اپنا سینہ لگا کر بیٹھ گئی - اور اسی طرح رات بھر گاتی رہی ' اور بلورین چاند سرد اوڑھنی لئے جھک کر اُسکا گیت سنتا رہا - تمام رات وہ اسی طرح گاتی رہی ' اور گلاب کا کانٹا اُس کے سینے میں اُترتا چلا گیا ' اور خون جو بلبل کی زندگی بر قرار رکھنے کے لئے ضروری تھا ' اُترتی ہوئی لہر کی طرح گھٹتا گیا -

بلبل گیت گاتی رہی ' اور گلاب کے پودے کی سب سے اونچی اور گھنی شاخ میں ایک نرالی شان کا پھول کھل آیا - ایک گیت ختم ہونے پر جب بلبل دوسرا گیت شروع کرتی ' تو پھول کی ایک اور پنکھڑی بن جاتی ' — اسی طرح ایک کے بعد ایک پنکھڑی آتی گئی - اور پورا پھول بن گیا ' لیکن ابھی پھول کا رنگ پھیکا ' سفید اور روپہلا تھا -

گلاب کا پودا اب بھی بلبل سے چلاکر کہہ رہا تھا - " اچھی بلبل' اپنا سینہ کانٹے کے ساتھہ اور زور سے دباتی جا - کہیں ایسا نہ ہو کہ پھول مکمل ہونے سے پہلے ہی دن نکل آئے - "

اب بلبل نے اپنا سینہ کانٹے پر اور زور سے دبایا - اور اس کا گیت بلند سے بلند تر ہوتا گیا - کیونکہ اب وہ ایک ایسا گیت گا رہی تھی - جو محبت کے پاکیزہ جذبات سے مملو تھا -

اور ادھر پھول کی نازک پتیوں میں یک بیک ایک نہایت ہی خوشنما سرخ رنگ آنا شروع ہوگیا - وہی سرخ اور لال رنگ جو ایک دولھا کے چہرے پر اپنی دلہن کے ہونٹوں کا پہلا پیار لیتے وقت آ جاتا ہے ' - لیکن کانٹا ابھی بلبل کے دل تک نہیں پہونچا تھا - اس لئے پھول کے دل کا رنگ ابھی تک سفید ہی تھا - کیونکہ صرف بلبل ہی کے دل کے خون کے رنگ سے پھول کے دل کا رنگ سرخ ہو سکتا تھا -

گلاب کا پودا پھر چلایا ، " اے بلبل - اچھی بلبل - اپنا سینہ ابھی اور دباؤ ، اور کانٹا اپنے سینے میں دور تک لے جاؤ - ایسا نہ ہو ، کہ پھول مکمل ہونے سے پہلے ہی دن نکل آئے -"

اب بلبل نے کانٹے کو اپنے سینہ سے اور زیادہ زور کے ساتھ دبایا - یہاں تک کہ کانٹا اس کے دل میں پیوست ہو گیا - اور اس کا تمام جسم ایک دردناک ٹیس سے کانپ اُٹھا - درد ہر لحظہ بڑھتا گیا - اور اس کے ساتھ ساتھ لحظہ بلحظہ اس کے گیت میں وحشت ، سوز اور تڑپ بھی بڑھنے لگي -

اور ادھر نرالی وضع کا یہ پھول بالکل سرخ ہو گیا - اس کا رنگ مشرق کے آسمان کے پھول کي مانند قرمزی بن گیا - تھوڑي دیر میں پھول کا دائرہ بھي لال ہو گیا - اور پھول کا دل بھی یاقوت کي سرخي کی طرح چمکنے لگا -

لیکن اب بلبل کي آواز دھیمی پڑنے لگي ، بیچاری کے ننھے ننھے پر پھڑ پھڑانے لگے ، اس کي آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا - اور آھستہ آھستہ اس کا گیت دھیما ہوتا گیا - اُسے یوں محسوس ہو رھا تھا ، گویا کوئي چیز اس کے حلق میں پھنس گئي ھے - آخرکار اس کا گیت ایک جگہہ ٹوٹ کر رہ گیا ، اور ادھر سرخ پھول نے فرط مسرت سے کانپ کر نسیم صبح کے آگے اپني پنکھڑیاں کھول دیں -

اب گلاب کا پودا چلا کر بلبل سے کہنے لگا ، " دیکھو ، دیکھو ، پھول مکمل ہو گیا ھے "—لیکن آہ ! اب بلبل اس کا کیا جواب دیتی - وہ تو

لمبی لمبي گھاس کے تختے پر مردہ پڑی تھی - کانٹا ابھي تک اس کے دل میں چبھا ہوا تھا -

بلبل نے اپنے خون جگر سے گلاب کے سرخ پھول کي تخلیق کی - اور اس کے عشق میں پروانہ وار فدا ہوکر اپنی جان دے دی - بالکل ستارہ صبح کي طرح ' جو سورج طلوع ہونے پر بحر فنا میں غرق ہوتا ہے '

چمکنے والے مسافر ! عجب یہ بستي ہے '

جو اوج ایک کا ہے ' دوسرے کي پستي ہے "

یہ تو تھا آغاز ' لیکن سرخ پھول کا کیا انجام ہوا ؟ وہ بھي ذرا سن لیجئے : صبح ہوئی - تو ایک طالب علم نے گلاب کے پودے کے قریب والي کھڑکي کھولي - اور پھول دیکھ کر کہنے لگا ' " ہیں ! سرخ پھول ؟ رات ہي رات میں کتني جلدي سرخ پھول نکل آیا - آہا ہا ! کیسا عجیب پھول ہے - میں نے تو زندگی بھر ایسا پھول کبھي نہیں دیکھا - کتنا خوبصورت پھول ہے ! "

کمرے سے باہر نکل کر اس پودے سے سرخ پھول توڑ لیا ' اور اسے ہاتھ میں لے کر پروفیسر کے مکان کی طرف دوڑا -

پروفیسر کي لڑکي (طالب علم کی محبوبہ) مکان کی دہلیز پر بیٹھي اپني انگلیوں پر نیلے رنگ کا ریشمي تاگا لپیٹ رہي تھي - اور اس کا چھوٹا سا کتا اس کے پاؤں کے پاس بیٹھا تھا -

طالب علم نے اپنی محبوبہ کو وہ سرخ پھول پیش کیا ' اور کہا ' " یہ لو - تم نے کہا تھا ' کہ اگر میں تم کو گلاب کا سرخ پھول لادوں '

تو تم میرے ساتھہ رقص میں شریک ہوگی ' اور مجھہ سے محبت کروگی '' -

لڑکی نے اسے دیکھ کر تیوری چڑھائی ' اور کہا ' " میں یہ سرخ پھول ہرگز نہیں پہنوں گی ' ایک دوسرے نوجوان نے مجھے اصلی جواہرات بھیجے ہیں - اور تم جانتے ہی ہو ' کہ جواہرات پھول سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتے ہیں "-

اس پر نوجوان طالب علم نے خشمگیں ہو کر دنیا کا یہ " سرخ ترین پھول '' گلی میں پھینک دیا - جو ایک نالی میں جاگرا - اور چھکڑے کا ایک پہیہ اس پر سے گزر گیا -

میں اتنا لکھہ چکا تھا ' کہ رات کے سناٹے میں کسی کے گانے کی آواز میرے کان میں آئی ' جو کوئی راہ گیر میرے کمرے کے قریب ہی سڑک پر سے گزرتے ہوئے ایک ہندی گیت کا یہ مصرع الاپتا ہوا جا رہا تھا ' " چھوٹی سی گیند بدلے ' چھل جمنا میں ماری "

یعنی سری کرشن جی مہاراج نے ایک چھوٹی سی گیند کی خاطر دریائے جمنا میں چھلانگ لگا دی ' — آہ ' بالکل اسی طرح غریب بلبل نے گلاب کے سرخ پھول کی تخلیق کے لئے اپنی زندگی قربان کر دی -

جناب ررس صاحب کو شکایت ہے ' کہ ہماری تہذیب کو گھن لگ رہا ہے ' جس نے اسے یکسر کھوکھلا کر دیا ہے - اور تمدن کا یہ عظیم‌الشان درخت اب ان جھوکوں کی تاب نہ لا سکے؛ - جس کا بےمحابا طوفان خس وخاشاک کی طرح سب کچھہ اڑائے لئے جا رہا ہے - آج

سائنس انسانیت کی جڑیں کاٹ رہی ھے - نام نہاد سویلائزیشن اس کا طلسم توڑ رہی ھے ، اور اس کے جادو کو حرف غلط کی طرح مٹا رہی ھے -

یقیناً آج ناقابل یقین واقعات ظہور پذیر ہو رہے ھیں ، ظالم اور بیرحم دشمن ھماری ان بے بہا دولتوں کو برباد کرنے پر تلے ھوئے ھیں ، جو ھمارے لئے جان سے زیادہ عزیز ھیں "

آج کل حالات ھر لمحہ انتہائی خوفناک سرعت کے ساتھہ تبدیل ھو رہے ھیں " اور کچھہ سمجھہ میں نہیں آتا ، کہ گھڑی بھر میں کیا سے کیا ھو جانے والا ھے - یہہ اس لئے کہ حضرت انسان کی جبلی فطرت عجیب و غریب کی قسم کی واقع ھوئی ھے - پل میں تولہ پل میں ماشہ - کبھی یہ صلح کن بنتا ھے ، کبھی امن و امان کا متلاشی ھوتا ھے ، اور کبھی خودداری اور سلیف رسپکٹ کی آڑ لے کر مرنے مارنے پر تل جاتا ھے - کیوں ؟ کس لئے ؟ اس کا یہ کہنا ھے -) اس لئے کہ ھمارے سوشل اور اقتصادی قصر کی بنیادیں کمزور ھو گئی ھیں ، اور اب ان میں مرمت کی ضرورت ھے - یا یوں سمجھئے ، کہ ھماری تہذیب و تمدن اور اخلاق و معاشرت کے چمنستان میں بعض ایسے زھریلے پودے اگ آئے ھیں ، جو انسانیت کا گلا گھونٹ رہے ھیں ، اور اب اُن کا اکھاڑ پھینکنا ھی بہتر ھے -

آج آدمی آدمی کا دشمن ھے - اور " انسان نوع انسان کا شکاری ھے " - اگر یہہ مان بھی لیا جاے کہ ھم دیدہ و دانستہ ایسا نہیں کرتے، تو شاید قدرت خود ھمیں ایسا کرنے پر مجبور کرتی ھے ، کہا جاتا ھے کہ اعلی قسم کے اناج اور پھل پیدا کرنے والا کسان خود فاقہ کشی کی

زندگی بسر کرتا ہے ، اور ہمارا نیا نفیس اور آرام دہ لباس بننے والا جلاہا خود جاڑے کے موسم میں بھی پھٹے پرانے چیتھڑوں میں بسر اوقات کرتا ہے ۔۔۔پر ہم کیا کریں - اور کیا نہ کریں - کیا یہ واقعہ نہیں کہ دریا کے پانی میں چوبیس گھنٹے رہنے والے ملاح کا حقہ ہمیشہ سڑا ہوا رہتا ہے - اور ایک حلوائی اچھی اچھی اور لذیذ ترین مٹھائیاں بناتا ہے ، مگر خود نہیں کھاتا - کیونکہ مٹھائیوں کی بھینی بھینی خوشبو ہی سے اسکا جی بھر جاتا ہے - علیٰ ہذالقیاس ایک ہسپانوی کہاوت کے مطابق " شادی کی دعوت میں سب سے کم دلہن کھاتی ہے " (اور شاید سب سے زیادہ دولہا کھاتا ہے) حالانکہ فاقہ کش کسان ، ننگے بدن جلاہے ، سڑے ہوئے حقے والے ملاح ، لذیذ مٹھائیاں بنانے والے حلوائی ، اور شادی کی دعوت میں دلہن کو کھانے پینے ، یا کپڑے پہننے یا حقہ کا تازہ پانی بدلنے سے کوئی بھی منع نہیں کرتا -

میرے مکان کے قریب ایک کروڑ پتی سیٹھہ کی پانچ منزلہ کوٹھی ہے ، جس میں وہ خود رہتے ہیں ، ان کے یہاں ایک غریب گوالا ہر صبح و شام دودھہ دے جاتا ہے - ایک روز کا ذکر ہے ، کہ مہینہ کے اختتام پر پہلی تاریخ کو وہ گوالا پچھلے ماہ دودھہ کا دام لینے کے لئے سیٹھہ صاحب کے یہاں آیا - تو سیٹھہ صاحب کہنے لگے ، کہ پندرہ تاریخ کو روپئے ملیں گے - غریب گوالا التجایانہ انداز میں ہاتھہ باندہ کر کہنے لگا ، " مجبور ، میرے بچے بھوکے مررہے ہیں ، آج کل مہنگائی کے دن ہیں ، میرا حساب آج ہی چکا دیجئے " -

اس پر سیٹھہ صاحب نے جواب دیا ' " اگر تمہارے بچے بھوکے مررھے ھیں ' تو تم ان کو دودھہ پینے کے لئے کیوں نہیں دیتے ؟ تمہیں ان کو دودھہ پلانے سے کون منع کرتا ھے ؟ "

واقعی گوالے کو اپنے بچوں کو دودھہ پلانے سے کوئی بھی منع نہیں کرتا ' بالکل اسی طرح جیسے شادی کی دعوت میں دلہن کو کھانے سے کوئی بھی منع نہیں کرتا - بلکہ سب لوگ اُسے کھانے کے لئے بہت کہتے ھیں ' مگر وہ پھر بھی نہیں کھاتی -

میرے پڑوسی سیٹھہ صاحب کے پانچ منزلہ محل کے نیچے سردی میں ٹھٹھرتی ' کسی رات کو ایک غریب بھوکی بڑھیا آکر بغیر کھائے پئے سوجاتی ھے ' سردی کی شدت کے سبب اُسے ڈبل نمونیا بھی ہو جاتا ھے - اور بے چاری بھوکی پیاسی رات بھر ھائے ھائے کرتی صبح کر دیتی ھے ' مگر کوئی اس کا پرساں حال نہیں ھوتا - ادھر صبح سویرے سیٹھہ جی کا نوکر محل کی پانچویں چھت پر سے رات کا باسی دودھہ اور ڈبل روٹیوں کے ٹکڑے گندی نالی میں بہاتا ھے -

جان بوجھ کر نہ سہی ' مگر ہر شخص ' ھر قدم اور ھر بات پر دوسرے شخص سے بھولاً اور صریحاً دشمنی کر رھا ھے - اور تو اور - میرے ایک دوست کہا کرتے ھیں ' کہ انسان خود اپنے آپ سے دشمنی کرتا ھے ' کہتے ھیں ' پہلے پہل جب خداوند کریم نے حضرت انسان کو پیدا کیا - اور اسے اشرف المخلوقات بنانا چاھا - تو اس کے ساتھ اور بہت سے چرند ' پرند ' جانور اور حیوان مثلاً شیر ' ھاتھی ' گینڈا ' سانپ ' کچھوا ' بندر ' بلی ' کتا ' گدھا ' لومڑی ' اونٹ ' بلبل ' بیا ' کوا ' چڑیا وغیرہ سبھی

پیدا کئے - اور باری باری سب کو بلایا - اور علی الترتیب ان کی "صفات" تقسیم کرنا شروع کیں ، مثلاً شیر کو بہادری ، ہاتھی کو طاقت ، گینڈے کو قوت حفاظت ، سانپ اور بچھو کو زھریلا ڈنک ، بندر کو نقل ، بلی کو چالاکی ، کتے کو اپنے ھم جنسوں سے بیر ، گدھے کو بیوقوفی ، لومڑی کو مکاری ، اونٹ کو بار برداری ، بلبل کو گانا ، بئے کو ذھانت ، کوے کو عیاری ، اور چڑیا کو " چوں چوں " کرنا - سب سے آخر میں خدائے قدوس نے حضرت انسان کو بلایا ، اور ارشاد فرمایا ، " اے انسان ! ھم تجھے اشرف المخلوقات اور خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجنا چاھتے ھیں ، حضرت انسان اس پر بہت برھم ھوئے ، اور کہا ، " اے خدا ، میں تو کچھ اس سے بھی سوا حاصل کرنے کا متمنی ھوں - " خدا نے پوچھا ، " وہ کیا ؟ " انسان نے جواب دیا ، " مجھے سانپ اور بچھو کا زھر ، بندر کی سی نقل بلی کی عقل ، کتے کی طرح اپنے ھم جنسوں سے دشمنی ، لومڑی کی مکاری ، اور کوے کی عیاری چاھئے ! " خداوند تعالی نے ارشاد فرمایا کہ اے انسان - تیرے شایان شان یہ چیزیں نہیں - لیکن حضرت انسان بہت بضد ھوئے - اور کہنے لگے - " اے خدا اگر مجھے ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں مل سکتا - تو کم از کم مجھے اپنے آپ ھی سے دشمنی دے دے " - اس پر اللہ میاں کو جلال آگیا ، اور کہا ، " جا - یہ بھی لے ، اور وہ بھی لے "-

چنانچہ ھم دیکھتے ھیں ، کہ انسان میں سانپ کا زھر بھی ھے ، اور کتے کی طرح اپنے ھم جنسوں سے عداوت بھی ، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود اپنے سے بھی ، — آہ ! انسان کیا تھا ، اور کیا ھوگیا !

پچھلے دنوں ملک معظم نے لندن سے ریڈیو پر ایک تقریر نشر کرتے ہوئے جمہوریہ امریکہ کے کسی سابق صدر کے بچپن کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا ، کہ ایک مرتبہ وہ بچہ اپنے چھوٹے بھائی کو گود میں بمشکل اُٹھائے ھانپتا کانپتا جا رہا تھا - راستہ میں لوگوں نے دیکھا - تو کہا ، " اے بچے ! کیا یہ بوجھہ تمھارے لئے بھاری نہیں ؟ " بچے نے تڑپ کر جواب دیا ، " یہ بوجھہ نہیں ھے ، یہ تو میرا بھائی ھے !

پس میرا نظریۂ حیات بھی یہی ھے ، اور یہی مقصد زندگی !

لیکن میں ان تابوت بردوش فلسفیوں کو نہیں مان سکتا - جو زندگی کو ماتم خانہ اور اھل دنیا کو اھل جنازہ خیال کرتے ھیں ، میرا یہ بھی ایمان ھے ، کہ نیکی و بدی کا ماخذ خدا یا کوئی اور فوق الفطرت ھستی نہیں - بلکہ خود انسان ھی نے یہ اصطلاحات ایجاد کی ھیں ، اور فی زمانہ غلامانہ اخلاقیات سے اثر پذیر ھوکر مردانگی اور شجاعت نے امن پسندی اور سکون طلبی کے آگے ھتھیار ڈال دئے ھیں ، زور و قوت کی جگہہ مکاری اور عیاری نے لے لی ھے ، کھلے بندوں ، انتقام لینے کے جذبات آج کینہ پروری اور خفیہ سازشوں میں تبدیل ھوگئے ھیں ، اور انکسار و حلم کو انسان اس لئے نیکی خیال کر رہا ھے ، کہ ان کے ذریعے سے کام ذرا جلد نکل جاتا ھے ، لوگ اکثر اوقات اس بات پر فخر کرتے ھیں - کہ جو کام زور و قوت سے نہیں ھوسکتا ، وہ ھم نے نرمی سے نکال لیا ، کیا یہہ نیکی ھے یا دھوکا ؟

زندگی اگر ایک سراب ھے ، تو اسی طرح (میرے نظریہ حیات کے مطابق) بڑے بڑے فلسفیانہ نظام بھی دراصل سراب ھیں ، جن میں

صداقت کی بجائے چند خفیہ خواہشات کا عکس صاف نظر آرہا ہے ۔

میرے خیال میں سختی ، درشتی ، اور جنگ و جدال بھی زندگی کے لئے بے حد ضروری چیزیں ہیں ، رشک ، لالچ ، جوش ، غصہ اور نفرت و حقارت ، — یہ چیزیں بھی کشمکش حیات کے لئے لازمی اور لابدی ہیں ۔

عقل و حکمت اور علم و سائنس نے سالہا سال کی کاوشوں کے بعد سوائے مغالطوں اور سراب کے اور کچھہ پیدا نہیں کیا ، اور ابھی تک ہم ، بقول نیوٹن ، ایک بچہ کی طرح سمندر کے کنارے گھونگے اور سیپیاں چن رہے ہیں ۔

سائنس‌داں اس کائنات کو خود ساختہ پیمانوں سے ناپنا چاہتے ہیں اور اسی طرح عقل و حکمت ایک بے معنی حجت و تکرار کا دوسرا نام معلوم ہوتی ہے - پس ان حالات میں عقل سے ہماری کیوں کر بن سکتی ہے - بعینہ جس طرح ایک بلند پرواز طائر کی کسی زمین پر رینگنے والے جانور سے نہیں بن سکتی ، اسی " عقل پرستی " کی بلا میں گرفتار ہوکر آج دانایان مغرب خون اور آگ کی ہولی کھیلنے پر مجبور ہوگئے ہیں " یہی وہ عقل ہے ، جس کی نقل و حرکت کی تصویر نہیں اتاری جاسکتی ، مگر فلم بنائی جاسکتی ہے - جس طرح پردہ سیمیں کی متحرک فلم در اصل کئی ساکن تصویروں کا مجموعہ ہوتی ہے ، جن کا عکس یکے بعد دیگرے پردے پر اس سرعت سے ڈالا جاتا ہے ، کہ ناظرین کو ایک جھٹی جاگتی اور چلتی پھرتی متحرک فلم نظر آتی ہے ۔ مگر چالاک فوٹو گرافر خوب جانتا ہے ، کہ وہ کسی

حرکت یا " متحرک فعل " کي تصویر اُتارنے سے قطعي عاجز ھے '— پس متحرک تصاویر کے کیمرے کي طرح " عقل " بھي وجود حقیقت کو (جو لازماً متحرک اور بیقرار ھے ') ساکن تصور کرتي ھے ' اور اسي طرح موجودہ علم و حکمت اور عقل و دانش اُن جھوٹي اور مصنوعی باتوں کے مجموعے کا نام ھے - جن کي بدولت ھم دنیا میں زیادہ زور شور سے رہ سکتے ھیں ' پس اس سے ثابت ھوا - کہ سائنس کا علم نہ صرف مجموعي طور پر باطل اور غلط ھے ' بلکہ اس کا ایک ایک لفظ جھوٹ بھي ھے -

علم ایک فریب ھے - جو زندگي کو ناقابل برداشت بنا دیتا ھے - درحقیقت دنیا میں حق و صداقت کوئی معنی نہیں رکھتے ' جو چیز مفید نظر آئے - وھی اچھي اور سچی سمجھي جاتي ھے ' کائنات کی کوئي علت غائي نہیں ' یہ ایک اندھیر نگري ھے ' اور ھم سب اس میں ھاتھہ پاؤں مارتے پھرتے ھیں -

لیکن اس کا یہ مطلب بھي نہیں ' کہ ھم زمانے کے تھپیڑوں کے سامنے سر تسلیم خم کرکے زندگي بسر کردیں ' ھمیں سیرتوں میں پختگي حوصلوں میں وسعت عزائم میں اُستواري ' ھمتوں میں بلندی ' اور مقاصد میں ترفع پیدا کرنا چاھئے ' مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے پہاڑوں سے ٹکرا جانا چاھئے - دریاؤں ' سمندروں ' اور صحراؤں کو پھاند جانا چاھئے ' اور سیل تند بن کر بیابانوں سے گزر جانا چاھئے ' طوفانوں اور طلاطموں سے جنگ کرنا چاھئے - اور آسمانوں سے بھڑ جانا چاھئے '— اور سوائے خداند قدوس کے دنیا کي ھر طاقت کو اپنے سامنے سر جھکانے اور مطیع ھونے پر مجبور کردینا چاھئے -

نفائس اللغات مصنفہ اوحدالدین بلگرامی

(از محمد اجمل خاں)

لغت سامی لفظ ہے - یونانی لفظ لوگاس (Logas) اسی لفظ کا ہم معنی ہے - عربی میں لغت کا لفظ اصوات و کلمات یعنی آوازوں اور بولوں دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے - اور مخصوص معنوں میں فرہنگ (فارسی) ' ڈکشنری (انگریزی) یا کوش (سنسکرت) کے لئے رائج ہے -

کسی زبان کو سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اُس زبان کے لفظوں اور قاعدوں (گریمر) کو جانا جائے - لفظوں اور محاوروں کے سیکھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ان کو ابجدی ترتیب سے ایک جگہہ جمع کر دیا جائے ' اور اس مجموعہ (لغت) کی مدد سے اپنی دشواریوں کو حل کر لیا جائے -

ہندوستان کے قدیم باشندوں کی زبانوں کے متعلق مسیحی پادریوں نے بہت کچھہ کام کیا ہے - حتی کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ اُن لوگوں نے مختلف فرقوں کی بولیوں تک کی لغتیں اور گریمریں لکھنا شروع کر دی تھیں - اور مذہبی جوش اور خدمت وطن کے جذبے نے یورپ سے

آنے والے مشنریوں سے ہندوستانی زبانوں کی بہت کچھہ خدمت کرا دی تھی -

لیکن اس سے بہت پہلے جب سنسکرت بولنے والے آیرین ہندوستان آئے تھے تو انھوں نے ہندوستانی زبانوں کو اس طرح سیکھا تھا کہ اپنی زبان (سنسکرت) کو علمی گروہ یعنی برھمنوں تک محدود کر دیا تھا اور خود جس خطے میں رہتے تھے وہیں کی بولی بولتے تھے - اس طرح ہندوستان کے مختلف حصوں کی اصلی زبانوں میں سنسکرت کے ہزاروں لفظ داخل ہو گئے تھے اور سنسکرت نے بھی بہت سے مقامی لفظ اپنا لئے تھے -

آج سے ہزار سال پہلے جب مسلمان ہندوستان میں آئے تو ان کے مختلف گروہ مختلف زبانیں بولتے تھے - عربوں کی زبان عربی ' ترکوں کی ترکی ' اور ایران والوں کی فارسی تھی - عربی زبان سامی نسل سے تعلق رکھتی ہے - اور اس زبان کے قاعدے فارسی اور ترکی دونوں زبانوں کے قاعدوں سے بالکل علحدہ ہیں - ترکی زبان بھی عربی اور فارسی سے کوئی مناسبت رکھتی - ہندوستان کی سنسکرت اور فارسی زبان دونوں ایک ہی نسل کی زبانیں ہیں اس لئے ہندوستان والوں نے فارسی زبان کو بہت آسانی سے قبول کرنا شروع کر دیا - یہ قدیم ایرین زبان کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ صورت ہے - اور چونکہ اب تک زندہ ہے اس لئے امیر خسرو کے زمانے کی فارسی موجودہ فارسی کے مقابلہ میں پرانی اور کم ترقی یافتہ کہی جا سکتی ہے - گو مسلمانوں نے فارسی کو ہندوستان کی درباری زبان بنا دیا تھا ' لیکن یہ ان کی

مذھبی زبان نہ تھي - اور محض اس لئے ھندوستان میں رائج رھي کہ یہی ایک ایسي زبان تھي جو ھندوستان کے ویدانتیوں ایران کے دستوروں اور مسلمانوں کے صوفیوں کو ایک ھی پلیٹ فارم پر آسانی سے لا سکتي تھي - سیاست اور مذھب کا کوئي دخل تھا تو بس اتنا تھا کہ علمي طبقوں نے اسے عام پسند بنا دیا تھا - اور عرب اور مغل اپني مادري زبانوں کو اپنے گھروں تک محدود رکھنے پر مجبور ھو گئے تھے وہ جب عام لوگوں سے ملتے تھے تو ان ھي کی بولیوں میں بولنے کي کوشش کرتے تھے فارسي ھي اس زمانے کي مہذب اور ترقي یافتہ " ھندوستاني زبان " تھي - اور ایران سے بہت کچھہ آزاد ھوکر نیچرل طریقہ پر ھندوستان میں بالکل اُسي طرح ترقي کر رھي تھي جس طرح امریکہ میں انگریزي زبان امریکن ھو گئی ھے - اور جرمن ' فرنیچ اور مقامي بولیوں کا اثر قبول کرکے نئے ڈھنگ سے ترقي کر رھیٔ ھے -

غالباً ھندوستاني زبان کی سب سے پہلی لغت امیر خسرو (ولادت سنہ ۶۵۰ھ) نے آج سے سات سو سال پہلے لکھي ھے - یہ اب تک مکتبوں میں جاري ھے اور " خالق باری " کے نام سے مشہور ھے - یہ ایک مختصر سي منظوم فرھنگ ھے اور ایسے عربي فارسي لفظوں کو دھلو کی ھندي یا برج بولي میں بیان کرتي ھے جو روز مرہ کے استعمال کے لئے ضروري ھیں - مثلاً -

خالق ' باري ' سرجن ھار   واحد ایک بداں کرتار

رسول ' پیمبر جان بسشٹ   یار ' دوست ' بولي جا اسٹ

خالق باری میں مختلف بحریں ہیں ، اور برج بولی کے ساتھ ساتھ بہت سے پنجابی اور سنسکرت لفظ بھی نظم ہو گئے ہیں ۔ لیکن ان لفظوں کی اصلاح نہیں کی گئی بلکہ جس طرح عوام میں بولے جاتے تھے اسی طرح لکھ دئے گئے ہیں مثلاً دوسرے شعر میں وسشت کو بسشت کہا ہے ، اور " جا " ہندی میں " یا " اور ہندوستانی میں "یہ" ہو گیا ہے ۔ خالق باری در اصل فارسی ۔ برج کی ایک مختصر فرہنگ ہے ۔

ہندوستانی سیکھنے کے لئے خالق باری نے جو نمونہ پیش کیا اس پر ہندوستان میں جہاں جہاں ہندستانی رائج تھی نئی نئی خالق باریاں لکھی جانے لگیں ۔ یہ فرہنگیں ہندوستانی لفظوں کی تدریجی تاریخ کا کام دے سکتی ہیں اور بتا سکتی ہیں کہ کس زمانے میں کون کون سے لفظ رائج تھے اور کس لفظ کی جگہ کس لفظ نے کس زمانے میں لی ہے ۔ اس قسم کی ایک فرہنگ سنہ ۱۸۱۳ع میں جگجیون داس ساکن موضع دائم‌چک ، عظیم‌آباد بہار نے سنہ ۱۸۱۳ع میں لکھی تھی ۔ اس کا نام " خوشحال صبیاں " ہے ہمارے پاس مطبع کمالی ، کلکتہ کا مطبوعہ نسخہ سنہ ۱۹۲۷ع کا موجود ہے ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ بابو کیشور پرشاد ساکن قصبہ باڑہ کے یہاں بھی موجود ہے ۔ اور خانقاہ شہرام میں مطبع کبیری میں شہسرام کا ایک مطبوعہ نسخہ ہے جو سنہ ۱۸۵۷ع سے پہلے چھپا تھا ۔ اس کے چند شعر بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں :—

رحمان رام ، اللہ کرتار   پروردگار ہے پالن ہار
واحد ایک ، ثانی دو جا   بت خانہ مندر ، پرست پوجا

حوض پوکھر ، چاہ کنواں   سرمہ کاجل ، دود ہے دھواں

قندسیہ گڑ ، جو ہے کھانڈ   نیشکر اوکھہ ، بھوہ ہے رانڈ

آرد آٹا ، طعام ہے بھات   لغتي دال ، رودہ ہے آنت

" فارسي نامہ کلاں " اور " قادر نامۂ غالب " بھي اس قسم کي دو مختصر اور مطبوعہ فرهنگیں هیں - اور مطبع مجیدی کانپور سے ۱۳۲۷ هجری سنہ ۱۹۲۱ع میں شائع هوئي هیں - جو غزلیں آخر میں درج هیں ان سے معلوم هوتا ہے کہ یہ رسالے چالیس پچاس سال پہلے کي زبان میں لکھے گئے هیں - فارسی نامہ کے چند شعر یہ هیں :—

پالن هار خدا ، رب مالک * رسول پیمبر ، پیک ہے سالک

جسم بدن ہے ، روح ہے جان * ناک ہے بیني ، گوهر ہے کان

بحر ہے دریا ، موج ہے لہر * گانوں ہے قریہ ، بلد ہے شہر

قادرنامہ دوسري بحر میں ہے - نمونہ یہہ ہے :—

قادر اللہ ، اور یزداں ہے خدا * ہے نبي مرسل ، پیمبر رہ نما

پیشوائے دین کو کہئے امام * وہ رسول اللہ کا قائم مقام

ہے صحابي دوست ، خالص ناب ہے * جمع اس کي یاد رکھہ اصحاب ہے

بندگی کا هاں عبادت نام ہے * نیک بختي کا سعادت نام ہے

تیغ کي هندي اگر تلوار ہے * فارسی پگڑی کي بھی دستار ہے

غالباً اس صنف کي بہترین فرهنگ " حمد باري " ہے - یہ مولوي عبدالسمیع رامپوری کي تصنیف ہے - اور مولانا محمد اختر شاہ خاں صاحب امروهوي مدرس مدرسہ امدادالاسلام میرٹھہ کي

تصحیح سے تجلی برقی پریس دھلی سے شائع ہوئی ھے - تاریخ تصنیف و اشاعت درج نہیں - پچاس سال پہلے کي زبان معلوم ہوتي ھے - اور فرض تحریر یہہ ھے کہ " جب وحیدالدین پسر حافظ حاجي عبدالکریم صاحب نے فارسی پڑھنے کي طرف طبیعت رجوع کي ' اور خالق باري شروع کي ' تو اس کتاب کے بعض الفاظ پنجابی اور سنسکرت وغیرہ اس کي سمجھہ میں نہ آئے تھے بلکہ اور خلجان طبیعت بڑھاتے تھے - پھر دیکھا تو مکتب میں لڑکوں کا یہی حال ھے ' ان الفاظ متروک‌الاستعمال کا سمجھنا اشکال ھے - تب میں نے اس نظر سے کہ مبتدیوں کو فائدہ تام اور رفاہ عام ھو بیان لغات میں یہہ رسالہ منظوم لکھا - اور ترجمہ الفاظ میں اُردو مروجہ کا لکھنا مد نظر رکھا - اور جو الفاظ فارسي یا عربي ایسے تھے کہ بے تکلف ھر کسي کي سمجھ میں آتے تھے ' میں نے ان الفاظ کا ترجمہ ھندي نہیں لکھا " -

" حمد باری " میں مختلف عنوانوں کے ماتحت لفظوں کی فہرستیں دي ھیں - اس طرح زبان سیکھنے والے کو ایک ھی قسم کي لفظیںیکجا مل جاتے ھیں - عنوانات یہہ ھیں :—

آسمان و متعلقات آن - سال و ماہ - زمین و معادن بحار و اماکن اسباب خانہ - اجزا و اعضاے انسان - متعلقات جسم انساني اهل قرابت - اهل پیشہ - اهل عیوب - غلہ و اشیاے خوردني وغیرہ وغیرہ - نمونے کے چند شعر درج ذیل ھیں :—

حمد باري لکھہ کے اور نعت رسول * جو لکھے بیدل کرو دل سے قبول

ہے خدا اللہ ' پیغمبر رسول * ہے صحابی جس کو ہو صحبت حصول
آسماں ہے چرخ گردوں اور فلک * تارا اختر ہے ' فرشتہ ہے ملک
سارے جو پھرتے ہیں خود ' سیارہ ہیں * اور ثوابت باقی اے مہ پارہ ہیں
جان سورج شمس خورشید آفتاب * چاند ہے بدرو قمر ' مہ ماہتاب
ایک معنی اور سن اے فیضیاب * چاندنی مہتاب ہے دھوپ آفتاب
صرصر آندھی اور پروا ہے صبا * اور پچھوا ہے دبور اے با صفا

یورپ والوں نے نہ صرف ہندستان کی مختلف زبانوں اور بولیوں کی لغتوں اور گریمریں لکھیں ' بلکہ بنگال اور مدراس کے انگریزوں نے ذاتی معلومات بڑھانے اور کمپنی کی مدد کرنے کے لئے انگریزی لغتوں کا " ہندستانی " میں ترجمہ کرنا شروع کیا - ہندستانی زبان کی گریمریں انگریزوں کے لئے لکھیں ' اور اسی پالسی کے تحت ہندستانی کتابیں بھی لکھوائیں - یعنی وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ اگر انہیں کار بار کرنا ہے تو ہندوستان کی عام زبان ہندستانی سیکھے بغیر ناممکن ہے - انہیں خواب و خیال میں بھی یہ نہ محسوس ہو سکتا تھا کہ کبھی یوروپین کمپنیوں میں سے کوئی کمپنی ہندوستان کی سیاسی باگ‌ڈور سنبھال سکےگی اور ہندستانی زبان اپنی جگہ انگریزی زبان کے لئے خالی کرسکے گی -

بہر حال اُنہوں نے انگریزی - ہندستانی لغتوں کے علاوہ ہندستانی زبان کے لغات کا انگریزی ترجمہ بھی ہندوستانی جاننے والوں کی مدد سے کرنا شروع کردیا - اور ہندستانی کتابوں کو براہ راست پڑھ سکنے کا

راستہ کھول دیا - هندوستانی - انگریزي لغتوں کے سلسلہ میں جو
کام ہوا ہے اُس کا مختصر حال نیچے لکھا جاتا ہے : —

۱— فرگسن ' هندوستاني انگریزي لغت - رومن حروف لندن ۱۷۷۳
۲— گلیڈون - محمڈن لا اور محکمہ مال بنگال کي اصطلاحات
سنہ ۱۷۹۷ع
۳— گلکرائسٹ هندوستانی - انگریزی لغت (اوریئنٹل لنگوئسٹ)
سنہ ۱۷۹۸ع
۴— گلکرائسٹ هندستاني لغات و مقدمہ زبان هندستاني
... ... درایئنٹي جارگنسٹ سنہ ۱۸۰۰ع
۵— گلکرائسٹ ' هندستاني لغات (در برتھ اتھیا مانهٹر)
... ... اڈنبرا سنہ ۱۸۰۸ع
۶— هنٹرو کیپٹن تے لر ' هندستانی - انگریزي لغت ...
... ... سنہ ۱۸۰۸ع
۷— شیکسپیئر نے نمبر ۹ کي بنا پر هندستاني-انگریزي
... ... لغت لکھی-لنڈن سنہ ۱۸۱۷ع
۸— فرهنگ دکھني انوار سہیلی ... سنہ ۱۸۲۴ع
۹— ایلیٹ ' قانون اسلام ... ... سنہ ۱۸۳۲ع
۱۰— شیکسپیئر نے نمبر ۸ و نمبر ۹ کي لغات کو اپني لغت
اور هندستاني-انگریزي لغت کا دوسرا اڈیشن
... ... شائع کیا سنہ ۱۸۳۴ع

۱۱—ایلیٹ ، اصطلاحات ہندستانی آگرہ سنہ ۱۸۴۵ء

۱۲—فاربس ، ہندستانی۔انگریزی لغت لندن سنہ ۱۷۴۸ء

۱۳— " مندرجہ بالا کتابوں کی مدد سے دوسرا

اڈیشن سنہ ۱۷۶۲ء ... ...

۱۴— فیلن - ہندستانی انگلش لغت - اس کی خصوصیات

یہ تھیں کہ ہندستانی کی عام بات چیت اور دیہات

کے ہندی بولنے والوں کی زبان کو نمایاں کیا گیا تھا -

بیگمات کی خالص زبان کو لغت میں پہلی مرتبہ جگہہ

دی گئی تھی اور لفظوں کے صحیح استعمال کی

لغتیں روزمرہ اور نظم و نثر سے دی گئی تھیں (اس کے

بعد نیو انگلش ہندستانی لغت لکھی گئی) سنہ ۱۸۷۳ء

۱۵—فیلن - ہندستانی۔انگریزی قانونی لغت سنہ ۱۸۷۳ء

اوپر لکھی ہوئی کتابوں میں کہیں بھی نفائس اللغات کا ذکر نہیں ہے - اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کی نظر سے یہ لغت نہیں گزری - حالانکہ فاربس نے اپنی لغت مطبوعہ سنہ ۱۸۶۲ء کے دیباچہ جن کتابوں سے مدد لی ہے اُس میں رچرڈسن کی فارسی و عربی لغت تک کا حوالہ ہے -

نواب شاہجہاں بیگم بالقابہا ، رئیسہ بھوپال نے ایک لغت موسومہ " خزانۃاللغات " سنہ ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۸ع میں بھوپال سے شائع کی تھی - اس میں فارسی ، عربی ، سنسکرت ، انگریزی اور ترکی میں اردو لفظوں

کے معنی بیان کئے گئے ہیں - مقدمہ اردو میں ہے اور مختصر ہے ' اس میں نفائس اللغات کا ذکر اس طرح درج ہے :—

" ایزد پرست ' پیمبر پذیر شاہجہاں بیگم رئیسہ بھوپال عفااللہ عنہا کی طرف سے ہوش مندان جوہر شناس و خرد کوشان فطرت اساس پر مخفی نہ رہے ' کہ ہر چند عرب و عجم کی زبان میں مجامیع لغات و دواوین الفاظ بیشتراز بیشتر موجود ہیں ' لیکن کوئی ایسی کتاب جو لغات متعارفۂ السنہ متعددہ پر حاوی ہو ' اور کمال صحت و متانت و حسن ترتیب کے ساتھہ تالیف کی گئی ہو سوائے نفائس اللغات کے معلوم نہیں ہوئی ' مگر اس میں بھی صرف اردو ' فارسی ' عربی کے لغت پائے جاتے ہیں ' نہ کسی اور لغت مروجۂ حال کے ' اس لئے (یہ لغت چھہ زبانوں میں جمع کی گئی) (صفحات ۲-۳)"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندستانی-فارسی کی بہترین لغت ' جو اس زمانے میں عام طور پر رائج تھی نفائس اللغات ہی تھی -

نفائس اللغات رجب سنہ ۱۲۵۳ھ یعنی سنہ ۱۸۳۶ع میں لکھنؤ میں تیار ہوئی تھی - اس کے مصنف مولوی اوحدالدین بلگرام کے رہنے والے تھے ' جو اودھ کا ایک مشہور اور مردم خیز قصبہ ہے - نولکشور پریس کا ایک مطبوعہ نسخہ ہمارے سامنے ہے - مگر چونکہ بادامی قسم کے کاغذ پر چھپا ہے - اس لئے نہایت بوسیدہ ہو گیا ہے - اس اس کے شروع کے چند صفحے بھی ضائع ہو گئے ہیں اس کتاب کا ایک نہایت اچھا نسخہ سبحانیہ لائبریری چائل ' قصبہ بیگم سرائے ' ضلع الہ آباد میں موجود ہے - ہم مہتمم کتب خانہ کے ممنون ہیں انہوں نے

ضروری اقتباسات کی نقل مہیا کرنے میں امداد فرمائی - یہ نسخہ مطبع مصطفائی دہلی میں سنہ ۱۲۸۱ھ میں ہاتھہ کے بنے ہوئے کاغذ پر چھپا ہے - اور بہت اچھی حالت میں ہے -

ابوالفتح معین الدین سلطان الزماں نوشیرواں عادل محمد علی شاہ بادشاہ غازی (۱۸۳۷-۱۸۴۳) لارڈ آکلینڈ کی گورنر جنرلی کے زمانے میں اودھہ کے بادشاہ تھے - مصنف نے ان کی تعریف میں تین صفحے رنگین کئے ہیں ، حالانکہ اودھہ کی اندرونی حفاظت کی ذمہ داری بھی ایسٹ انڈیا کمپنی پر ڈالی اور شاہ انگلینڈ کمپنی کی خوشنودی کو سب پر مقدم رکھنے پر مجبور تھا - محمد علی شاہ باوجود رعشہ کے ہمہ تن کاروبار سلطنت میں مصروف رہتے تھے - اور نہایت رعایا پرور اور مصنف مزاج حکمراں تھے - اوحدالدین بلگرامی نے اپنی لغت " شاہ انجم سپاہ " کے حضور میں پیش کی تھی - اور غرض تحریر کی یہ بتائی تھی -

" اما خامۂ معجز نگار و قلم سحرکار ہیچ یکے ازانہا لغات اردوے ہندی و فارسی عربی ترجمہ نکردہ ، تاہندیاں و فارسیاں را بےتجشم استقراء برجزئیات لغات و قوافی بہم رسیدے-ازینجہت این ہیچمداں ہم بتالیف لغتے عناں عزیمت راانعطاف داد ، واز سواد شام تا بیاض نہار تصفح اسفار لغات عربیہ و فرہنگہاے فارسیہ پرداخت......وآن را نفائس اللغات نام نہاد......وزبان اردوئے ہندوستانی راکہ مرکب از فارسی و عربی و ہندی ، و برخے از ترکی ست اصل لغت قراردادہ ، عربی و فارسی آن رابیان نمود - و جائیکہ ہر دو بہم نرسید بریکے

اکتفاکرد - و لغاتے کہ عربی و فارسي آن نبود بنا چار ازان اعراض نمود، و جاہا بحکم ضرورت لغت مردم قصبات ہم آورد " اس لغت کي خصوصیتیں یہ ہیں :—

(۱) یہ لغت خود ایک صاحب زبان نے لکھي ہے - اور اس زمانے میں لکھي ہے جب ہندستاني زبان کا روز مرہ اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا -

(۲) مصنف نے ہندوستان کي عام زبان کا نام اردوے ہندوستانی اور اردوے ہندي لکھا ہے - اور اس کا فارسی و عربي میں ترجمہ کیا ہے - اس کے معني یہ ہوئے کہ وہ جتنے لفظ جمع کرتا ہے وہ خالص ہندستاني ن چکے تھے اور اب اگر کوئی ہندستاني لغت تیار کي جائے تو ان لفظوں کو ہندستاني کے بنیادي الفاظ قرار دینا چاہیئے-

ہم نفائس‌اللغات کے صرف ہندوستاني لفظوں کی فہرست نیچے درج کرتے ہیں - اصل کتاب میں ہر لفظ کا صحیح اعراب بھي درج ہے - طوالت کے خیال سے ہم نے اعراب کو حذف کردیا ہے -

[ا]

آبخورا-آبرو - آبریز- آبنوس - آپس-آبھي ماری آبھي چلائي- آٹا - آٹھ عدد - آٹھ آٹھ آنسو رونا - آٹھواں - آج - آختا - آدھا - آدھا سیسہ - آرائش - آرسي - آرا - آرا چلانا - آڑ - آڑا - آڑو - آزمانا - آزمائش - آسکین - آستین چڑھانا - آسرا - آسان -آسائش - آس پاس - آسمان - آسمانی تیر - آسیب - آفتابا و آفتاوا - آگ - آگ بجھانا - آگ دبانا - آگ گاڑنا و دبانا - آگ لگانا - آگ لگنا - آگہ واگ - آگي - آلو بخارا - آنا - آنا جانا - آنب و آم - آندھي - آندھی اٹھنا - آنسو - آنسو بہنا - آنسو ٹپک پڑنا - آنکڑا - آنکس -

آنکھ - آنکھ پھڑکنا ـ آنکھ پھوڑنا - آنکھ دکھانا - آنکھ مارنا - آنکھ مچولا - آنکھ میچنا و بند کرنا - آنکھ نوچی کونا - آنولا - آواز - آواز پڑ جانا ـ و بیٹھ جانا ـ آواز پڑنا - آھٹ -

ابابیل ـ ابال ـ ابرک - ابرا ابسنا ـ ابکائی - ابلنا - اپلا ـ اتارا اپلا ھے - اتار - اتارا - اتارنا ـ اترانا - اترسوں - اترنا - اترنگ ـ اترھری اتو و اتو - اتوار - اتھلا - اتالا - اٹکل - اٹھا دینا - اٹھرن ـ اجاڑ ـ اجاڑنا اجارہ ـ اجڑ جانا - اجگر - اجلا - اجلائی - اجمود - اجوائن ـ اجیالا - اجھرن ـ اجارہ - اچانک - اچانک پکڑنا - اچٹ جانا - اچکا ـ اچک لے جانا - اچھا ـ اچھا ھونا - اچھل جانا ـ اچھو ھونا - اچھوانی - اخروٹ ـ ادا - ادا کرنا - ادبدانا ـ ادرک - ادھار - ادھار دینا - ادھار لینا ـ ادھار مانگنا - ادھر ادھر سے جمع کرنا - ادھ کلا ـ ادھ موا ـ ادھمو ـ ادھیڑنا ـ اڈا - ارداوہ ـ ار گنجا ـ ارگن ـ ارنڈ - ارمان ـ اروی - ارے ـ ارمان - اروی - ارنی ـ ارھر ـ ارے ـ اڑانا ـ اڑنا ـ اڑتا ـ اڑنگا - اڑوڑ - اڑیل ـ ازار بند - ازار بند ڈالنا ـ اژدھا ـ اژدھات - اسانا - اسبغول ـ اسبند - اسکانی - اسکر - اسکرہ - اشارا - افطاری - افلاس ـ افیون و افیم - اکتانا - اکڑا - اکڑنا - اکڑ کر چلنا - اکڑو ـ اکونی محاورہ فصیات - اکھاڑا ـ اکھری رسی ـ اکھڑنا - اکیلا اکری ـ اگارنا ـ اگال ـ اگر ـ اگلا ـ اگل پڑنا - اگلنا ـ اگنا - اگن چڑیا - اگوائی - اگھانا ـ الو - الاچی ـ الٹا - الٹا چلنا ـ الٹا سوار ھونا - الٹ پلٹ کرنا و الٹنا الٹ پلٹ ھونا ـ الٹی پاؤں پھرنا ـ الرام دینا - السی - الغوزہ ـ الف ھونا - الکنی - الکسی - - الرپ اسجن ـ الھڑنا انڈیلنا ـ امام - امام باڑا ـ امانت اکھلنا - امرت - امس - امکا ڈھمکا - املتاس امھد ـ انار بھدانہ - انبلی - انٹی - انٹی باز ـ انجل - انجن ـ ا جھر - اندرائن ـ اندر جو - اندھا - اندھڑ - اندھی - اندھیری - انڈا - انڈواسی انڈے دینا - انڈے سینا - انکھوا ـ انکارا - انگڑائی - انگڑائی لینا - انگھتانہ - انگلی - انگلی چٹخانہ - انگلی چوسنا - انگنائی - انگوٹھا - انگوٹھی - انگوٹھی پہننا - انگور - انگھا - انگیٹھی - انی - اوبھی - اوپر - اوت - اوٹ - اوٹنا -

اُوتلي - اُوتی روتي - اُوچّھ - اُوجھڑی - اوریب اوڑھنا - اوڑھنی - اوکھ - اوکھلی - اول - اولا - اُولنا - اُون - اونٹ - اونٹ بٹھانا - اونٹ کٹارا - اونٹ کاے - اونٹلي - اونچي - اوندھا - اوندھانا - اوندھي منھه کرنا - اونگھه - اوه اوئی - اهار - اهیر - ایال - ایڑا - ایڑ لگانا - ایڑی - ایک رنگ - ایک لوتا - یکمنزله و دو منزله وغیره - ایلوا - ایلنٹ - ایندھن - ایوارا -

[ب]

باپ - بابرنگ بابونه - بات - بات بدلنا - باتوں کرنا - باتی - باجرہ - باچھه - بادریسه - بادل - بادیا - بارانی - بار تنگ - باره باني - باره سنگا - بار بردارے - بارے - باڑھ - باره - باڑه رکھنا - باڑھ کر جانا - باڑھا - باز - بازاری - بازو - باروی مرغان - بازوی در - بازو بند - بازیگر - باس - باسي - باشا - باگ - باگ - باگ توڑ - باگ ڈھیلي کرنا - باگ کھینچنا - باگ موڑنا - باگه - باگھلي - بال - بالا - بالا پوش - بالا - بالا خانه - بال بکھیرنا - بال جھڑنا - بال چلنا - بالچھڑ - بال سلجھانا - بالشت - بالشت سے ناپنا - بالو کی دوات - بالي - بان - بانا - بانات - بانب - بنب بالني - بانٹ بانٹنا - بانجھ - باندھه - باندھنو - بانڈا - بانس - بانسا - بانس کي جڑ - بانس کي چھال - بانسلي - بانسلي بجانا - بایاں هاتھه - باو - باد بعدی - باولي - بائیں -

ببری - ببول - بت - بتانه - بتھوا - بتي -

بٹ - بٹا - بٹنا - بٹیر -

بج بجانا - بجلی - بجنه - بجو - بجھرا - بجھرا - بجھایا پانی -

بچ - بچانا - بچاؤ - بچھڑا - بچھو - بچھونا - بچھیا - بچھیرا - بچي - بچھانا - بچے والي -

بخار - بخار آنا - بخاري -

بد بدخو - بدذات بدر - بدشگلي - بدکار - بدکاري - بدلي - بدلي کا کھلنا - بدن ملنا - بده - بدھیا -

برا - برآمده - برانا - برآورد - برابر - برابري کرنا - برادہ - برائی - بربري خانه - برتن - برچھا - برچھي - برداشت کرنا - برسات -

بڑھتی بہت - بوطرف کرنا - برف - برف والا - برفی - برقع - برقع اٹھانا - برقع ڈالنا - برکت ہونا - برگد - برما - برمانا - برن - برتنا - برلی —
برواهی - بروتھا - برھا — بری —
بڑ - بڑا چھوٹا - بڑائی - بڑائی مارنا - بڑائی مارنے والا - بڑ بڑانا - بڑا چلنے والا - بڑبھس — بڑنکا — بڑھانا — بڑھنا - بڑھونڈا - بڑھئی - بڑھیا -
بڑا —
بس - بساطی - بسانا - بساھند - بساندھ - بسنا -
بسنی - بسورنا - بسولا - بسولی - بسیرا -
بطانہ - بطخ -
بغبغا - بغرا - بغل - بغلگیر ہونا - بغل میں داب لینا - بغلیں بجانا -
بفا -
بقچہ -
بکرا - بکری - بکری کا بچہ - بکل - بکل چھیلنا -
بکواس - بکواسن - بکھیرنا - بکھیڑا - بکی - بکیلی -
بگڑنا - بگلا - بگولہ - بگھار - بگھیلا -
بل - بل - بلا - بلا - بلاق - بلائیں لینا - بلبل -
بلبلانا - بلبل چشم - بلبلہ - بلی - بلی - بلی لوٹن -
بلا - بلاوت - بلاوت - بلجر - بلدر والا - بلدریا - بلدوق -
بلدھوا - بلدیخانہ - بلدیخانہ میں کرنا - بلسلوچن - بلسی -
بلسلوچن - بن مانس - بنفشہ - بنولا - بنیا -
بوائی - بوبک - بوتہ - بوٹی - بوجھہ - بوجھہ - بوجھل - بوچھار -
بور - بورا - بورانی - بوڑھا - بوزہ - بول - بولی - بونا - برنا - بوند - بوند بھر پانی - بوندی -
بھاپ - بھابھی - بھات - بھاتی و بھٹی - بھات - بھاتا - بھاجی -
بھارنا - بھاری - بھاگنا - بھال - بھالا - بھالا مارنا - بھانت بھانت -

بھانجا - بھانجی - بھانگ - بھان متی - بھاوج - بھانا -
بھانا کرنا - بھاؤ - بھائی - بھپارا - بھٹ - بھٹار - بھٹکھجا - بھٹ -
بھٹلی - بھٹی - بھٹیارہ - بھچک - بھرا - بھرانا - بھرتی - بھرتی -
بھر دینا - بھر لینا - بھرم - بھروبھا - بھروسا - بھری - بھڑ - بھڑ بھونجا -
بھڑکانا - بھڑوا - بھس - بھشتی - بھکھاری - بھکلونا - بھکوڑا - بھل -
بھلا - بھلاوان - بھلا دینا - بھلائی - بھلائی - بھلکڑ - بھلے - بھلبھلانا -
بھلبھوری - بھلتی - بھلکا - بھلکا - بھلکوڑا - بھلکی - بھلکی -
بھلوئی - بھلی - بھو - بھوسی - بھوبھل - بھوک - بھوکا - بھوکی -
بھول جانا - بھولا بسرا - بھونا - بھونکانا - بھونکنا - بھونچال - بھونرا -
بھونری - بھونے گیہوں - بھی نہیں - بھیجا ھوا - بھید - بھیدی -
بھیرن - بھیڑ - بھیڑا - بھیڑ کا بچہ - بھیڑی - بھیڑیا - بھیڑنی -
بھیک - بھیک کا ٹکڑا - بھیک منگا - بھیگنا - بھیلس - بھیلسا -

بھا - بھاج - بھاج خور - بےادب - بےادبی کرنا - بھاجی - بھانا -
بھاہ - بھباری - بھٹ - بھٹا - بھٹھلا - بھٹی - بھیم - بیچ - بیچوں بیچ
بھچھا - بھچھائی - بھر - بھری بھر بھوتی - بھڑا - بھڑی - بھڑی -
بیکار - بیکاری - بھل - بھل - بیلچہ - بھلن - بیمار داری -
بے محاسبہ - بلیوٹ - بھندا - بھن - بھونکنا - بھلکن - بھن ھتھا -
بھلی - بے وقوف - بھیڑ -

(پ)

پات (کپڑ) - پات (چکی) - پاتا - پاتنا - پاتھا پاجی - پاخانہ -
پاد - پادری - پادنا - پارا - پار سال - پارھہ پاسنگ - پاسی -
پاس پاس کرنا - پاکدامن - پال - پال - پال - پالا - پالان
پالان باندھنا - پالک - پالک - پالنا - پالنا - پا دز - پاکھر پاموز -
پانچ - پانچواں - پانت پانس - پاسہ ڈالنا - پانسا - پانسا پھینکنا -
پانی - پانی بھر آنا (منہ میں - پانی پینا - پانی پانی ھونا - پائنچہ -
پائنچے چڑھانا - پانی سوکھہ جانا زمین میں - پانی گرانا - پاؤں -
پاؤں پڑنا - پاؤں دھلانا - پاؤں چلنا - پاؤں چپی کرنا - پاؤں

دابنا - پاؤں سو جانا - پائے - پائے تخت - پائے تراب (هلدی بهلگرا) - پائے جامه - پائل - پپهاله - پپهانه - پپوٹا - پپڑی ۔

پت - پتا - پتا - پت جهاڑ - پتر - پترا - پتلا - پتلا - پتلی - پتلی کا سانگ - پتنا - پتنگ - پتنگا - پتوار - پتواس - پتهر - پتهراؤ - پتهری - پتی - پتیلا ۔

پٹا - پٹارا - پٹاری - پٹ پڑ - پٹخنا - پٹرا - پٹکنا - پٹوا - پٹها - پٹی - پٹیلا ۔

پچاوه - پچورا - (تصغیر پاجی)

پچانا - پچه - پچر لگانا - پچکاری - پچلونا - پچهاڑی - پچهاڑیں کهانا - پچهان و پچهم - پچهلے پاؤں پهرنا - پچهلا - پچهلے دیدا - پچهڑا - پچهوڑنا - پچهوڑن - پچهتاؤ ۔

پدانا - پربال - پر جهاڑنا - پرچهی - پردادا - پر دادی - پرده - پرده اٹهانا - پرده ڈالنا - پردے کی بی بی - پردیس - پردیسی - پرس - پرسا - پرسوں - پرسوں کی رات - پرسه - پرکٹ - پر کترنا - پرکهنا - پرکها - پرکهیری - پرکهری لگانا - پرگنه - پرمٹ - پرمهو - پرنالا - پرنالی - پرنانا - پرنده - پر نوچنا - پرداز - پروانه - پروائی - پرونا - پره - پره باندهنا - پرهیز کرانا - پرهیزی کهانا - پری ۔

پڑاؤ - پڑاؤ مارنا - پڑوس - پڑوسن - پڑوسی - پڑهانا - پڑهنا - پڑیا ۔

پژاوه ۔

پسائی - پسته - پسلی - پسلهارا - پسلهاری - پستو - پسینه - پسهو ۔

پشتاره - پشت خار - پشتک مارنا - پشته - پشتی بان - پشتهلوں سے - پشیمان - پشیمان هونا ۔

پکا - پکانا - پکنا - پکار کے کهنا - پکهیرو ۔

پگڑی - پگڑی باندهنا ۔

پل - پل - پلا - پلا - پل پڑنا - پلپلانا - پلک لگنا - پلک مارنا - پلنگ - پائگوں - پلیتھن لگانا - پلٹنی - پلٹھ - پلجھڑا - پلجھڑی - پلچھہ - پلچھہ کرنا - پلچھہ لے جانا - پلچھ - (پلچھا یا پانچھا) پلچائت - پلچکی - پلچھور - پن ڈبی - پلنگڑی - پلنگ کھجور - پلساری - پلکھا - پلہر - پتھر والا - بوپلا - پوپلی - پو پھٹنا - پوتا - پوتا - پوتی - پوتا - پوت - پوتلی - پوجا - پودھا - پودینہ - پور - پورا - پورا بات - پورا تولنا - پورب - پورا - پوری - پوسالا - پوست - پولا - پولاد - پولی - پونچی - پونچھنا - پوتی - پوٹی کرنا - پونی - پونہوں جانا -

پھاٹک - پھوار - پھار - پھاڑنا - پھاڑی - پھال - پھاندنا - پھاندی - پھانسی - پھانک - پھانکنا - پھاوڑا - پھاوڑی - پھپھولدی - پھپھوندی لگنا - پھپھولا - پھوپھی - پھٹ - پھٹ - پھٹ پھٹ - پھٹکارنا - پھٹکری - پھٹکن - پھٹکنا - پھٹکی - پھٹکی - پھٹنا ترقنا - پھٹیل - پچھاڑا - پھر - پھر - پھرکی - پھڑکنا - پھڑنا - پھرہرا - پھریری - پھریری لینا - پھڑکنا - پھڑیا - پھسلانا - پھسلانا - پھسلن - پھسلنا - پھسلنی جگہ - پھسنا - پھکنا - پھکنا - پھکنی - پھل - پھل - پھلا - پھلا پھل - پھلجھڑی - پھل کھانا - پھل لگنا - پھلو - پھلواری - پھلی - پھلی پڑنا آنکھ میں پھن - پھلچا - پھلچنا - پھنچانا - پھنچی - پھنسی - پھنکار - پھنکی - پھنگی - پھنی - پھلنگ - پھوٹ - پھوٹ بہنا - پھوٹ بہنا - پھوٹنا - پھوٹ ڈالنا پھوڑا - پھوسڑا - پھوسی - پھوک - پھول - پھولنا - پھونک - پھونکنا - پھوہڑ - پھپھوڑا - پھیر دینا - پھیر لانا - پھیر لینا - پھیکا - پھیلانا - پھیلاؤ - پھیلنا - پھیلای - پھیپن - پھینک دینا -

پیادہ - پیار - پیار - پیاس - پیاسا - پیاسی - پیالہ - پیالی - پیپ - پیپل - پیپلا - پیپلا مول - پیتل - پیٹ - پیٹ پھاڑنا - پیٹ چلنا - پیٹ رہنا - پیٹ گرانا - پیٹ گرنا - پیٹو - پیٹھ - پیٹھ

پیچھے پڑا کھیلنا - پیٹھ لگنا - پیٹھ لگانا - پیچ - پیچوش - پیچھے کو پھرنا - پھر چھوٹنا و کھلنا - پیر - پیڑہ - پیراک - پیڑو - پوسہ - پیسنا - پوشاب - پوشاب باد ہو جانا - پوش ذمہ - پوش کار - پوشگی - پوشوائی - پیغام - پیغام پہنچانا - پیغام بھیجنا - پیغام لے آنا - پیغام لے جانے والا پیغام لے جانا - پوک - پوک - پوک دان - پیلا — پیلھر - پیمان - پیمان توڑنا - پیمانہ - پینا - پینٹھ پینڈا - پینگ - پیوری - پیوسی - پیوند - پیوند لگانا - پیوندی -

[ت]

تاب تلی - تانبا تانچ - تاج (مرغ) - تاج رکھنا - تارہ - تارہ (قائم) - تارہ (چلتا) - تارہ (سوم) - تارہ (بدہ) - تارہ شکر سوکھ - تارہ (ودتی) - تارہ (سورج) آ تارہ (منگل) - تارہ (برھسپت) - تارہ (سنیچر) - تاڑنا - تازہ - تافتہ - تاک - تاک میں رہنا - تاکنا - تاگا - تال - تال - تالا - تار - تالو - تالو اٹھانا - تالی بجانا - تانبا - تانت - تانہ - تلنا - تاوان -

تبر -

تپ - تپ دق - تپاک - تپش - تپک -

تکو بکو - تکلانا - تکلی - تکلی -

تج - تجاری -

تخت - تختہ - تختی - تخمینا -

تر - ترازو - ترازو قاب - ترائی - تربوز - ترت - ترش رو - ترخنا - ترکش - ترکش اونگھنا - ترکی تمام ہونا - ترمکی - ترنج - ترنی - ترپز -

تڑپنا - تڑکا - تڑیوا -

تسمہ -

تعبیز - تعویذ -

تغاری -

تفنگ -

ٹک - ٹک ٹک - ٹکٹکی - ٹکلا - ٹکمہ - ٹکہ - ٹکہ - ٹکہ پارہ - ٹکیلے - ٹکیہ - پا ٹکیہ - ٹکیہ کلام - ٹکیہ لگا دینا -

ٹل - ٹلاش - ٹلاشی - ٹلچھٹ - ٹلک - ٹلوا - ٹلوار - ٹلوار پر ہاتھ رکھنا - ٹلوار کھینچنا - ٹلوار ملنا - ٹلوار میان میں کرنا - ٹلی -

ٹماشا - ٹماشا دکھانا - ٹماشا دیکھنا - ٹماش بین - ٹماشائی کی جگہ - ٹماکو - ٹمسک - ٹمیز - ٹمباکو - ٹمبو - ٹنبورا - ٹنخواہ - ٹندور گرم کرنا - ٹندھی - ٹنگ - ٹنگ ہونا - نوا - ٹوباہ - ٹوبڑھ - ٹوبہ - ٹوبہ توڑنا - ٹوبہ کرانا - ٹوبہ کرنا - ٹوپ - ٹوپ پر رکھنا - ٹوپ چلانا - ٹوپ ڈھالنا - ٹوت - ٹوتلا - ٹوتا - ٹوڑ - ٹوڑا - ٹوڑنا - ٹوشک - ٹول - ٹولنا - ٹومڑی ٹونبا - ٹوملا - ٹوندی - ٹوندیلا -

ٹھالا - ٹھان - ٹھان کا ٹرا - ٹھان میں آنا - ٹھانگی - ٹھاہ - ٹھپڑ مارنا - ٹھپکنا - ٹھٹکارنا - تہ خانہ - تہ کرنا - ٹھکنا — ٹھکاسا — ٹھل - ٹھکھلانا - ٹھمنا - ٹھمت لگانا - ٹھن - ٹھن ٹنا - ٹھنال - تہ نشاں - ٹھوٹھلی ٹھوڑا - ٹھوڑا ٹھوڑا ادا کرنا - ٹھوڑی - ٹھوک - ٹھوکنا - ٹھوک نکلنا - ٹھونی - ٹھوار — ٹھوی ٹھیلا - ٹھیلی -

ٹھچی - ٹھٹر - ٹھر - ٹھر انداز - ٹھر بھٹکنا - ٹھر کمان میں رکھنا - ٹھر لگنا - ٹھر مارنا - ٹھری قسم و ٹھری جان کی قسم - ٹھرے منھہ میں خاک - ٹیز پات - ٹھغا - ٹیل - ٹھل کا برتن - ٹھل لگانا - ٹیل نکالنا - ٹھاي - ٹھمم کرنا - ٹي ٹي - ٹھور - ٹھوری چڑھانا -

ٹاپ - ٹاپو - ٹالنا - ٹاکنا - ٹانکے - ٹانکے لگانا - ٹانگ - ٹانگ اٹھاکے کٹے کا موتنا - ٹانگنا -

ٹپکنا - ٹپہ ڈالنا -

ٹٹ پونجیا - ٹٹخارنا - ٹٹو - ٹٹولنا - ٹٹی -

ٹٹھنا —

ٹڈی —

ٹسر —

ٹک - ٹکا - ٹکٹکی لگنا - ٹکر مارنا - ٹکڑا - ٹکڑے ٹکڑے کرنا - ٹکسال - ٹکسال باہر -

ٹلنا - ٹلڈ - ٹلہاہا - ٹلہائی -

ٹوپ - ٹوپی - ٹوٹ پڑنا - ٹوکرا - ٹولا - ٹونا - ٹونٹی - ٹوٹے اولنا -

ٹھاٹھ - ٹھٹھا - ٹٹھا کرنا - ٹٹھرنا - ٹھٹول - ٹھٹھہرا - ٹھٹی - ٹھٹی کا گڑھا - ٹھٹی ہاتھ پر ٹھکنا - ٹھہر - ٹھہرنا - ٹھسکی - ٹھکانا - ٹھگ - ٹھلہا - ٹھمکا - ٹھمکی - ٹھنا - ٹھاڈا - ٹھگنا - ٹھڈکنا - ٹھلی - ٹھوس - ٹھوکر - ٹھوکر کھانا - ٹھوکر مارنا - ٹھونسنا - ٹھونٹھ - ٹھونکنا - ٹھیک - ٹھیک بنانا - ٹھیکری -

ٹیپ ٹاپ - ٹیس - ٹیڑھا - ٹیڑھا کرنا - ٹیڑھا ہونا - ٹڑھے منہا ٹیکا - ٹیکنا - ٹیلا - ٹیم -

[ج]

جاٹ - جازم - جاگنا - جاگتے رہنا - جاگنا - جاگیر - جاگیردینا - جال - جالا - جال لگانا - جال میں پھنسنا - جالی - جامہ وانی - جان - جانچنا - جانگہ - جانگیا - جانور - جاوں - جاھی جوھی - جائیھل - جائے ضرور - جبدا - جبرا -

جٹانا - جٹن - جٹھا - جٹی -

جٹا دھاری - جٹنا -

جدول -

جریب -

جڑ - جڑا - جڑاؤ - جڑ پکڑنا - جڑ سے کھودنا - جڑنا - جڑوان -

جز - جز دان - جز کشی کرنا - جز بندی -

جست - جستجو -

جفت - جفتي كرنا - جكڑنا -

جگ - جگ - جگادري جگالى - جگالي كرنا - جگانا - جگمت - جگمت گرو - جگرا - جگنو - جلاب - جلاد - جلانا - جلاهه - جلد باندهنا - جلدي - جلدي كا مارا - جلق مارنا - جلسانس - جلنا - جللدهر - جلي - جلے پانوں كي بلى -

جمادى الاول و جمادي الثانى - جمال گوٹا - جماهى - جماهى لينا - جمعدار - جمعه جمنا - جموكه -

جلار - جلازه - جلكري - جلكى جرمد - جلكل - جلم - جلم پتوا - جلم لينا - جلهو -

جو - جوا - جوا - جوار - جوار - جواب آنا - جواب دينا - جواري - جوا كهيلنا - جوان - جوانا مرگ مرنا - جواني - جوبن - جوبن كا ماتا - جوبن كي ماتي - جوبن كا نكالنا - جوتري - جوتس - جوتكي - جوتنا - جوتى - جوتى پهننا - جوتي پهنانا - جوتے ٹانكنا و گانٹهنا - جوتى مارنا - جورو - جوڑا - جوڑ - جوڑا - جوڑنا - جوڑي - جوڑي آنا - جوهى مين آنا - جوكهم - جوں - جوں پڑنا - جوں دكهانا - جونك - جونك لگانا - جوں مارنا - جوهر - جوهر كرنا - جوهي -

جهاز - جهاز - جهاڑا لينا - جهاڑ جهنكڑ - جهاڑن - جهاڑنا - جهاڑو - جهاڑو - جهاڑو دينا - جهاڑي - جهاز - جهالا - جهالر - جهانت جهانٹيں مونڈنا - جانجهه - جهانكنا - جهانوان - جهاؤ - جهالهن - جهبا - جهپ - جهپاک سے لے بهاگنا - جهپٹ - جهوٹنا - جهپكنا - جهمك پٹنا - جهٹالنا جهٹكنا - جهڑو - جهڑ بهر -

جھرجھرا ـ جھر جھری - جھرنا - جھروکا - جھری - جھڑ -
جھڑکی - جھڑکی دینا - جھڑنا - جھڑی - جھکانا - جھکڑ ـ جھکنا -
جھکڑا - جھگڑالو - جھگڑے والا - جھک مارنا ـ جھکورا ـ جھلانا -
جھلی - جھمکا - جھمکا - جھمکڑا - جھلانا - جھنجھلانا - جھنجھنا -
جھنڈ - جھنکار - جھوٹھ - جھوٹا - جھوٹھ بنانا - جھوٹھ لگانا - جھوٹھن -
جھول - جھولا - جھولنا - جھولی - جھومر - جھونپڑا - جھونکا - جھونک -
جھونکنا - جھیل - جھملکو -

جی - جی - جی - جی - جیبھ - جیبھ نکالنا - جیبھ نکلنا -
جیتا - جی جی - جی میں آنا -

چاپلوسی - چاٹنا - چادر - چادر اوڑھنا - چار - چار آٹھ -
چارپائی - چار جامہ ـ چار خانہ - چار زانو بیٹھنا ـ چارہ - چاق -
چالو - چاک ـ چاک - چاکر ـ چاکری - چال ـ چالاک - چالیس -
چاند - چاند دیکھنا ـ چاند کا ٹکڑا ـ چاند رات - چاند گہن - چاندنی -
چاندنی رات - چاندی - چاول یا چانول - چاہ - چاے
چبانا - چبوترہ -

چُپ - چپاتی - چپت باز - چپٹی - چپٹی لڑنا -
چوٹھا - چوٹھا کرنا - چپٹھی ناک - چپڑا - چُپ رہنا -
چپچپا - چپچپاہٹ - چپڑی - چُپکا - چپکا کرنا - چپکانا - چپکن -
چپکنا - چپکے کہنا - چپلی -

چت - چت پڑنا - چترا - چتلا -

چٹالنا - چٹا - چٹان - چٹائی ـ چٹ پٹ - چٹپٹا - چٹخارنا ـ
چٹکانا و چٹخانہ - چٹکی - چٹکی - چٹکی بجانا - چٹکی بھر -

چٹکی بھر لینا ۔ چٹکی سے مل مل دھونا ۔ چٹکی لینا ۔ چٹلا ۔
چٹلی ۔ چٹنی ۔ چٹھا ۔ چچا ۔ چچڑی ۔ چخو ۔ چڑھا ۔ چراغ ۔
چراغ پا ہونا ۔ چراغ جلنا ۔ چراغ جلانا چراغدان ۔ چراغ گل کرنا ۔
چراغ گل ہونا ۔ چراغ گل ہوا چاہتا ہے چراغ میں تیل ڈالنا ۔ چراغی ۔
چرانا ۔ چُرانا ۔ چرانده و چراینده ۔ چربہ ۔ چربی ۔ چرچا ۔ چرخه ۔
چرخا کاتنا ۔ چرخی ۔ چرس ۔ چرسا ۔ چرنا ۔ چرند ۔ چرنے کے لئے
چھوڑنا ۔ چرواھا ۔ چرونجی ۔ چڑانا ۔ چڑ چٹا ۔ چڑ چڑا ۔ چڑھانا ۔
چڑھائی ۔ چڑھنا ۔ چڑیا ۔ چڑیل ۔ چڑیمار ۔ چسکہ ۔ چشمہ ۔ چمن ۔
چغل خور ۔ چغلی ۔ چقماق ۔ چقماق جھاڑنا ۔ چُقندر ۔

چُک ۔ چکا ۔ چکا چوند لگنا ۔ چُکانا ۔ چُکٹی ۔ چُکتنا ۔
چکھانا ۔ چکر ۔ چکلا ۔ چکن ۔ چکنا ۔ چکنا ۔ چکنا چور ۔ چکنائی ۔
چکلیا ۔ چکنی مٹی ۔ چکوا ۔ چکوتا ۔ چکور ۔ چکور کا بچا ۔ چکوی ۔
چکھانا ۔ چکھنا ۔ چکھہ جانا ۔ چکٹی ۔ چکی ۔ چکی بنانے والا ۔
چکی رہا ۔ چکی رہنا ۔ چکی کا پاٹ ۔ چکی کا کھونٹا ۔ چکی کی
کھونٹی ۔ چگنا ۔ چل ۔ چلانا ۔ چام ۔ چلمچی ۔ چامن ۔ چلنا ۔ چلو ۔
چلنا پھرنا ۔ چلون ۔ چلہ ۔

چمار ۔ چمتا ۔ چمتنا ۔ چمچہ ۔ چمر بدھی ۔ چمڑا ۔ کا چمڑا
اتارنا ۔ چمک ۔ چمکنا ۔ چمکادڑ ۔ چموٹی ۔

چلنا ۔ چلا ہوا ۔ چنار ۔ چنبیلی ۔ چنختی ۔ چندا ۔
چندن ۔ چندھا ۔ چنڈال ۔ چنڈاول ۔ چنڈول ۔ چنگ ۔ چنگاری ۔
چنگا ہونا ۔ چنگھاڑ ۔

چو بلدی باندھنا ۔ چوبا ۔ چوبائی چوپایا ۔ چوبدار ۔ چوپڑ ۔
چوپڑ بازار ۔ چوس ۔ چوتو ۔ چوٹ ۔ چوٹ کرنا ۔ چوٹی ۔ چوچی ۔ چودہ ۔
چودھویں رات ۔ چور ۔ چور ۔ چورانا ۔ چوری ۔ چوری سے رکھنا ۔

چوری سے دیکھنا - چوری کا مال - چوڑا - چوڑانا - چوڑائی - چونچ -
مارنا - چونکنا - چڑھا - چوہٹا چوہڑی - چڑیا - چھاپنا - چھاپا
مارنا - چھاتا - چھاتی - چاڑی - چوزہ - چوسنا - چوک - چوکا -
چوکری بھرنا - چوکنا - چوکھٹ - چوکھٹ بازو - چوکی - چوکیدار -
چوکی دینا - چوگان - چول - چولہا - چوما - چومنا - چوموجا کرنا -
چونا - چھاتی سے لگانا - چھاتی کا پتھر - چھاج - چھاچھ چھوارا -
چھاگل - چھال - چھالا - چھالا پڑنا - چھانٹن - چھاننا - چھانوں -
چھب - چھ بچے - چھپرا - چھپری - چھپانا - چھپٹی - چھپر -
چھپکلی - چھپکے نکلنا - چھت - چھتا - چھت پاٹنا - چھت چھونا -
چھتر - چھتری - چھٹکنا - چھٹکانا - چھٹی کا کھانا - چھٹی - چھچھا -
چھچھا - چھچھورا - چھچھوندر - چھچھوندر چھوڑنا - چھچھے -
چھڑا - چھڑانا - چھڑوانا - چھڑکنا - چھڑکنا - چھڑنا - چھڑہ -
چھڑھرا - چھڑو - چھڑو - چھڑی - چھری مارنا - چھکا چھکنا -
چھک جانا - چھکڑ - چھکڑا - چھل بل - چھلاک - چھلکنا ہوا - چھلکنا -
چھلنی - چھلاوری - چھلا - چھلا پہلنا - چھلا چھبیول - چھلنا - چھلال -
چھلکا - چھلکانا - چھلکلیا - چھوٹنا - چھوڑنا - چھوکرا - چھونچھی -
چھپا - چھب - چھبچبانا - چھبچھڑا - چھبدی - چھند - چھبونا -
چھلا ہوا - چھبان - چھلانا - چھپکا چھبیلی - چھبیلت - چھپٹنا
پڑنا - چھپٹتا دینا - چھنکنا - چھنکنا - چھن لینا - چھبیلی -
چھال - چھپر - چھت - چھنا - چھچھڑے - چھچھوک - چھچھک رو -
چھنچ - چھپرا اتارنا - چھرنا - چھرہ - چھرا بلند - چھل - چھلا - چھن -
چھن - چھن چھن - چھلی چھوالی - چھونٹا - چھونٹی - چھیکا -

خاصہ - خاطر خواہ - خاک تودہ - خاکروب - خاکشی - خاکیسہ -

[خ]

دالی - خانساماں - خانہ باغ - خانۂ داماد - خاوند -
خمیر -

خدا اٹھالے - خدا سے کام پڑنا - خدا لگتی کہنا - خراٹے - خراد -
خرادی - خربوزہ - خرچ - خرچ بالائی - خرچی - خرچی - خرفہ -
خرگوش -

خزانچی - خزانہ -
خشک - خشکا - خشکی -
خضاب - خضاب لگانا -
خط - خط لکھنا -
خلال - خلال کرنا —
خم ٹھوکنا - خمر — خمیرا - خمیر اٹھنا - خمیر کھٹا ہونا -
خمیر رکھنا - خمیرہ — خمیری روٹی -

خلنجری -
خواب — خوان — خواجہ سرا - خوانچہ — خواہ مخواہ -
خوجا — خوبانی — خود - خود پسند - خود غرض - خوشامد -
خوشبو — خوش خبری - خوش خبری دینا - خوش خوراک —
خوش غلاف — خوشہ خوشی — خوگر — خوگیر — خون — خون
بہا — خون بوٹھنا - خون سفید ہونا - خون کا پیاسا — خون کا
چاہنے والا — خون کا عوض — خون کا عوض خون کا عوض چاہنا -
خون کا عوض لینا — خون اہلنا خونیں - خوی - خو چھوڑنا - خوگر
کرنا - خوگر ہونا - خوید -

(د)

دابنا - دابا - دادا - داد پانا - داد دینا - داماد - داددی -
دارالشفاء - دارو - داروغہ - داروغہ توپخانہ - داروغہ دیوانخانہ -
دالخانہ - دامن - دان - دانا بدلنا - دانا پانی - دانا پڑنا - دانت -
دانت اکھاڑنا - دانت اکھاڑنے والا - دانت بیٹھنا - دانت پیسنا -
دانت سے کاٹنا - دانت سے کاٹ کھانا - دانت کٹکٹانا - دانت کرانا -
دانت کو کوانا دانت کھٹے ہونا - دانت نکالنا - دانت نکوسنا -
دادا - داہنا ہاتھ - داہی - دائی - دائی جنائی - داونا - دبانا -
دبا مارنا - دبدبہ - دبکر - دبلا - دبلاپا - دبھا سوا - دبے پاؤں چلنا -

دت ـ دودت ـ دتکارنا - دتون -

ددا - ددھي ـ

در - دربار - دربان ـ درخت دردرا ـ درد جگر کا ـ درز - درزی - درماهه ـ دروازه - دروازہ بند کرنا - دروازہ بھیڑ دینا ـ دروازہ ٹھوکنا - دروازہ کھولنا - دریا ـ دریچی -

دراڑ ـ دڑبا -

دس - دسمعی آویز - دست پناه - دستر خوان - دست فروش - دستک - دستک دینا - دستکو داں - دستگر داں دینا - دستہ - دسواں -

دشمن - دشمن جاني ـ دشمن دلي ـ دشمني - دشمني دلی -

دعا دینا - دعوتي -

دغا ـ دغاباز ـ دغا کھانا - دغدغہ -

دوکتي -

دکھ - دکھ دینا - دکھنا ـ دکھائي ـ دکھیا -

دل - دل ـ دلاسا - دلاسا دینا - دلال - دلالی - دلدل - دل کسي چیز پر لگانا ـ دل کے پھپھولے توڑنا - دل لگی - دل میں کھٹنا - دلھن - دلیٹي -

دم ـ دم آنا - دم پر دم - دمچي - دم دبانا ـ دم دینا - دمڑی دمڑا - دم رکنا ـ دم سادھنا - دم طمانچہ ـ دمک - دمکنا - دم کھانا - دم گڑا - دم لینا - دم میں آنا - دم ھلانا -

دن - دنبالہ - دنبل ـ دنبہ ـ دندانہ ـ دنگا - دنگ و دوال - دنگئي - دنوندی - دنیا - دوات ـ دوات چلاني - دوا دوش - دوالا نکالنا - دوب - دوبدو ـ دوپھر - دوپہر کو اترنا ـ دوپہر ڈھلنا - دوپہر کو چلنا ـ دوپہر کو سونا ـ دودلا - دودھ - دودھ اترنا - دودھ پلانا - دودھ پلائی - دودھ پھاڑنا ـ دودھ پیتا لڑکا - دودھ پینا - دودھ چھڑانا - دودھارا - دودھاري - دودھ کے دانت ـ دودھیل - دوراهہ - دور ـ دور - دور دور فلانے کا ـ دوڑ مارنا ـ دور بھوں - دور کي هانکنا - دوڑانا - دوڑنا - دوڑنا

دھوپلا - دوزخ - دوست - دوست دلی - دوشالہ - دوغلا - دوغلی - دوکان - دوکان بڑھانا - دوکان کھولنا - دو اٹھانا - دولتی - دولتمند - دولتی مارنا - دولتی مارنا - دولھا - دو منزلہ - دونا - دونا دون - دونا مرنا - دوہائی - دوہائی دینا - دو ہتڑ تلوار مارنا - دو ہتڑ مارنا - دوہرا - دھات - دھار - دھاک - دھارا - دھان - دھانہ - دھبا - دھپ - دھتورا - دھجی - دھرا - دھرا - دھرانا - دھرانا - دھتی کا پھول - دھرم - دھون - دھونا - دھڑ - دھڑکا - دھڑوال - دھڑ دھڑ - دھڑی بات - دھلسا - دھلکا - دھما دینا - دھکا دینا - دھکا لگنا - دھکیانا - دھماکا - دھمک - دھمکانا - دھمکی - دھندھا - دھنک - دھنکنی - دھنکنا - دھنکی - دھنکی - دھنکی دینی - دھنی - دھنیلی - دھنیا - دھنیا - دھواں - دھواں سا - دھواں سا ہونا - دھوبن - دھوبی - دھوپ - دھوپ دکھانا - دھوپ اٹھانا - دھوکا - دھوکا دینا - دھودکنا - دھودکنی - دھول - دھول اڑانا - دھول کھانا - دھول مارنا - دھول میں اٹلنا - دھونا - دھونسا - دھونی - دھونی دینا - دھووں - دھویا - دھی - دھیان - دھی جمانا - دہی جمانا - دھیرا - دھیمنی -

دیا - دیا سلائی - دیانت - دیپ - دیدار - دیدہ - دیر - دیر کرنا - دیسی - دیمر - دیکھنا - دیگ - دیگچی - دیمک - دیدالعا - دینا - دیو - دیوار - دیوار اٹھانا - دیوار بھی کان رکھتی ہے - دیوار پر چڑھنا - دیوار کرنا - دیوار گرانا - دیوت - دیور - دیہاتی - دیوتا -

(ڈ)

ڈاب - ڈاڑھی - ڈاڑھی دھوپ میں سفید کرنا - ڈاک - ڈاکا - ڈاک چوکی - ڈاکو - ڈال - ڈالنا - ڈالی - ڈانٹنا - ڈانٹ - ڈانڈا - ڈانڈ دینا - ڈانڈ ابرا - ڈانس - ڈانک - ڈانواں ڈول - ڈاہ - ڈائن -

ڈب - ڈبا - ڈبانا - ڈبڈبانا - ڈبہ - ڈبکی - ڈبکی دینا - ڈبکی کھانا - ڈبکی مارنا - ڈبونا -

ڈپٹنا - ڈپٹار -

ڈر - ڈرانا - ڈرا ہوا - ڈرنا -

(باقی آئندہ)

هندستاني اکیڈمي صوبۂ متحدہ کے مقاصد

۱—اُردو اور هندي ادب کی حفاظت اور اُنکي ترقي اور نشو و نما کي کوشش کرنا ۔

(الف)—مختلف مضامین کي مطبوعات میں سے منظور شدہ کتابوں پر انعام دینا ۔

(ب)—معاوضہ وغیرہ کے ذریعہ غیر زبان کی کتابوں کے ترجمے کرانا اور اُن کو شایع کرنا ۔

(ج)—یونیورسٹیوں اور علمي اداروں میں وظائف دے کر یا دوسرے ذرایع سے هندي اور اُردو زبانوں میں تصنیف یا ترجمے کے کاموں کي حوصلہ افزائي کرنا ۔

(د)— اکیڈمي کے محسنوں کو اعزازی فیلو منتخب کرنا ۔

(ہ)—ایک کتب خانہ قائم کرنا اور اُس کا انتظام رکھنا ۔

(و)—مشہور ارباب علم و فضل کو علمي مقالات کے لئے مدعو کرنا ۔

اسوسی ایٹ ممبروں کے لئے خاص مراعات ۔

رکن رفیق (اسوسي ایٹ ممبر) بننے کے لئے سالانہ چندہ تین روپئے دینا پڑتا ھے ۔ قواعد کی رو سے ایسے ممبروں کو خاص رعایتیں حاصل ھیں ۔ اول تو اُنھیں اکیڈمی کا رسالہ هندستاني (اردو یا هندي اڈیشن) بلا قیمت ملے گا اور اکیڈمي کي دوسري مطبوعات بھي خاص رعایتي قیمتوں پر ملیں گي ۔ پھر انھیں کونسل کے جلسوں میں شریک ہونے کا بھی حق حاصل هوگا (لیکن وہ جلسے میں ووٹ دینے اور تقریر کرنے کے مجاز نہ هوں گے) اور انھیں یہ بھي حق هوگا کہ وہ کونسل کي پوري ممبري کے انتخاب کے لئے اسوسی ایٹ ممبروں کے حلقوں سے کھڑے هوں ۔

ممبري کا فارم دفتر هندستاني اکیڈمي سے مل سکتا ھے

ہندستانی اکیڈیمی (صوبہ متحدہ) الہ آباد کی چند مطبوعات

۱—ازمنۂ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات - از علامہ عبداللہ بن یوسف علی ' مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ -

۲—اُردو سروے رپورٹ —از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب ام-اے ایک روپیہ -

۳—عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی - ۴ روپیہ -

۴—فریب عمل (ڈراما) مترجمۂ بابو جگت موہن لال صاحب رواں - ۲ روپیہ -

۵—کبیر صاحب - مرتبۂ پنڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -

۶—ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی -

۷—عالم حیوانی - از بابو برجموہن بہادر ' بی - اے ' ایل ایل - بی - ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۸—معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین ، ایم - اے ' پی - ایچ - ڈی - مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۱ روپیہ -

۹—فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۰—جواہر سخن - جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹی - قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ -

۱۱—انقلاب روس - از کشن پرشاد کول - ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ - قیمت مجلد ۳ روپیہ غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۱۲—چند دکھنی پہیلیاں - از محمد نعیم الرحمان ' ایم - اے ' استاد عربی و فارسی ، الہ آباد یونیورسٹی - قیمت ۱ روپیہ ۴ آنہ -

۱۳—تاریخ فلسفۂ سیاسیات - از محمد مجیب ' بی - اے (آکسن) جامعہ ملیہ اسلامیہ - دہلی - قیمت مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۳ روپیہ -

مکمل فہرست دفتر سے طلب فرمائیے -

پرنٹر—ظہور حسین - کراؤن پریس الہ آباد - پبلشر—ڈاکٹر ام - حفیظ سید
ہندستانی اکیڈمی - الہ آباد

ہندستانی

ہندستانی اکیڈمی کا تماہی رسالہ

جولائی ۱۹۴۴

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

سالانہ چندہ چار روپیہ

ہندستانی' جولائی' ۱۹۳۴

اڈیٹر : محمد اجمل خان

فہرست مضامین

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ کے مقاصد

۱—اردو اور ہندی ادب کی حفاظت اور ان کی ترقی اور نشو و نما کی کوشش کرنا۔

(الف)—مختلف مضامین کی مطبوعات میں سے منظور شدہ کتابوں پر انعام دینا۔

(ب)—معاوضہ وغیرہ کے ذریعے غیر زبان کی کتابوں کے ترجمے کرانا اور ان کو شائع کرنا۔

(ج)—یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں وظائف دے کر یا دوسرے ذرایع سے ہندی اور اردو زبانوں میں تصنیف یا ترجمے کے کاموں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

(د)—اکیڈمی کے ممبروں کو اعزازی فیلو منتخب کرنا۔

(ہ)—ایک کتب خانہ قائم کرنا اور اُس کا انتظام رکھنا۔

(و)—مشہور ارباب علم و فضل کی علمی مقالات کے لیے مدعو کرنا۔

هندستانی

ہندستانی اکیڈمی کا تماہی رسالہ

جولائی ‏ نیا سلسلہ ‏ جلد ۱ ‏ حصہ ۳ ‏ ۱۹۴۴

ہندستان کی عام زبان کا مسئلہ *

از ڈاکٹر تارا چند

ہندستانی قومیت کی تعمیر میں یہ مسئلہ خاص اہمیت رکھتا ہے کہ ہندستان کی لنگوا فرنکا کون سی زبان تسلیم کی جائے - بد قسمتی سے دوسرے مسائل کی طرح یہ مسئلہ بھی ' فرقہ وارانہ سیاست کی دلدل میں پھنس گیا ہے ؛ اور جب تک فرقہ وارانہ مسئلہ حل نہ ہو اِس گتھی کے خاطر خواہ سلجھنے کی ' بہت کم توقع کی جا سکتی ہے - پھر حال کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کے مختلف پہلوؤں پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع نہ کریں اور جو چند ~~در چند~~ دقتیں اِس راستے میں حائل ہیں ' اُن پر غالب آنے اور کسی نہ کسی طرح کا حل تلاش کرنے پر تیار نہ ہو جائیں - اِس مسئلے پر گزشتہ چند سال سے لوگوں کی توجہ زیادہ بڑھ گئی ہے - انڈین نیشنل کانگرس نے کراچی کے اجلاس سنہ ۱۹۲۵ء میں یہ طے کیا ہے ' کہ " ہندستانی " کو ہندستان کی لنگوا فرنکا ہونا چاہئے - چند سال بعد " ہندی ساہتیہ سمیلن " کا ناگپور میں جلسہ ہوا اور مہاتما گاندھی نے متعدد زبان دانوں اور ماہرین السنہ کو اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے وہاں بلایا - بدقسمتی سے سمیلن نے کانگرس کی

---

* جرنلسٹس اسوسی ایشن الہ آباد کی انگریزی تقریر کا ترجمہ (از اڈیٹر)

تجويز ميں ترميم کردي اور يه راے دي که هندستان کي للگوا فرنکا " هندي هندستاني " کو هونا چاهئے اِس فيصلے نے کافي هل چل پيدا کردي ، خصوصاً اُن قوم پرست مسلمانوں ميں جن کي خواهش تهي که ايک سمجهوتا هو جاے ، ليکن اِس تجويز نے اُنهيں مايوس کر ديا - " ساهتيه سمهلن " کے اس فيصلے پر اندور ميں مهر تصديق لگا دي گئي ، جس کا يه نتيجه هوا که فرقه‌وارانه پيچيدگي نے بد سے بدتر صورت اختيار کر لي - هندي پرچار سبها کے قيام ، اور سنسکرت آميز هندي کو رائج کرنے کي کوششوں ميں ترقي ، کا ايک رد عمل هوا ، اور مسلم ليگ نے فيصله کيا که اردو هندستان کي للگوا فرنکا سمجهي جاے - مئي سنه ۱۹۴۲ع ميں مهاتماجي نے ايک نئي انجمن کي بنياد رکهي جس کا نام " هندوستاني پرچار سبها " تها - اور جس نے انڈين نيشنل کانگرس کے اُس فيصلے کي حمايت کرنے کا عهد کيا جو " هندستاني " کے متعلق تها - چنانچه اب اِس رتبے کے حاصل کرنے کے تين دعوے‌دار هيں -- موجوده هندي ، هندستاني اور اُردو - هميں اب اس پر غور کرنا هے که ان تينوں ميں سے کس کو هندستان کي للگوا فرنکا بننا چاهئے -

يه مسئله اس لئے اهميت رکهتا هے که زبان و تهذيب کا چولي دامن کا ساتھ هے - هندستان سے باهر بهي دنيا کے دوسرے ملکوں ميں زبان کے مسئلے اُبهر چکے هيں - آئرستان ميں آئرستانيوں کي زبان کے متعلق سخت شورش ره چکي هے - اور با وجودے که تقريباً هر تعليم يافته آئرستاني انگريزي جانتا هے ، ليکن اُنهوں نے آئرستاني زبان کو اپني قومي زبان مان ليا هے - ويلز ميں بهي ملکي زبان (ولش) کے تسليم کئے جانے کا مسئله اُٹھ چکا هے ، اور مسٹر لائڈ جارج جيسا شخص اس تحريک ميں زور پيدا کرنے کا ذمه‌دار ره چکا هے - مورخ بتاتے هيں که پولستان اب بهي ايک قوم کي حيثيت سے زنده هے ، اور اپني آزادانه هستي قائم رکهنے کے لئے اب بهي بے چين هے - يه بات اس لئے هے که پولستان کے شاعروں اور لکهنے والوں نے اپني زبان کو زنده رکها هے اور اپني روايتوں کو اُس ميں محفوظ کر ليا هے -

زبان کے مسئلے کی وجہ سے مشرقی دنیا میں نئی نئی قومیں بن گئی ھیں - ایران میں یہ تحریک جاری ہوئی کہ ایرانی زبان سے وہ اثرات دور کر دئے جائیں جو عربوں کے قابض کی وجہ سے ایران نے قبول کر لئے تھے، تاکہ ایران کی زبان خالص ایرانی ہو جائے -

اسی طرح ترکی نے بھی اپنی زبان سے عرب کے اثرات دور کرنے کی کوشش کی ھے - اور خالص ترکی زبان کو اپنی زبان بنانا چاھا ھے - ان سب باتوں سے یہ ظاھر ھوتا ھے کہ یہ لوگ سمجھتے ھیں کہ ان کی زبان اور تہذیب میں بہت گہرا تعلق ھے - اسی لئے ھندستان کی عام زبان کا مسئلہ ھندستانیوں کے لئے خاص اھمیت رکھتا ھے -

ھندستان کی عام زبان بننے کے لئے کئی زبانوں کا تذکرہ ھوتا ھے لہذا ھندستان کی لسانی حالت کا اندازہ کرنے کے لئے ان سب زبانوں کی پیدائش اور نشو و نما پر نظر ڈالنا ضروری ھے - زبانوں کی تاریخ بتاتی ھے کہ یہ زبانیں، یعنی موجودہ ھندی، ھندستانی اور اردو سب آرین زبانیں ھیں - کل ماھرین زبان متفق ھیں کہ وہ اصلی انڈو آرین بولی سے پیدا ہوئی ھیں - لہذا اس بات کو ثابت کرنا وقت ضائع کرنا ھے کہ ھندستان کی لنگوا فرنکا ایسی زبان کو ھونا چاھئے جو قدیم انڈو آرین بولی سے نکلی ھو - یہ آرین بولی آریہ فاتحوں کے ساتھ ھندستان آئی اور ترقی کرنے کے بعد کئی شاخوں میں تقسیم ھو گئی - ایک یاد رکھنے کے لائق دلچسپ واقعہ یہ ھے کہ اس خاندان کی مختلف شاخوں میں سے مدھیہ دیس کی زبان ھمیشہ ھندستان کی لنگوا فرنکا رھی ھے - پنجاب کے آریوں کی بولی مشرقی بولی سے مختلف تھی - لیکن نہ تو پنجابی آرین کو ھی یہ فخر حاصل ھوا کہ وہ علم و تہذیب کی زبان تسلیم کی جاتی، نہ مشرقی آرین زبان کو - درمیانی ملک، وہ ھے جہاں سے سرسوتی نکلی تھی، اس کی آرین زبان سنسکرت بنی، اور اسی مدھیہ دیس سے سنسکرت ھندستان کے مختلف حصوں میں ترقی کرکے پھیلی - اس کے بعد چھٹی صدی مسیحی میں جب بدھ مذھب کا عروج ھوا تو سنسکرت عام لوگوں کے بولنے کی زبان نہ رھی - جو بولیاں وھاں بولی جاتی

تھیں ، مثلاً مگدھی اور اردھ مگدھی ، ان میں بدھ اور مہابیر نے اپنے مذہبی عقیدوں کی تبلیغ شروع کر دی تھی - لیکن مزے دار بات یہ ہے کہ ملیچھ دیس کی زبان یعنی سنسکرت نے ان زبانوں کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ، اور بدھ اور مہابیر کی زبانوں کو پالی اور جین اردھ مگدھی بنا ڈالا - چنانچہ ملیچھ دیس کی بولی گویا پھر ایک دفعہ پالی کے روپ میں ہندستان پر چھا گئی اور یہاں کی لنگوافرنکا بن گئی - اور اشوک کے کتبوں نے جو سب پالی میں ہیں یہ سکہ سب جگہ چلا دیا -

مسیح سے چھ سو سال پہلے سے لے کر چھ سو سال بعد تک یہ زبانیں ترقی کرتی رہیں - پھر چھٹی صدی مسیحی سے بارھویں صدی تک کا زمانہ آیا ، جب کہ پالی اور اردھ مگدھی زبانوں کا بولا جانا بند ہوگیا - اب پھر میں ، یعنی ایک قدیم پراکرت بولی میدان میں آ گئی - اس زبان کا لٹریچر بھی بن گیا - جو شمالی ہندستان میں جا بہ جا پایا جاتا ہے - بارھویں صدی میں کئی اپ بھرنش بولیاں رائج تھیں ، لیکن ان میں سے ایک یعنی سورسینی اپ بھرنش سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے - یہ سورسینی زبان اُن سب بولیوں کی ماں ہے جو درمیانی علاقے میں بولی جاتی ہیں ، ان میں سے ایک بولی دریائے ستلج سے دہلی - اور مغربی روہیل کھنڈ تک رائج تھی - دوسری بولی آگرے اور متھرا کے علاقے میں اور ایک اور بندیل کھنڈ میں بولی جاتی تھی - ماہرین زبان ان بولیوں کو مغربی ہندی کی شاخیں بتاتے ہیں - اس سے آگے ، مشرق میں ، دوسری زبانیں بولی جاتی ہیں یعنی میتھلی ، مگدھی ، بھوج پوری اور ان سے بھی مشرق میں بنگالی آسامی اور اڑیا - مغربی ہندستان میں راجستھانی اور گجراتی بولیاں ہیں اور دکن کی طرف مرہٹی اور شمال مغرب میں پنجابی - یہ بولیاں ، جنہیں جدید آریں بولیاں یا تیسرے درجے کی پراکرتیں کہتے ہیں ، بارھویں صدی سے ترقی کر رہی ہیں -

آج کل هندستان والے تقريباً ۱۷۹ زبانيں اور ۵۴۴ بولياں (بقول گرسن : لنگوسٹک سروے آف انڈيا) بولتے هيں - ليکن واقعه يه هے که ان ميں سے بهت سي زبانيں اور بولياں ايسي هيں جن کے بولنے والے سيکڑوں سے آگے نهيں - در اصل صرف بارا ايسي زبانيں هيں جن پر پورا هندستان به اعتبار زبان تقسيم هو سکتا هے - لهذا مسئله يه هے که ان ميں سے کون سي زبان هندستان کي لنگوا فرنکا مانی جاے - ان بارا زبانوں ميں سے چار دراوڑ زبانيں هيں - سنه ۱۹۳۱ع کی مردم شماري کے اعتبار سے (۲۶) ملين آدمی تلنگي بولتے هيں - تامل کے بولنے والے (۲۱) ملين هيں - کنڑی کو (۱۱) ملين بولتے هيں اور ملايام کے بولنے والے کچهه اوپر نو ملين هيں - گويا دراوڑ زبانوں کے کل بولنے والے (۷۱) ملين هيں - انکو آرين بوليوں کو تقريباً (۲۶۰) ملين انسان بولتے هيں - لهذا معلوم هوتا هے که دراوڑی زبانوں ميں سے کوئی زبان بهی هندستان کے لنگوا فرنکا نه بن سکے گي - اس کي ايک وجه يه هے که خود دراوڑ زبانيں آرين زبانوں کے زير اثر آ گئی هيں اور ان کے بهت سے کلچرل اور علمي لفظ سنسکرت سے ماخوذ هيں - اس کے علاوه وه ايسے ملک کي زبانيں هيں جو هندوستان کا بيرونی حصه هے اور زندگی کے مرکزوں سے دور هے - ان زبانوں کا اس ملک سے نکل کر بقيه هندستان پر قبضه جمانا نا ممکن هے - واقعه تو يه هے که يه زبانيں آرين زبانوں کے مقابلے ميں پيچهے هٹ رهي هيں اگرچه اگلے وقتوں ميں آرين زبانوں کو دراوڑ زبانوں نے کبهي کبهی پيچهے هٹا ديا تها - ليکن اب معامله اس کے خلاف هو رها هے - اور سنٹرل انڈيا اور دکن ميں آريه زبانيں روز افزوں فتوحات حاصل کر رهی هيں - اور اس سے تو کسي کو انکار نهيں که آرين زبانوں کو (۲۶۰) ملين بولتے هيں ليکن دراوڑ زبانوں کے بولنے والے صرف (۷۱) ملين هيں -

آٹهه آرين زبانيں ' جن کے بولنے والے کثرت سے پهيلے هوئے هيں يه هيں : بنگالي پنجابي - مرهٹي - گجراتي - اڑيا - بهاري - راجستهاني اور مغربي و مشرقي هندی -

ان میں سے ہندی (جس کی بہاری اور راجستانی بہنیں ہیں) سب سے زیادہ بولی جاتی ہے - اس کے بعد بنگالی کا درجہ ہے - جس کے بولنے والے (۵۳ ملین) ملین ہیں - بعض آدمیوں کا خیال ہے کہ بنگالی کو ہندستان کی لنگوا فرنکا مان لینا چاہئے - ابھی حال میں انڈین سول سروس کے ایک ممبر نے اخبار " سٹیٹس مین " میں اس خیال کو ظاہر کیا ہے - اس میں شک نہیں کہ بنگالی میں موجودہ آرین زبانوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ لٹریچر پایا جاتا ہے ' لیکن بد قسمتی سے یہ ایک سرحدی صوبے کی زبان ہے - اور زبانوں کی ترقی کا ہمیشہ یہ رجحان رہا ہے کہ جو علاقے سیاسی حیثیت سے بیچ میں ہوتے ہیں ان ہی کی زبانیں قومی زبان کا درجہ پاتی ہیں - مثلاً انگلستان کی قومی زبان مڈلینڈ کی بولی سے بنی ہے - فرانس کی زبان آئل دو فرانس کی زبان ہے اور اسی علاقے میں پیرس واقع ہے - برلن سٹیٹ سے جرمنی کی زبان بنی ہے - روم سے اٹلی کی زبان پیدا ہوئی ہے اور قدیم ہندوستان کی زبان مدھیہ دیس کی زبان ہے - اس سے ظاہر ہے کہ سیاسی اور تہذیبی مرکزوں سے زبان پھیل کر ملک کے دوسرے علاقوں کی آپس کی بولی بن جاتی ہے بنگالی کے زبان کے خلاف یہ دلیلیں فیصلہ کن معلوم ہوتی ہیں -

پنجابی کی دونوں قسموں کے بولنے والے (۲۳) ملین ہیں - یہ علمی زبان کے درجے سے گری جا رہی ہے اور پنجاب اس کی جگہ اردو کو دے رہا ہے - مرہٹی کو (۲۱) ملین اور گجراتی و اُڑیا کو گیارا گیارا ملین آدمی بولتے ہیں - یہ زبانیں ہندی کے مقابلے کا دعوی نہیں کر سکتیں - ہندی دنیا کی سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں میں سے ایک زبان ہے - ڈاکٹر اس - کے - چٹر جی کا قول ہے کہ " یہ (۲۵۷) ملین انسانوں کی قدرتی لنگوا فرنکا ہے - ان کے علاوہ چند ملین اور لوگ بھی اسے سمجھتے ہیں - اور اس کی دونوں قسمیں یعنی " اونچی ہندی " اور " اردو " (۱۴۰) ملین سے زیادہ کی علمی زبانیں ہیں - اس طرح شمالی چینی اور انگریزی کے بعد دنیا میں یہ زبان سب سے اونچا درجہ رکھتی ہے "

اب سوال یہ ہے کہ اس کي مختلف قسموں میں سے کس کو هندوستان کی لنگوا فرنکا (یا عام و مشترک زبان) مانا جائے ۔

ڈاکٹر سنیتي کمار چٹرجي کي یہ تجویز ہے کہ آسان هندستاني یعني بازار کي هندستانی اس کام میں آ سکتي ہے ۔ ان کا قول ہے کہ بولنے کي هندي میں اسموں صفتوں اور فعلوں کی تذکیر و تانیث گرا دي جاتی ہے اس میں جمع نہیں بولتے ' اور بعض خصوصیتیں جن کا تعلق فعلوں سے ہے وہ بھي مٹ جاتی هیں ۔ بہر حال اس کا هرگز یقین نہیں کیا جا سکتا کہ یہ تجویز مان لي جائےگی ۔ آسان هندستانی عوام کي بہت صوبجاتي بولی کا کام دے سکتي هو تو دے ' لیکن پڑھے لکھوں کے لئے یہ زبان کمزور اور بے جان چیز ثابت هوگي ۔ ایسي بولي علمی اظہار خیال کا ذریعہ نہیں بن سکتی ۔ گنواري بولي علمي زبان نہیں هو سکتي ۔ زبان کو ایسا هونا چاهئے کہ اس کے بولنے والوں کو اس زبان کے ذریعے سے اعلیٰ تعلیم دی جا سکے ۔ سلطنت کا قانون بن سکے اور سیاسي کاغذات اور حکومت کي گفتگو سب کچھہ اسي میں هو سکے ۔ هندي کی مختلف قسموں میں اس قسم کا کافي لٹریچر موجود ہے ۔ اور نئی بازاري هندستاني کو قبول کرلینے کا یہ نتیجہ هوگا کہ اس کی کشتي کا لنگر هي ٹوٹ جائے گا ۔

یقیناً آسان یعني بازاری هندستانی اس مسئلے کو ٹھیک طریقے پر حل نہیں کر سکتی ۔

مدھیہ دیس کی مختلف بولیوں میں سے کس کو چنا جائے ؟

اس کے لئے زبانوں کے علم کی طرف توجہ کرنے کي ضرورت ہے ۔ یہ علم بتاتا ہے کہ هر بولي کے اصول بولنے (یا تلفظ) سے تعلق رکھتے هیں اور خود بولنا (تلفظ) ایسی چیز ہے جو بناوٹ یا گرامر کے قاعدوں کا پابند هوتا ہے ۔ زبان کا جوهر یا نچوڑ بھي دو چیزیں هیں ۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ بولي لفظوں کا ایسا مجموعہ ہے جس میں اس زبان کي مخصوص آوازیں هوتی هیں اور ان لفظوں کے معنی اور اُن کی شکلیں اپني گرامر کے قاعدوں کي پابندي میں بدلتی رهتی هیں ۔ هر زبان

کی آواز اور بناوٹ کے ڈھانچے قائم رهتے هیں ، لیکن اس کے لفظ سماجی تبدیلیوں کي وجہ سے همیشہ بدلتے رهتے هیں -

سب زبان داں اس بات کو مانتے هیں کہ موجودہ هندی ، هندستاني اور اردو کی آوازوں (تلفظ) اور لفظوں کی بناوٹ کے اصول بالکل یکساں هیں - اور وہ سنسکرت اور فارسی کے اصول سے بہت کچھ مختلف هیں - واقعہ یہ ہے کہ یہ تینوں شکلیں اُس بولی کی ترقي یافتہ صورتیں هیں "جسے کھڑي بولی" کہتے هیں - اور جو مغربي هندی کی ایک شاخ هے - گویہ بولي پرانی پراکرتوں یا قدیم انڈو آریں زبان کی (جو بعد میں سنسکرت هوگئی) سگي پوتی هے لیکن اس کا آوازی طریقہ (تلفظ) سنسکرت سے بہت زیادہ مختلف هے - کھڑي بولی سے سنسکرت کے بہت سے حروف علت کم هو گئے هیں - مثلاً رِی (ऋ) اور اس نے نئے حروف علت حاصل کر لئے هیں - مثلاً اے ، او (سہر - اور) - اس کے حروف صحیح بھی لین دین کي وجہ سے بدل گئے هیں - کئی حروف فلہ اور ایک حرف سلیہ (سسکاري سے ادا هونے والا حرف) غائب هو گئے هیں ، بعض پھرکي دار ترچھي آوازیں اور چند پھڑپھڑاتي هوئی آوازیں (مثلاً ڑھ ، لھ ، رھ) غیر آرین هندستاني زبانوں سے آ گئی هیں - دوسري آوازیں جو حلق کے کوے سے (ق) اور سانس کی رگڑ سے (دندان لبي ف ، تالو والي ز ، حلقی خ ، غ) پیدا هوتی هیں ، وہ فارسی عربي زبانوں سے آئي هیں - اس کے علاوہ تلفظ میں بھي کچھ خصوصیتیں پیدا هو گئی هیں ، مثلاً وہ حروف کي آخري حرکات یعني زبر ، زیر پیش کو گرا دیتی هے ، مرکب صحیح حرفوں کو الگ الگ ادا کرنا چاهتی هے اور لفظوں کے شروع میں ایسے مرکب حرفوں کو برداشت نہیں کرتی - اگرچہ سنسکرت کے لفظ عموماً حرکات پر ختم هوتے هیں لیکن کھڑي بولي کے لفظوں کا خاتمہ صحیح اور ساکن حرفوں پر هوتا هے -

نہ صرف کھڑی بولی کے تلفظ کا طریقہ سنسکرت سے مختلف هے بلکہ اس کي گرامر اور بناوٹ کے طریقے بھي جداگانہ هیں - ثبوت کے لئے صرف ایک مثال کافي هے - سنسکرت میں اسموں کی تصریف کي

سات شکلیں ہیں ' جن میں سے چھ اسم کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں - کھڑی بولی اور اس کی دونوں شکلیں یعنی موجودہ ہندی اور اُردو ایسی زبانیں ہیں کہ ان میں سے یہ سب شکلیں غائب ہو چکی ہیں اور اس کی مختلف حالتوں کی تعداد تین سے زیادہ نہیں بتا دی جا سکتی -

موجودہ ہندی اور اُردو میں جو فرق ہے وہ ایسا نہیں ہے جس کا تعلق زبان کے بنیادی اور پائےدار پہلوؤں سے ہو ' بلکہ وہ صرف لفظوں سے تعلق رکھتا ہے - ظاہر ہے کہ ہر زبان کے لفظ ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں - ہر زبان کو نئے نئے لفظوں کی اس لئے بھی ضرورت ہوتی رہتی ہے کہ انسان کی ذہنی اور مادی دنیا ہمیشہ بدلتی رہتی ہے - ہمیشہ نئے خیال ' نئے جذبات ' نئی چیزیں اور نئے طریقے پیدا ہوتے رہتے ہیں اور پرانے گزرتے جاتے ہیں - اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے زبانوں کا یہ قاعدہ ہے کہ یا تو وہ دوسری زبانوں کے لفظ اپنا لیتی ہیں یا پرانے لفظوں سے نئے لفظ گڑھتی ہیں - جرمن گڑھنے والی اور انگریزی اپنا لینے والی زبان ہے - موجودہ ہندی اور اُردو انگریزی کی سی زبانیں ہیں - اپنانے اور گڑھنے کا طریقہ سماجی اور تاریخی قوتوں کے اثر سے ہمیشہ جاری رہتا ہے - جرمنوں نے گزشتہ جنگ میں یہ کوشش کی کہ بیرونی لفظوں کو اپنی زبان سے نکال دیں ' روسیوں نے بھی یہی کیا ' انگلستان میں بھی حکمراں خاندان کا نام بدل کر " ونڈسر " رکھ دیا گیا -

موجودہ ہندی اور اُردو میں قدیم کتابوں کے لفظوں کی بھرمار فرقہ پرستی اور قدامت پسندی کی بڑھتی ہوئی موجوں کا نتیجہ ہے - ہندی میں تیزی سے سنسکرت ' اور اُردو میں عربی ' داخل کی جا رہی ہے - ہندی کے لکھنے والے ان شبدوں کو دور کر رہے ہیں جن کی آوازیں کھڑی بولی اور (فارسی - عربی) میں یکساں ہیں - اُردو لکھنے والے ان اصوات کو استعمال کرنے میں تذبذب کا اظہار کرتے ہیں جو (فارسی - عربی) صوتی نظام میں مفقود ہیں - دونوں اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اب اتنا زمانہ گزر چکا ہے کہ ہندی اور اُردو کی

ٹھیٹھ بولی کی آوازوں کے ڈھانچوں کو بدلنا نا ممکن ہے - یہ بولی اُن لوگوں کے بولنے کی زبان ہے جو دہلی اور میرٹھ کے علاقے میں آباد ہیں - اس بولی کا خود ایک ذاتی روپ ہے - اگر ہندی اور اُردو کے لکھنے والے ٹھیٹھ بولی کے روپ سے ہٹ کر لکھیں گے تو وہ دو مصنوعی زبانیں بنا دیں گے ' اور اس کا بھی وہی انجام ہوگا جو اگلے زمانے میں علمی زبانوں کا ہو چکا ہے - زبان جتنی زیادہ مصنوعی بنے گی اُتنی ہی وہ زندہ زبانوں کے زمرے سے دور ہٹتی جائے گی -

اب اگر علم‌الالسنہ سے ہٹ کر ہم لٹریچر کی طرف رخ کریں تو موجودہ ہندی اور اردو کے تعلقات پر کافی روشنی پڑتی ہے - ایک زمانہ تھا کہ زبان اپ بھرنس کے دور سے گزر کر نئے انڈو آرین دور میں داخل ہو رہی تھی - اس زمانے میں مسلم فاتح ہندوستان کے پس منظر پر نمودار ہوئے - ان کی فوجوں میں جو لوگ تھے وہ ایسی زبانیں بولتے تھے جو عربی کا اثر قبول کر چکی تھیں ' اور وہ عربی زبان کو اپنے مذہبی خیالات کے اظہار کا مقدس ذریعہ سمجھتے تھے - جب وہ دہلی میں آ بسے تو اُنھوں نے کھڑی بولی کے علاقے کو اپنی طاقت کا مرکز بنایا - اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ کھڑی بولی میں گہری تبدیلی ہو گئی - اُس نے وہ نئی آوازیں ' جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے ' حاصل کرلیں - اور اسی زبان میں نئے آنے والے اور پرانے باشندوں میں بات چیت ہونے لگی - اور رفتہ رفتہ یہی زبان مع آوازی اور بناوٹی خصوصیتوں کے ' موجودہ زبان بن گئی -

جب دہلی کی فوجیں دکن تک پہنچیں اور چودھویں صدی کی ابتدا میں اس ملک کو سلطنت دہلی میں ملایا ' تو ملواں کھڑی بولی (جسے آسانی کے لئے بولنے کی ہندستانی کہہ سکتے ہیں) اور دکنی زبانیں بولنے والوں میں تعلقات قائم ہو گئے - سلطانوں نے شمالی باشندوں کو دکن میں آباد ہونے کی ترغیب دی اور آج بھی ان کی اولاد اورنگ آباد اور دولت آباد میں پائی جاتی ہے - ان کے ساتھ ساتھ ہندستانی بولی بھی دکن جا پہنچی -

ہندستانی کا پہلا پہل جن لوگوں نے علمی زبان کی حیثیت سے استعمال کیا وہ صوفی بزرگ اور دکن کے مذہبی عالم تھے ' جو اپنے عقیدوں کو اس زبان کے ذریعہ سے بیان کرتے تھے - تیمور کے حملے کے بعد خواجہ بندہ نواز گیسو دراز شمال سے کل برگہ ہجرت کو گئے تھے ' اور سنہ ۱۳۱۲ع میں غالباً وہ پہلے لکھنے والے تھے ' جن کی تصنیف اب بھی باقی ہے - سنہ ۱۴۲۱ع میں ان کا انتقال ہوا - ہندستانی کا علمی کاموں کے لئے استعمال ہونا ہی تھا کہ وہ تیزی سے چل نکلی - دکن کے بادشاہوں نے اس کی سرپرستی کی اور دو سال کے اندر اندر اس میں کافی لٹریچر پیدا ہوگیا -

دکنی جس ہندستانی کو استعمال کرتے تھے (اور جسے وہ ہندی کہتے تھے) اُس سر زمین کی یاد تازہ کرتی تھی جہاں وہ پیدا ہوئی تھی - اس میں تدبھو لفظ بھرے پڑے ہیں - کہیں کہیں فارسی اور عربی کے لفظ بھی پائے جاتے ہیں - اور لطف یہ ہے کہ یہ بھی ویسے ہی لکھے جاتے تھے جیسے کہ عام طور پر بولے جاتے تھے - ان کا تلفظ کتابی عربی فارسی کا سا نہ تھا - جوں جوں زمانہ گزرتا گیا مانگے کے لفظ بڑھتے گئے ' لیکن وہ سب نکھر کر زبان میں داخل ہوتے تھے - چودھویں صدی کے اواخر سے سترھویں صدی کے اواخر تک یہ ہندستانی طرز خوب پھلتا پھولتا رہا -

اس وقت اورنگ زیب نے اپنے حملے شروع کردیے اور دکھنی سلطنتوں کا خاتمہ ہوگیا - سلطانوں اور اُن کے درباروں کی تباہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اُن کے پروردہ فن کار اور شاعر تتر بتر ہوگئے - اُن میں سے کچھ شمال میں آبسے اور ہندستانی کے وطن میں اس کی ترقی میں مدد دینے لگے - دلی ہندستانی لٹریچر سے ایک حد تک ناآشنا تھی - یہ بات ایک حد ہی تک تھی ' قطعی نہیں تھی - اس لئے کہ کہیں کہیں اور کبھی کبھی کوئی نہ کوئی لکھنے والا پیدا ہوجاتا تھا - لیکن مسلسل اور باقاعدہ علمی کوشش کا وجود نہ تھا -

جس زمانے میں دکن میں ہندستانی روز افزوں ترقی کررہی تھی ' اُسی زمانے میں شمالی ہند میں اودھی اور برج بھاشا میں زیادہ تر مذہبی لٹریچر ترقی کررہا تھا - ہندو اور مسلمان دونوں ان زبانوں کے

سرپرست تھے - اودهي کو ایسے ایسے مصلحوں اور شاعروں نے رواج دیا جیسے کہ کبیر اور ملک محمد جائسي تھے- اور ان هی کي قلم کي هوئي بلنديوں پر تلسي داس نے رام چرت مانس کا شان‌دار قلعہ بنایا - برج بھاشا کرشن کي بھگتی کي زبان بن گئی - اگر سور داس نے اپنے لافانی دوهوں میں اپني دلی آرزوؤں کو بھردیا تو رس خان مسلمان نے نصیحت بھرے دوهوں کا کمال دکھایا - یہ زبان اور کلچر کي تاریخ کا معجزہ تھا ' کہ وہ بھگتے جو ایسے باپوں کی اولاد تھے جو هندوستان کي زبان اور خیال دونوں سے ناآشنا تھے ' وهی ملکی کلچر کے بہترین اُستادوں سے کندھا جوڑے کھڑے تھے !

مغل دربار نے برج کي سرپرستي اس لئے شروع کردی تھي کہ وہ هندستانی اور اس کے لٹریچر سے واقف نہ تھے - اس لئے سور - گنگ ' بانا ' کیشو مسر ' سہج سنیهي ' سندر سرومني بنارسي داس ' مٹھي‌رام ' اننددگھان ' اور بہت سے دوسرے شاعروں پر شاهي بخششیں اور شاهانہ انعام هوتے رهتے تھے - سامراج کے زوال کے شروع هونے کے بعد اُردو کي همت افزائي هوئي - لیکن جب اٹھارویں صدي کے اخیر میں اس پر توجہ هوئی تو برج کا ستارہ ڈوب رها تھا روحاني جوش کا دریا گھٹ رها تھا اور شہواني خیالات ' اور عیاشی کے جذبات کا کرخت باجہ بجنا شروع هوگیا تھا -

دلي میں هندستانی زبان کی مشق کرنے والوں کے کان اور زبان فارسی آوازوں سے مانوس هوچکے تھے دکني هندستاني کے لفظ اُن کي زبانوں پر بار تھے - تالو سے ادا هونے والے (Cerebral) ......,؟)...... (Plosive), اُوپر کے دانتوں کی جڑوں سے ادا هونے والے یا (Alveolar) اور پھر پھڑنے والے (Flapped) ' اور ایسے حروف جو پھڑکي دار آواز پیدا کرتے هیں اُن کي زبان سے ادا نہ هوسکتے تھے - قدرتاً اُنھوں نے زبان کو پاک کرنا شروع کیا ' جس کا نتیجہ یہ هوا کہ اُس نے اپني بہت کچھ میراث کھودي - جو چیز مرزا جان جانان نے دهلي میں شروع کي تھي ' اودھ کے فارسي بادشاهوں کے دارالسلطنت لکھنؤ میں ' ناسخ نے کمال کو پہنچادي - اس طرح هندستاني زبان اُردو بن گئي -

اٹھارویں صدی کے سب ہندو مسلمان اُردو کو اپنی لنگوافرنکا سمجھتے تھے - بہار للدو هریش چندر موجودہ هندی کے علم برداروں میں سے هیں — وہ اگروال هیں - اور تسلیم کرتے هیں کہ شمالی هندستان میں اُردو هی مہذب گفتگو کا ذریعہ تھی ' حتیٰ کہ اُن کی برادری میں بھی یہی زبان جاری تھی- لہذا جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے افسروں کو هندستانی زبانیں سکھانے کے لئے کلکتے میں فورٹ ولیم کالج قایم کیا - تو اُردو زبان کے لئے اُستاد مقرر کئے گئے - اور ٹکسالی زبانوں میں سے عربی ' فارسی اور سنسکرت کے ساتھہ ساتھہ صوبجاتی زبانوں میں سے بنگالی اور برج بھاشا کے بھی اُستاد مقرر ہوئے -

اُس زمانے تک موجودہ هندی کا پتہ نہ تھا اس لئے کہ اس میں کوئی لٹریچر موجود نہ تھا - اس کا ادبی کاموں کے لئے اسی زمانے سے استعمال شروع هوا - کالج کے پروفیسروں نے للو جی لال اور دوسرے استادوں کی همت افزائی کی ' کہ اس زبان میں کتابیں جس میں اُردو مصنف لکھتے تھے - لیکن اتنا فرق کردیا گیا کہ ٹھیٹھ سنسکرت لفظوں (تتسم) کو فارسی اور عربی لفظوں کی جگہہ رکھہ دیا گیا - اس طرح ایک نیا طرز پیدا هوگیا جس کے متعلق یہ خیال تھا کہ هندؤں کی ضرورتوں کے لئے خاص طور پر موزوں ھے ' اور مسیحی مشنریوں نے بائبل کو اس زبان میں ترجمہ کرکے اس کو اور زیادہ ترقی دے دی -

نیا طرز (جسے اب هندی کہتے هیں) بہت دنوں میں عام پسند بنا - واقعہ یہ ھے کہ غدر سنہ ۱۸۵۷ع کے بعد سے موجودہ هندی نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا - اس کو ترقی دینے کی خاص طور پر کوششیں کی گئیں - قریب قریب اسی زمانے میں بیمز اور کیلاگ وغیرہ نے اُس کے حقوق قایم کرنے کے لئے گرامریں لکھیں - حتیٰ کہ صوبوں کے گورنر تک لوگوں کو اردو سے پرهیز کرانے کی کوششیں کرنے لگے '

چند سال بعد (تقریباً سنہ ۱۸۷۰ع میں) مسلمانوں کے خلاف جو عصبیت پیدا کی گئی تھی وہ ختم هونے لگی ' اور اُردو کی حمایت کا نیا دور شروع هوا - بنگال میں البرٹ بل کی شورش اور هندوستان

کے دوسرے حصوں میں قومی بیداری کی ابتدا نے چوکنا بنادیا - اور یہ بات مصلحت سے دور معلوم ہوئی کہ مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ناپسندیدگی کی حالت میں رکھا جائے - سر ولیم ہنٹر اور چند دوسرے افسروں نے مسلمانوں کی حمایت شروع کردی ' اور تہذیبی انفرادیت کو ترقی دینے لگے - پھر جب انڈین نیشنل کانگرس کی داغ بیل ڈالی گئی تو مسلمانوں نے اس سے الگ رہنا ہی اپنے لئے مفید سمجھا - اور فرقہ وارانہ رقابت کی آب و ہوا میں ہندی اُردو کے پودے نشو و نما پانے لگے -

اگرچہ موجودہ ہندی کو پیدا ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں اس لئے کہ انیسویں صدی سے پہلے اس کی ابتدا نہیں ہوئی اور اس کی حقیقی ترقی گزشتہ ساٹھ برسوں میں ہوئی ہے ' پھر بھی اس نے تیزی سے ترقی کی ہے - اور آج یہ حال ہے کہ ایک بڑی جماعت اسے لکھتی پڑھتی ہے اور بہت زیادہ کتابیں اور رسالے اس زبان میں نکل رہے ہیں ' اور روز بروز اسے ترقی ہو رہی ہے - اُردو ادب نے بھی بہت ترقی کی ہے' اور ایک یونیورسٹی نے تو اُسے اپنا ذریعۂ تعلیم بھی بنالیا ہے - اس ترقی کا تاریک پہلو یہ ہے کہ بدقسمتی سے یہ زبانیں مخصوص فرقوں سے متعلق ہوتی جاتی ہیں- اور سیاسی فرقہ وارانہ کشمکش' تہذیب و تمدن کے دائرے میں بھی داخل ہو رہی ہے- یہ صورت حال افسوس ناک ہے اس لئے کہ مغلیہ دور حکومت میں اُردو اور برج والوں میں کوئی رقابت نہ تھی اور دونوں زبانیں پہلو بہ پہلو پھل پھول رہی تھیں - دونوں کی سرپرستی ہندو مسلمان مساویانہ طور پر کرتے تھے -

بہرحال اب حالت یہ ہے کہ اُردو اور موجودہ ہندی دونوں ہندستان کی لنگوا فرنکا ہونے کی دعوےدار ہیں- اُردو کے حامی کہتے ہیں کہ یہ عمر میں بڑی ہے - اور یہ ہندو مسلم تہذیب کے امتزاج کا نتیجہ ہے دونوں فرقوں نے اس کی ترقی میں حصہ لیا ہے ' اور کچھ عرصہ پہلے تک دونوں اسے اپنی عام زبان سمجھتے تھے - یہ ہندستان سے باہر بھی پھیل رہی ہے - اس میں عربی و فارسی کے لفظوں کا وجود ایک عمدہ بات ہے - اس لئے کہ ان کے ذریعے سے وہ ہندستان کی دوسری سب سے بڑی قوم کے ٹکسالی لٹریچر سے رشتہ جوڑے

ہوئے ہے ' اور دو موجودہ زندہ زبانوں سے تعلق رکھتی ہے '' جنوبی ہندوستان کے دو ایسے پڑوسی بولتے ہیں جو ایشیا اور افریقہ میں آباد ہیں - اور اُن سے آئندہ دوستانہ تعلقات بڑھنے کی امید ہے -

موجودہ ہندی ایسی ہندوستانی زبانوں سے تعلق رکھنے کا دعوا کرتی ہے جو ایک ہی انڈوآرین ماں کی بیٹیاں ہیں ' مثلاً مرہٹی ' گجراتی ' بنگالی ' پنجابی ' اُڑیا وغیرہ - اسی لئے اُردو کے مقابلے میں ہندی ان زبانوں کے بولنے والوں کے لئے آسان ہے - ہندی کو جتنا سنسکرت آمیز کیا جائے گا اُتنا ہی اسی خاندان کی موجودہ زبانوں کا رشتہ قریب تر ہوتا جائے گا - دراوڑ زبانیں تک سنسکرت لفظوں سے بھری پڑی ہیں - اور اسی لئے اردو کے مقابلے میں ہندی سے زیادہ قریب ہیں -

دونوں فریقوں کی دلیلیں وزنی ہیں ' لیکن قطعی نہیں ہیں - زبان سماجی تعلقات کا ذریعہ ہے - اس کی خصوصیتیں سماج کی نوعیت اور اس کی ضرورتوں کے اعتبار سے قائم ہونا چاہییں - صرف آسانی کے خیال سے یہ خصوصیتیں قائم نہیں ہو سکتیں - جغرافئے کے اعتبار سے ہندوستان ایک ملک ہے - اگر یہ ایک زندہ اور متحد سوسائٹی اور ایک مضبوط نیشن (ملت) بننا چاہتا ہے تو یہ صرف ایک ہی طرح ممکن ہے کہ مختلف فرقے ایک دوسرے میں مدغم ہوجائیں - ایسا اتحاد صرف اس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ ہر فرقے کو اس بات کا اطمینان ہو کہ اُس کی زبان ' مذہب اور کلچر اس طرح محفوظ ہوگا کہ ' کل کا ایک زندہ جز ہو -

لہذا اگر ہم اپنے اس خواب کو کہ ہمارے ملک میں ایک ہی سماج اور ایک ہی قوم ہو ' حقیقت سے بدلنا چاہتے ہیں - اور ہم یہ چاہتے ہوں کہ اس سماج کی ایک ہی عام زبان ہو جو ہمارے اتحاد کا نشان ہو ' تو یہ ناگزیر ہے کہ یہ عام زبان (لنگوا فرنکا) ایک مخلوط زبان ہو ' جس میں مختلف فرقوں کی بولیوں کے عنصر موجود ہوں - ایسی مشترک زبان کے لئے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ

صرف ایک هي کلچر کے سر چشمے سے سیراب هو ' جیسا کہ آج کل اردو اور هندي کا رجحان هو رها هے -

زبان کے مسئلے کو سلجھانا بہت آسان هے - اس بات پر سب کا اتفاق هے کہ علاقہ دهلی کی بولي کو ' جو موجودہ هندي اور اردو کي مشترک بنیاد هے ' بین صوبجاتي تعلقات کا مشترک ذریعہ مان لیا جاے - اس بولي کي آوازوں اور بناوٹ کے طریقوں کے مخصوص سانچے قائم هو چکے هیں - لیکن دو قسم کے لفظوں کی وجہ سے اس کے دو مختلف طرز بن جاتے هیں - ان دونوں کو قریب لانے کے لئے ایک مشترک فرهنگ بنانے کي ضرورت هے جس کا ایک ایک لفظ زبان کی صوتي روح سے هم آهنگ هو -

چونکہ یہ بولي (جسے هندستانی کہ سکتے هیں) محض بازار هي کے کام کی ' یعني بقول ڈاکٹر چٹرجي " بزار هندستانی " نہ هوگی - بلکہ کلچر اور علم کی زبان هوگی ' سائنس ' لٹریچر ' سلطنت کے کاغذات اور بین الملی حکمت عملی بھی اسي زبان میں هوگی ' اس لئے اسے ایک بالند اور شان دار زبان هونا چاهئے ' جس میں لفظوں اور جملوں کا وسیع خزانہ هو ' اور اس میں ایک حد تک لوچ هو -

لهذا علمي هندستانی کو ایک بڑا ذخیرہ الفاظ اور اصطلاحوں کا وسیع خزانہ تیار کرنا هے ' یہ جب هی ممکن هے کہ دور دور رهنے کي کوشش ترک کر دي جاے - هندستانی کو چاهئے کہ سنسکرت اور پراکرت ' عربي و فارسي انگریزي اور دوسري زبانوں سے فائدہ حاصل کرے ' لیکن اسے کسي ایک زبان کا اقتدار هرگز نہ قبول کرنا چاهئے - جو کچھہ بھی دوسروں سے لیا جاے اس پر هندستانی کي مہر لگنا ضروري هے - اس کا آوازی طریقہ اور گرامر کے قاعدے خالص هندستاني هونا چاهئیں - ورنہ نتیجہ یہ هوگا کہ هندستانی کي روح باقی نہ رهے گي اور یہ ایک بے جان نقل کرنے والی مشین بن کر رہ جاے گی -

اور گو اردو اور هندی ایسی زبانیں هیں جو مستعار لفظوں کے بھروسے زندہ هیں ' لیکن کوئي وجہ نہیں کہ هندستاني اپنے اصلي

یا مانگے ہوئے لفظوں سے نئے نئے لفظ اور مشتقات بنانے کی صلاحیت کو ترقی نہ دے - ہندی اور اردو میں یہ رجحان پیدا ہو رہا ہے - لیکن بد قسمتی سے وہ نئے لفظوں کو اپنی روح کی مناسبت سے ہمیشہ نہیں ڈھالتیں ، بلکہ سنسکرت اور عربی کے قاعدوں کی پابندی کرتی ہیں -

جہاں تک اصطلاحات کا تعلق ہے ہمیں ایک مقررہ پالیسی اختیار کرنا چاہئے - موجودہ حالت نہایت بے تکی سی ہے - جو لفظ اختیار کئے جاتے ہیں یا بنائے جاتے ہیں اُن کا کوئی مقررہ اصول نہیں - موجودہ ہندی کے لیکھک انگریزی اور سنسکرت سے اصطلاحیں لیتے ہیں - اردو والے فارسی و عربی کا سہارا لیتے ہیں - نتیجہ یہ ہے کہ دو ایسی زبانیں جن کا ڈھانچہ ایک ہی ہے دور ہوتی جاتی ہیں - ظاہر ہے کہ سنسکرت یا عربی سے ہمارا پورا کام نہیں چل سکتا - ان زبانوں میں ضروری اصطلاحیں موجود نہیں ہیں - اس لئے ہو یہ رہا ہے کہ مادہ سنسکرت یا عربی سے لیا جاتا ہے - اور اس سے اصطلاح بنا لی جاتی ہے - اس عمل کی ایک حد ہے جس سے آگے نہیں بڑھا جا سکتا - اس میں یہ بڑی خرابی ہے کہ یہ چیز زبان کی روح اور ذوق سلیم پر گراں گزرتی ہے - سنسکرت کے حرفوں کی آوازیں ہندی اردو یا ہندستانی سے مناسبت نہیں رکھتیں - عربی میں مزید خرابی یہ ہے کہ اس میں مرکبات بنانے کی صلاحیت نہ ہونے کے برابر ہے - ان میں سے کوئی بڑی زبان ایسی نہیں جو علوم (سائنسوں) کی اصطلاحیں مہیا کر سکے - اس لئے یورپین زبانوں کا کچھ نہ کچھ سہارا لینا ہی پڑے گا -

کل سائنسوں کے لئے عام قاعدے بنانے کی جگہ ، یہ زیادہ عملی چیز ہوگی ، کہ سائنسوں کے الگ الگ گروہ بنا لئے جائیں - اور پھر یہ طے کر لیا جائے کہ ان میں سے کس گروہ کے لئے اصطلاحیں ایجاد کی جائیں گی اور کس کے لئے مانگ کر کام چلایا جائے گا - یاد رہے کہ مختلف سائنسوں کی اصطلاحیں بہت زیادہ ہیں اور ان

میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے - یہ بات کسی انگریزی اصطلاحات کی لغت کے دیکھنے سے واضح ہو جائے گی -

زبان اور ادب کے لحاظ سے مختلف سائنسوں کے گروہ مندرجۂ ذیل طریقے پر بنائے جا سکتے ہیں :—

(۱) علوم ریاضی—ان میں بہت سی نپی تلی اصطلاحوں کی ضرورت ہے لیکن عام لفظوں کی کثرت کی ضرورت نہیں -

(۲) نیچرل سائنسیں مثلاً کیمسٹری - طبیعات - جانوریات - بوٹانی (نباتیات) - علم افعال الاعضا - علم تشریح اجسام - علم طبقات الارض - جغرافیا - ان میں بھی اصطلاحوں کا غلبہ ہے ' لیکن کسی قدر تشریحی مواد بھی بڑھ جاتا ہے -

(۳) علوم متعلق انسان ' جیسے نسلیات - اجتماعیات معاشیات ' فلسفہ ' سیاسیات ' فقہ ' نفسیات وغیرہ ان میں عام الفاظ اور بھی زیادہ ہوتے ہیں -

(۴) تاریخ - سیرت ' سفرنامے وغیرہ - ان میں اصطلاحات کو عام طرز ادا کے ماتحت کردیا جاتا ہے -

(۵) خالص ادب جس میں نظم - ڈرامہ ' فسانہ ' چھوٹی کہانی ' انشا وغیرہ داخل ہیں ' ان میں طرز ادا اور انداز بیان ہی سب کچھ ہے -

پہلے دو گروہوں کے لئے بہترین طریقۂ کار یہ ہوسکتا ہے کہ انگریزی اصطلاحوں کا زیادہ حصہ جوں کا توں لے لیا جائے - کرنا صرف یہ ہوگا کہ ہندستانی زبان کی خصوصیتوں کے لحاظ سے ان میں تصرف کرنا ہوگا' اس کے لئے مخصوص قاعدے بن سکتے ہیں - تیسرے گروہ کے لئے انگریزی سے اصطلاحوں کا لینا آسان نہیں - البتہ یہ ممکن ہے کہ ٹکسالی زبانوں (یعنی سنسکرت و عربی) سے لفظ حاصل کئے جاویں - ہم جنس زبانوں اور تدبھو عنصروں میں تلاش سے قابل اطمینان نتیجہ نکل سکتے ہیں - جہاں تک چوتھے گروہ کا تعلق ہے ہمیں خود ہندستانی ہی کے سرمایے پر نظر ڈالنا ہوگی - اور جو کمی رہ جائے گی وہ ہندستانی کی ٹکسالی کتابوں اور موجودہ زبانوں سے پوری کرنا ہوگی -

خالص ادب کی فوجی صف بندی نہیں کی جاسکتی - اور کسی تعمیری لٹریچر کے مصنف کی طبیعت کی روانی کو مخصوص ذخیرہ الفاظ کے استعمال کرنے پر مجبور نہ کرنا چاہئے - جب فرقہ پرستی کا جنون اتر جائے گا تو لوگوں کو جیسی طلب ہوگی خود بخود ویسے لفظ مل جائیں گے - اور جتنا بھی لکھنے والا عام لوگوں سے قریب ہوگا اتنا ہی وہ ایسی آسان زبان لکھے گا جو سب لوگ سمجھ سکیں - ہر زبان میں لٹریچر کی طرزیں مشکل و علمی بھی ہوتی ہیں اور آسان و سادہ بھی - وہ چند آدمیوں کو پسند آتی ہیں ' یہ ہزاروں آدمیوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی رہتی ہیں

اگر ان اُصول کے مطابق اصطلاحوں کے مسئلے پر اتفاق ہوجائے - اگر اس کی احتیاط ہو کہ زبان پر نامانوس اور اجنبی لفظوں اور آوازوں کا بار نہ پڑے، اور اگر اس کے تعمیری اُصولوں اور گرامر کے قاعدوں کا خاص لحاظ رکھا جائے ' تو اُردو اور موجودہ ہندی کی بڑھتی ہوئی علحدگی کو روکنا ' اور ایسی زبان کو ترقی دینا مشکل نہ ہوگا ' جو نہ صرف سندھ سے کوسی اور ہمالیہ سے ست پڑا تک کے وسیع علاقے کی تعلیم کا ذریعہ ہو ' بلکہ ہندستان کی عام زبان (مشترک لنگوافرنکا) کی ضرورت کو پورا کردے -

نواب مرزا شوق کی مثنویات کا ماخذ ـــــ ایک مطالعہ

(از مسٹر شہنشاہ حسین رضوی، مدیر خیاباں، لکھنؤ)

اردو شاعری میں شاید نواب مرزا شوق سے زیادہ کوئی بدنام*
نہیں ؟ نواب مرزا کا نہ کوئی دیوان ہے نہ کوئی
پیش گفت | مجموعہ کلام - لے دے کے صرف چار مثنویاں ہیں - ان
میں تین کا نام تک نہ لیجئے، صرف ایک یعنی مثنوی " زہر عشق "
کا ذکر کیجئے - سچ پوچھئے تو اسی زہر عشق کی صدقے میں شوق کا
نام اردو ادب کی تاریخ میں زندہ ہے اور زندہ رہے گا - لیکن افسوس ہے،
زہر عشق نے نواب مرزا کو بدنام بھی کر دیا، اور وہ نیک نام شاعروں میں
شمار نہیں ہوتے بلکہ بدنام شاعروں میں گنے جاتے ہیں - بہر کیف
زہر عشق اُن کے لئے کلنک کا ٹیکہ ہے اور ایسا ٹیکہ جو اُن کی شاعری کے
دامن سے کبھی نہیں چھوٹے گا - شوق نہ صرف عاشق مزاج واقع
تھے بلکہ اپنے عہد کے خوش گو شاعر اور شوخ طبع غزل گو -
انھوں نے تمام اصناف سخن پر طبع آزمائیاں کیں + لیکن جس طرح

---

* محبی مولانا عبدالماجد صاحب بی اے صاحب فلسفہ جذبات
نے شوق کی مثنوی زہر عشق پر ایک محققانہ مقالہ تحریر فرمایا ہے
جس کا عنوان " اردو کا بدنام شاعر ہے " یہ مضمون آپ نے مسلم اکیڈمی
کے اجلاس سے پڑھا تھا اس کے بعد ملک کے مختلف رسائل میں
شائع ہوا -

+ میرے پاس دو غزلیں شوق کی موجود ہیں جو کبھی طبع نہیں
ہوئیں - غزلوں کے پڑھنے سے شوق کا کلام معلوم نہیں ہوتا - ان میں
نہ زہر عشق کی سی وہ روزمرہ ہے اور نہ وہ تڑپ ہی ہے مانا غزل اور
چیز ہے اور مثنوی اور، لیکن غالب ہر جگہ غالب ہے تو کیا زہر عشق
کا شوق اور ہے اور غزل کا اور ؟

لکھنؤ کے بے شمار شاعر اپنی ترتیب و اشاعت دیوان کی حسرت لئے ہوئے تہ خاک ہو گئے - اِسی طرح شوق نے نہ کبھی دیوان جمع کیا نہ ہمارے سامنے ہے -

مختصر یہ ہے کہ نواب مرزا شوق کی شہرت صرف چند مثنویوں تک محدود ہے، جس میں دور حاضر میں " زہر عشق " نے ایک دبی ہوئی آگ کو بھڑکا دیا ہے - بچپن میں بھی زہر عشق کا نام سنتا تھا ' شریف گھرانوں میں مخرب اخلاق کتابوں کے ساتھ اس کا نام بھی نفرت کے ساتھ لیا جاتا تھا - بازاروں میں وہ چلتے پھرتے کتب فروش جو عوام کے مذاق کی چھوٹی چھوٹی دل خوش کن نظمیں - بارہ ماسے - قصے - کہانیاں - لئے ہوئے گشت لگایا کرتے تھے اُن کی صدا میں بھی زہر عشق شامل رہتی تھی - مجھے اس موقع پر سر والٹر اسکاٹ* کی " لے آف دی لاسٹ منسٹرل " کا بڈھا کوہر نکلا نغمہ سنج یاد آ گیا - بالکل ایسے ہی ایک بزرگ لکھنؤ میں تا ہنوز حیات ہیں - اور بڑے وجد میں گلی کوچوں میں - زہر عشق پڑھتے پھرتے ہیں - ان کے دم سے لکھنؤ والوں میں شوق مر مر کر زندہ ہوجاتے ہیں - خدا ان کو جزائے خیر دے - یورپ میں یہ بزرگ بھی پوجے جاتے' ہندستان میں نواب مرزا ہی کا نام لیوا کوئی نہیں -

حالی اور مثنویات شوق

شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی مغفور نے اپنے دیوان کے مقدمے میں لکھنؤ کی شاعری میں صرف نواب مرزا شوق کی مثنویات ' بہار عشق و زہر عشق ' کا اعتراف کیا ہے لیکن چونکہ مولانا کی رائے میں شعرائے لکھنؤ سے ایسی فصاحت و سلاست کی توقع نہیں ہو سکتی ' اس لئے اس کی وجہ یہ قرار دی کہ " نواب مرزا نے خواجہ میر اثر (نمبر ۱) (برادر خواجہ میر درد) کی مثنوی (نمبر ۲) دیکھی تھی اور اُس کا طرز اُڑایا تھا " (نوٹ ص ۲۳۴ پر درج ہے)

---

* Sir Walter Scott: Lay of the Last Minstrel

مولانا کے خواب و خیال میں کبھی بھی مثنوی خواب و خیال نہیں آئی - دیکھنا کیسا؟ صرف احباب سے چند شعر سن کر یاد کر لئے تھے - جس پر یہ راے ظاهر کر دی کہ نواب مرزا شوق نے لکھنؤ کی سوسائٹی کے خلاف زبان کا جو رخ بدلا ھے اس کی وجہ یہ ھے کہ مثنوی " خواب و خیال " اُس کا ماخذ ھے - کیوں کہ شوق کو دهلی کی زبان برتنے کا خیال اس مثنوی کو دیکھ کر پیدا هوا - اور اس کا ثبوت یہ ھے کہ مثنوی کے اکثر مصرعے اور شعر تھوڑے تھوڑے تفاوت میں موجود ھیں - بہر کیف مولانا نے جو ڈھاسی عمارت تعمیر کی ھے اُس کے متعلق "مقدمۂ شعر و شاعری" میں صاف صاف تحریر بھی کر دیا ھے:-

" یہ بات تعجب سے خالی نہیں کہ نواب مرزا شوق کو اپنے اسکول کے برخلاف مثنوی میں ایسی صاف اور بامحاورہ زبان برتنے کا خیال کیونکر پیدا هوا ' کیوں کہ جب سوسائٹی کا رخ دوسری طرف پھرا هوتا ھے تو اس کے مخالف رخ بدلنے کے لئے کسی خارجی تحریک کا هونا ضروری ھے - لہذا ظاهرا ایسا معلوم هوتا ھے کہ خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی خواجہ میر اثر نے جو مثنوی لکھی ھے جس کا نام ' خواب و خیال ھے ' اور جس کی شہرت ایک خاص وجہ سے پورب میں ھے - اس مثنوی میں جیسا کہ میں نے اپنے احباب سے سنا ھے تقریباً چالیس پینتالیس شعر اسی قسم کے ھیں جیسے کہ شوق نے ' بہار عشق' میں اختلاط کے موقع پر لکھے ھیں ' معلوم هوتا ھے کہ شوق کو ایسی زبان برتنے کا خیال اس مثنوی کو دیکھ کر پیدا هوا اور چوں کہ وہ ایک شوخ طبع آدمی تھا اور بیگموں کے محاورے پر بھی اس کو زیادہ عبور

نمبر (۱) سید محمد المتخلص بہ اثر—خواجہ میر درد کے برادر اصغر تھے - میر حسن اپنے تذکرۂ شعرا میں اثر کے متعلق کہتے ھیں :—

" درویشے ست موقر ، و صاحب سخنے ست موثر ' عالم فاضل رتبہ و قدرش بغایت بلند' گوهر صدرش نہایت ارجمند "

(۲) مثنوی خواب و خیال—مصنفۂ خواجہ میر اثر کی طرف اشارہ ھے ـ صاف صاف تحریر بھی کر دیا ھے -

تھا - اس نے اپنی مثنوی کی بنیاد خواب و خیال کے اُن ہی ۴۰ یا ۴۵ شعروں پر رکھی اور اُن معاملات کو جو خواجہ میر اثر کے ہاں ضمناً مختصر طور پر بیان ہوئے تھے اپنی مثنوی میں بہت وسعت کے ساتھ بیان کیا - اور جس قسم کے محاوروں کی بنیاد انھوں نے قائم کی تھی شوق نے اس پر ایک عمارت چن دی - اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ خواب و خیال کے اکثر مصرعے اور شعر تھوڑے تھوڑے تفاوت سے بہار عشق میں موجود ہیں "

مولوی عبدالحق بی - اے

مثنوی مذکور کم یاب تھی لیکن بھلا ہو مولوی عبدالحق بی اے - معتمد انجمن ترقی اردو کا جنھوں نے اسے ڈھونڈھ نکالا اور سنہ ۱۹۲۶ع میں انجمن کی طرف سے شائع بھی کر دیا - مولوی عبدالحق بھی مولانا حالی مرحوم کے ہم خیال ہیں اور مثنوی کے مقدمے میں آپ نے اِس بحث کو چھیڑا ہے اور یہ فیصلہ کیا ہے - اگر دونوں مثنویوں کے اس قسم کے اشعار برابر رکھ کر پڑھے جائیں تو صاف معلوم ہو جائے گا ' کہ شوق نے خواب و خیال ہی کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اس کی دیکھا دیکھی ان کو اس قسم کی زبان کہنے کا خیال پیدا ہوا - ورنہ شوق کے زمانے میں لکھنؤ کی شاعری الفاظ کا گورکھ دھندا بن کر رہ گئی تھی اور اس میں تصنع و تکلف انتہا درجے کو پہنچ گیا تھا - جن اشعار سے مذکورہ بالا نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کی گئی ' ہے وہ حسب ذیل ہیں - منظر دونوں کا اختلاط ہے ملاحظہ ہو :—

مثنوی خواب خیال :—		مثنوی بہار عشق :—
ہاتھا پائی میں ہانپتے جانا	(۱)	ہاتھا پائی میں ہانپتے جانا
کھلتے جانے میں ڈھانپتے جانا		چھوٹتے کپڑوں کو ڈھانپتے جانا
ہولے ہولے پکارتی تھیں کبھی	(۲)	چپکے چپکے پکارتی تھی کبھی
ڈھیلے ہاتھوں سے مارتی تھی کبھی		ڈھیلے ہاتھوں سے مارتی تھی کبھی
وہ ترا پیار سے لپٹ جانا	(۳)	کھول کر دل چمٹ چمٹ کے ملا
اور دل کھول کے چمٹ جانا		کیسا کیسا لپٹ لپٹ کے ملا

وہ ترا منہ سے منہ بھرا دینا (۴) کبھی منہ سے دیا چبا کر پان
وہ ترا جیبھ کا لڑا دینا کبھی مل کر لڑی زباں سے زبان

دونوں مثنویوں کے اشعار کیوں ملتے جلتے ہیں ؟ شوق سرقے کے مجرم ہیں یا نہیں ؟ اُن کی شاعری کا دارومدار صرف اسی سرقے پر ہے اور اگر یہ مسروقہ اشعار مثنوی سے خارج کردئے جائیں تو بھی وہ شاعر رہتے ہیں یا نہیں ؟ کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص جو زبان پر حاوی نہ ہو، وہ کسی کے کلام کو نمونہ بنا کر دیکھنے یا اخذ و سرقہ کرنے سے بہترین شاعر و زبان دان بن سکتا ہے یا نہیں ؟ یہ تنقیحات ہیں جو اس بحث کے سلسلے میں قابل غور ہیں اور محاکمے پر پہنچنے سے پہلے ہم کو ان تنقیحات کو اثبات یا نفی میں فیصل کرنا پڑے گا -

سرقہ - توارد اور ترقی ؟

اب سرقہ کیا ہے ، توارد کس کو کہتے ہیں اور ترقی کا معیار کیا ہے ؟ ان کی توضیح بھی لازمی ہے - یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جب کسی شاعر کے اشعار دوسرے شاعر کے اشعار سے متوارد یا متحدالخیال یا متحدالمضمون ہوں گے تو وہ یا تو سرقہ ہوگا یا توارد یا ترقی ؟

ترقی مستحسن چیز ہے اور اگر فی الحقیقت وہ ترقی ہے تو ایک اضافہ ہے، لیکن اِس کے یہ معنی نہیں کہ نقش اول، ہماری نظروں سے گر جائے اور نقش ثانی، عرش معلی پر نظر آئے - نہ نقش ثانی قابل تحسین نہ نقش اول قابل ملامت ، فرق دونوں میں یہ ہے کہ پہلا، نقش اول کا موجد ہے اور دوسرا، نقش ثانی میں مجدد -

توارد یہ ہے کہ مضمون بھی متفق ہو اور الفاظ بھی ملتے جلتے ہوں- اور اگرکوئی لفظی فرق ہو تو ایک دوسرے سے ممتاز و بہتر نہ ہو سکے- ذیل کے اشعار میں توارد و ترقی کا رنگ دیکھئے - ابی الفرح شراب کی لطافت بیان کرتا ہے -

لطفت فصارت من لطیف محلها تجری کجری الروح فی الاعضاء

مطلب—شراب کی لطافت کا کیا کہنا ؟ وہ تو اب ایسی لطیف ہو گئی ہے کہ اعضا میں روح کی طرح جاری و ساری ہے -

اس خیال لطیف کو ابن فارض مصری کس قدر ترقی دیتا ہے :—

صفاء ولا ماء و لطف ولا هواء   و نور ولا نار و روح و لا جسم

شراب صاف و شفاف ہے مگر پانی نہیں - لطیف ہے مگر ہوا نہیں ' نور ہے مگر نار نہیں - روح ہے مگر جسم سے مبرا -

اس سے زیادہ لطافت بھی ملاحظہ کر لیجیے ' متنبی کہتا ہے :—

رق الزجاج و راقت الخمر   فتشابها فتشاکل الامر

جام بلوریں اور مے کی لطافت و صفائی اس درجہ پر پہنچ گئی ہے کہ دونوں مشتبہ ہو گئے اور ظرف و مظروف میں کوئی امتیاز ہی نہیں رہا - متنبی کے خیال کو عرب کے دوسرے شاعر خالدی نے دوسرے طریقے سے کہا ہے ' وہ بھی ملاحظہ ہو :—

لست تدري لرقة و صفاء   هي في الكاس ام الكاس فيها

مطلب - صفائی و لطافت کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ شراب جام میں ہے یا جام شراب میں - متنبی اور خالدی دونوں کا خیال بجنسہ ایک ہے ' لیکن متنبی کے فتشاکل الامر (یعنی اب بڑی مشکل ہو گئی کہ امتیاز ظرف و مظروف نہ رہا) نے عجب کیف پیدا کر دیا ہے - یہ وہ حالت ہے کہ انتہائی حیرت سے قوت مدرکہ مشکل میں پڑ جاتی ہے - لیکن خالدی نے بھی کمال کر دیا - اس نے امتیاز میں اس قدر مبالغہ کیا کہ آخرکار کہ ہی دیا کہ " شراب جام میں ہے یا جام شراب میں "

بہر کیف ترقی کا سہرا خواہ متنبی کے سر ہو یا خالدی کے - آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ یہ دونوں شعر ابوتمام کے شعر سے ماخوذ ہیں - ابو تمام کا شعر یہ ہے -

يخفي الزجاجة لونها فكانما   في الكف قائمة بغير اناء

مطلب - رنگ شراب نے جام بلوریں کو چھپا دیا - یہ معلوم ہوتا ہے کہ شراب ہتھیلی پر بغیر جام کے ٹھہری ہوئی ہے - اس شعر کی تخییل اور جام شراب کی صفائی کا کیا کہنا ؟ کتنے ہی شعر اس سے پیدا کیے جاتے مگر اس کو نہیں پہنچ سکتے - عرب کے بہت سے شعرا نے

اس خیال پر طبع آزمائیاں کیں اور نزاکتیں دکھلائیں، لیکن ابو تمام کی گردپا کو بھی کوئی نہ پا سکا - حقیقت یہ ہے کہ مکمل شعر وہ ہے جس کا نہ ترجمہ ہو سکے نہ سرقہ ' اور اگر ایک حرف بھی اِدھر سے اُدھر ہو جاوے تو شعر کی تمام خوبیاں خاک میں مل جاویں - ابتدا میں فارسی شاعری، عربی شاعری کی خوشہ چین تھی اور جب عربی تمدن و تہذیب فارس کے قالب میں سرایت کر رہا تھا تو عربی شاعری کا اثر ایرانی شاعری پر اس قدر پڑا تھا کہ ایرانی، عربی خیال کو بلا تکلف فارسی میں نظم کرنے لگے تھے؛ لیکن اس کو ہم نہ توارد کہیں گے نہ سرقہ کیونکہ ان اشعار کی شان ترجمے کی سی تھی - خاقانی کا یہ مضمون کہ :—

ولد الزنا کش آمد چو ستارۂ یمانی

متنبی کے مضمون پر مبنی ہے - اسی طرح یہ سلسلہ اردو تک آبائی ورثے کی طرح پہنچا - فارسی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :—

خواجہ حافظ :— مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در محفل رندان خبرے نیست کہ نیست

سودا :— راز دیر و حرم افشا نہ کریں ہم ہرگز
ورنہ کیا چیز ہے یاں اپنی نظر سے باہر

باباافغانی :— مشکل حکایتے ست کہ ہر ذرہ عین اوست
اما نمی توان کہ اشارت باو کنند

میر :— پایا نہ یوں کہ کریے اس کی طرف اشارہ
یوں تو جہاں میں ہم نے اس کو کہاں نہ پایا

نظیری :— ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می‌کشد کہ جا اینجاست

میر :— جس جاے سراپا میں نظر جاتی ہے اس کے
آتا ہے میرے جی میں، یہیں عمر بسر ہو

نظیری :— درمیان کافران هم بوده ایم یک کمر شایستۂ زنار نیست
راسخ عظیم آبادی :— قابلیت هی نه تهی کفر کے رتبے کی ہمیں
سعی کی ' لیک نه شایستۂ زنار هوئے

ایسی مثالیں بے شمار ملیں گی مگر اس کے لیے پرسکون مطالعے اور وسعت نظر کی ضرورت هے - مهری کوتاه نظری سے هرگز یه نتیجه نه نکالنا چاهیے که یه سلسله بس یهیں پر ختم هوگیا - نهیں سلسله غیر متناهی هے - عربی سے عربی' پهر عربی سے فارسی' پهر فارسی سے فارسی' پهر فارسی سے اُردو ' اور آخر میں اُردو سے اُردو میں خیالات لیے جاتے رهے اور اس کا چلن همیشه سے چلا آتا رها - اس کو سرقه نه کہو بلکه اس کو ترقی کی ایک کوشش متصور کرو ' واقعه یه هے که جب کوئی شاعر یه دیکھتا هے که کوئی مضمون کسی شاعر ما سبق سے بحسن و خوبی نظم نه هو سکا تو وه خود نظم کرتا هے - اس کی مثالیں غزلیات و قصائد میں لا تعد هیں - اسی طرح اُردو مثنویوں میں ترجمے و اخذ کا مواد کثیر هے - جس کی چند مثالیں درج ذیل هیں -

حضرت نصیرالدین چراغ * دهلوی کی مثنوی تحفۃالنصائح شهرۂ آفاق هے - اس کا ترجمه گیارهویں صدی هجری میں دکن کے قطب شاهی دربار کے ایک شاعر نے اُردو میں کیا - چند اشعار ملاحظه هوں' کیسا لفظی ترجمه هے - یه شخص قطبی + تخلص کرتا تها -

تحفۃالنصائح :— حمدے بگویم بے عدد مر خالق جن و بشر
قطبی —(ترجمه) بولوں صفت میں بے گنت اس خالق جن و بشر
تحفه :— کرده معلق آسماں هم اختراں شمس و قمر
قطبی :— نر دهار کر آسماں رکھیا سورج ستارے هور چندر
(رکھا) (اور چاند)

---

* چراغ - وفات ۷۹۸ ھ مطابق ۱۳۵۶ع ' مزار پرانی دلی میں موجود هے -

+ قطبی ۱۰۳۳ع میں محمد قلی قطب شاه بادشاه گولکنڈه کے دربار میں تها -

ترجمہ :— ہرمے بداده عرش را پرده ز بالش غالوے
یعنی :— دیکھا بزرگی عرش کوں پلنگ اڑے یک پائے تھی
(کو)

تقریباً اسی عہد میں بیجاپور کے عادل شاہی شاعر خوشنود * نے حضرت امیر خسرو کی مثنوی ہشت بہشت کا ترجمہ کیا -

اب عاشقانہ مثنویوں کو لیجئے ' بہرام و گل بانو - طبعی † کی مثنوی ہے اور غواصی ‡ کی مثنوی سیف‌الملوک ہے -

وجیہ‌الدین وجدی دربار محمد قلی قطب شاہ کے شاعر نے حضرت فریدالدین عطار کے خسرو نامہ کا اُردو ترجمہ کیا اور نام تحفۃ‌العاشقین رکھا - مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے :—

کروں پاک دل اور زباں پاک سوں
ثنا پاک اس عاشق پاک سوں

امین اور دولت بھی قطب شاہی شاعر تھے - امین نے مثنوی بہرام اور بانو حسن کی ابتدا کی ' دولت نے اس کو ختم کیا - یہ مثنوی بھی فارسی کی ایک مثنوی بہرام و گل اندام سے ماخوذ ہے - یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ فارسی اور اردو کی ان دونوں مثنویوں میں بہت سی باتیں ملتی ہیں اور بہت سی نہیں ملتیں - ظاہر ہے کہ دو ہی صورتیں ممکن ہوسکتی ہیں- ایک توارد اور دوسری اخذ یا سرقہ - توارد کا خیال اس لئے نہیں ہوتا کہ اتنے کثیر مقامات پر اتحاد خیال

---

* خوشنود - دربار محمد عادل شاہ بادشاہ بیجاپور کا شاعر تھا - عادل شاہ ۱۰۳۶ع سے سنہ ۱۰۶۷ع تک سریر آرائے حکومت رہا -

† طبعی ' بھی قطب شاہی دربار کا شاعر ہے - مثنوی کا یہ شعر (اتھا سال تاریخ کا خوب ..سنہ ایک ہزار اور ہفتاد ایک) عہد قطب شاہی کو ثابت کرتا ہے -

‡ غواصی ' عبداللہ قطب شاہ بادشاہ گولکنڈہ کا درباری شاعر تھا - سیف‌الملوک کے ایک شعر سے پتا چلتا ہے کہ مثنوی سنہ ۱۰۲۷ع میں مکمل ہوئی -

ہے۔ لیے رہا سرقہ و اخذ ؛ سرقہ اس وجہ سے نہیں کہ مجرم خود شاعر ہے اور اس کی شاعری کا دارومدار لے دے کے اسی مثنوی پر نہیں۔ اس کا مجموعۂ کلام موجود ہے ، جو اردو شاعری میں ممتاز جگہ پانے کا استحقاق رکھتا ہے۔

فارسی مثنوی بہرام وگل اندام کا مصنف بھی ایک شخص امین ہے اور اردو کا مترجم بھی امین۔ لیکن سچ پوچھیے تو امین فارسی سے امین اردو بہتر ہے۔ اور یہ کہنا کہ امین اردو کی شاعری ماخوذ یا مسروق ہے ، ایک تنگ نظری اور نفسانی جذبہ ہے۔

اسی طرح نسیم کی گلزار نسیم اور ریحان کی مثنوی باغ و بہار ہے۔ ریحان بھی نسیم سے چودہ برس پہلے موجود تھے۔ انہوں نے ابھی قصہ "گل بکاؤلی" انہیں ناموں اور اسی بحر میں نظم کیا تھا۔ مگر نقاد فیصلہ کرسکتا ہے کہ دونوں میں کون مثنوی بہتر ہے۔ باغ و بہار یا گلزار نسیم ، کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ہندوستان اور اس کی اردو زبان کی خصوصیات و تعلقات نے اردو شاعری میں وہ رموز شاعری و نکات شاعری و لہود لعب جمع کردیے ہیں کہ وہ دنیا کی دوسری زبانوں کی شاعری میں نہیں۔ یہ خام خیالی ہے کہ ہر ادیب شاعری کا نقاد بھی ہوسکتا ہے۔ شعر میں بہت سی ایسی باریکیاں ہوتی ہیں جن پر ایسے نقاد کی نظر جس نے کبھی ایک مصرع بھی نظم نہ کیا ہو ، نہیں جاتی۔ لہٰذا شاعر ماسبق کو مابعد کے ترقی پذیر شعرا پر ترجیح دینا اور آخرالذکر کو سرقہ یا توارد کا مجرم قرار دینا بےانصافی ہی نہیں ، بلکہ ان کی حق کشی ہے۔ محض تاریخی سبقت پر کوئی بھی گوے سبقت نہیں لےجاسکتا بلکہ حقیقی سبقت کا سہرا اسی شاعر کے سر ہے جس کے مخصوص الخیال اشعار نے وہ خصوصیات پیدا کیں جو دوسروں کو نصیب نہیں ہوئیں۔ اب اس استدلال کی روشنی میں ریحان کی باغ و بہار اور نسیم کی گلزار نسیم کا موازنہ کیجیے۔

ریحان :— یوں کہتے ہیں راویان آگاہ
تھا شرق کی سرزمیں کوئی شاہ

لفظ ' سر زمین ' کے بعد " میں " ہونا چاہیئے - حرف ظرف کے حذف ہونے سے مصرع مہمل ہوگیا -

دوسرا شعر :— تھا زین ملوک نام جس کا دوران فلک غلام جس کا

زین الملوک ریحان سے نظم نہ ہو سکا - اور دوسرے مصرع میں بجائے فلک کے وزن پورا کرنے کے لئے " دوران فلک " نظم کیا - دوران فلک غلام نہیں ہو سکتا - البتہ فلک ہو سکتا ہے - مصرع مہمل ہو گیا

اب نسیم نے اسی مضمون کو نظم کیا ہے -

نسیم :— پورب میں ایک تھا شہنشاہ سلطان زین الملوک ذیجاہ

تاج الملوک نے بکاولی کو سوتے ہوئے دیکھا تو اس کے دل میں جذبۂ عشق بیدار ہو گیا - دونوں اس جذبے کی مصوری کرتے ہیں -

ریحان :— جب تاج نے دیکھا وہ سراپا سو دل سے ہوا پری پہ شیدا
چاہے تھا کہ جی سے ہاتھ دھوکر جا گر پڑے بے تحاشا اس پر

نسیم :— چاہا کہ بلا گلے لگادے سوتے ہوئے فتنے کو جگادے
سوچا کہ یہ زلف کف میں لینی
ہے سانپ کے منہ میں انگلی دینی

اب اس بحث کو طول دینا مقصود نہیں - مدعا یہ ہے کہ سلف سے آج تک جتنے بھی شعرا گزرے ہیں' ان میں اس قسم کی مثالیں ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں ملیں گی - ایک نے ایک مضمون کو نظم کیا - دوسرے کے دماغ میں بھی وہ خیال آیا - اور اس نے بھی نظم کیا - بہت ممکن ہے کہ دونوں کے الفاظ بھی ملتے جلتے ہوجائیں' لیکن اگر اس قسم کی کوئی مثال پیش نظر ہوجائے تو اس وقت ہمارا فرض ہوگا کہ ہم دیکھیں کہ دونوں میں کس کا شعر ترقی یافتہ ہے' جو ترقی یافتہ ہوگا بس اسی کے سر فوقیت کا سہرا بندھےگا -

آپ بھی اس استدلال کی روشنی میں خواجہ اثر اور شوق کی مثنویات کا مطالعہ کیجیے - ملاحظہ ہو - اشعار زیر بحث حسب ذیل ہیں - مثنوی خواب و خیال :—

ہاتھا پائی میں ہانپتے جانا کھلتے جانے میں ڈھانپتے جانا

مثنوی بہار عشق :— ہاتھا پائی میں ہانپتے جانا
چھوٹے کپڑوں کو ڈھانپتے جانا

دونوں شعر عریاں ہیں' مگر شوق نے اپنے دوسرے مصرع میں " چھوٹے کپڑوں " سے ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے - سوتے وقت کے کپڑے بالعموم چھوٹے اور مختصر ہوتے ہیں - یہ دستور ہر تہذیب

میں ہے - کچھ ہندوستان پر منحصر نہیں - اس لباس کا مقصد نہ صرف آسائش و آرام ہے بلکہ حسن کو نیم عریاں بھی رکھنا ہے - لاکھ کچھ بھی ہو، چھوٹے کپڑے پھر بھی لباس ہیں - ہاتھا پائی کے بعد بے غیرتی کی حد شروع ہوتی تھی - لیکن شوق نے "ڈھانپکے جانا" سے بے شرمی کو اپنی حدود سے تجاوز نہ ہونے دیا - اور تصورات کے راستے کو مسدود کر دیا - لیکن خواجہ کے "کھلتے جانے میں" اولاً مصدر ترکیبی کی ظرفیت غیر فصیح تھی - دوسرے کھلتے جانے میں ذم کا ایک پہلو نکلتا تھا - شوق نے اپنے مصرع سے جو یقیناً ترقی ہے - حیا کی آبرو رکھ لی - اب انصاف کیجیے کہ ہاتھا پائی کی حد معین ہوتی ہے یا نہیں؟ اور باوجود اس بے حیائی کے جو ہاتھا پائی سے پیدا ہو رہی تھی اس کے بعد کے منظر کو اپنے آخری حدود تک نہیں پہنچنے دیا -

مثنوی خواب و خیال :— مثنوی بہار عشق :—

ہولے ہولے پکارتی تھی کبھی چپکے چپکے پکارتی تھی کبھی
ڈھیلے ہاتھوں سے مارتی کبھی ڈھیلے ہاتھوں سے مارتی تھی کبھی

دونوں شعروں کا مضمون ایک ہے - لیکن ذرا مدنظر رہے کہ خواجہ کا شعر ایک مشرقی عورت کی بے حجابانہ تصویر کھینچتا ہے اور شوق کا مرد کا مرقع پیش کرتا ہے - عورت کا اقدام کس قدر حیا سوز تھا - شوق نے کس خوب صورتی سے اس کو مرد کی طرف منسوب کر دیا - اب انصاف کیجیے کہ کس کا شعر مرتفع ہوگیا - زبان میں لوچ قدرت کی طرف سے پیدا ہوتا ہے - ہماری تو سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ کیوں کر ایک نمونے کو پیش نظر رکھ کر زبان کہی جا سکتی ہے - اگر ایسا ہے تو ہر شخص کے امکان میں ہے کہ وہ انیس، سرور یا آزاد بن جائے- نواب مرزا شوق نے خدا اُن کی روح کو نہ شرمائے، بہت ممکن ہے کہ میر اثر کی مثنوی خواب و خیال سے سرقہ کیا ہو، لیکن اتنا ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ اگر مرقومہ بالا اشعار کا توازن کیا جائے تو شوق کے اشعار کا پلہ بھاری نکلے گا - خواب و خیال

کے زیر بحث اشعار پست اور بے کیف ہیں' لیکن شوق کے اشعار میں نیم عریانی بھی شرم و حیا میں ملبوس نظر آتی ہے - ہم نے خواب و خیال اور بہار عشق کا ساتھ ساتھ مطالعہ کیا ہے - خواب و خیال کا کیا کہنا ؟ کو دی کیا تعریف کرے ؟ - لیکن اردو کے بدنام شاعر کی مثنویاں بھی اچھوتی ہیں - اور اُن میں مثنوی زہر عشق کو جو خصوصیت و امتیاز حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں - بہار عشق نہیں' بلکہ زہر عشق شوق کا شاہکار ہے - اور زہر عشق ہی سے شوق کی مثنوی نگاری کے جوہر آشکار ہوتے ہیں - پھر نوع اس وقت بحث بہار عشق سے ہے - لہذا زہر عشق کے متعلق خامہ فرسائی سے کیا حاصل ہے - سوال یہ ہے کہ اگر بفرض محال یہ تسلیم ہی کر لیا جائے کہ شوق نے اثر کا طرز اُڑایا ہے تو بھی یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ شوق نے اپنی زبان کے لوچ سے اثر کے اشعار کو اپنا کر لیا -

یہ دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مثنوی خواب و خیال شوق کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی' اور اگر ہوتی بھی تو لکھنؤ کے دور آخر کی شاعری جس ڈھرے پر چلی آ رہی تھی وہ دلی کا طرز اُڑانے کے لیے ہرگز تیار نہ تھی - دلی کے متعدد شاعر لکھنؤ میں اپنا اپنا رنگ لے کر آئے - آباد ہوئے' چمکے' نام کئے - مر کھپ گئے اور اُن کا رنگ اُن کے ساتھ تہ خاک ہو گیا - لکھنؤ والوں کا دلی کے طرز شاعری کی طرف رجحان ہی نہ تھا - ان کی دنیا الگ تھی - یہ بے چارے گل و بلبل کے دھندے والے' ان کو سوز و گداز سے کیا سروکار ؟ یہ اپنی دھن میں کھوئے تھے - پھر اگر رو میں کہیں سوز پیدا ہو جاتے' اور دلی کا مزہ آنے لگے تو آ جاوے ان کو اس کی پرواہ بھی نہ تھی - یہ ہماری ذاتی رائے نہیں بلکہ دہلی اور لکھنؤ اسکول شاعری پر تنقید کرنے والوں کا متفقہ محاکمہ ہے - اس اعتبار سے اگر ہم یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ لکھنؤ اسکول کی شاعری بے کیف تھی تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ لکھنؤ اسکول' دلی والوں کی تقلید کا دو صلف شاعری میں بے نیاز ہے -

آخر میں میری باادب استدعا ہے کہ اہل کمال کے کمالات پر گمنامی کی خاک' نہ ڈالیے ورنہ استداد زمانہ ان کے نام کے ساتھ ان کے کمال کو جو وہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک ورثہ چھوڑ گئے ہیں فنا کر دے گا - اور اس طرح انسانیت کی تاریخ کا شیرازہ بکھر جائے گا اور اس کے اجزا منتشر ہو کر نابود ہو جائیں گے -

رسالے اور اُن کے خاص خاص مضامین

اُردو ، سہ ماہی ، دہلی - جنوری سنہ ۱۹۲۴ع

۱—ایک قدیم اردو شاعر ، راجا رام از سید ظہیرالدین مدنی ، احمدآباد -

۲—اصفہان کی بعض ادبی انجمنیں اور شعرا ، تیرھویں صدی ہجری میں - نوشتہ آقاے جلال ہمائی ، در مجلۂ مہر ، طہران ، (ترجمہ جناب محوی لکھنوی) -

۳—سرسید کے لکچر ... از سید رشیدالحسن

۴—خطبۂ صدارت کل ہند اردو کانفرنس ، ناگ پور - نواب صدر یار جنگ - مولانا حبیب‌الرحمان خاں شیروانی -

۶—رپورٹ انجمن ترقی اردو ... ڈاکٹر عبدالحق

۸—اصلاح رسم خط ... سید ہاشمی فریدآبادی

۷—سہ ماہی تبصرہ ... حیات‌الله انصاری

زیر نظر رسالے میں " اصلاح رسم خط " کے متعلق ایک نہایت مفید مضمون ہے - یہ ایک حقیقت ہے کہ " یہ مسئلہ زبان اردو کی ترویج و اشاعت کے حق میں بڑی اہمیت رکھتا ہے " - اس میں ناظرین رسالۂ اردو سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اس تمام کارروائی کو بہ غور مطالعہ فرمائیں ، اور مناسب ہو تو اپنی راے اور مشورے سے استفادے کا موقع دیں - انجمن ترقی اردو ان اصلاحات کو عام طور پر ملک میں رواج دینا چاہتی ہے -

اصلاح رسم خط کے متعلق انجمن ترقی اردو کافی عرصے سے غور کر رہی ہے - گذشتہ سال مولوی سید ہاشمی نے مزید اصلاحات کے متعلق ایک تجویز انجمن کے سامنے پیش کی جو بعض مخصوص اصحاب کے پاس بھیجی گئی اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی صدارت میں اس پر غور کیا گیا - اصل مقصد رسم خط کو آسان تر بنانا ہے تاکہ تعلیمی ضرورتوں ، خاص کر ان پڑھ بالغوں کی تعلیم میں آسانی ہو - انجمن کی مقرر کردہ کمیٹی نے ۲۲ مارچ سنہ ۴۳ کے اجلاس میں چند تجویزیں مرتب کی ہیں - یہ تجویزیں ۲۱ جنوری سنہ ۴۳ء کی کل ہند اردو کانفرنس ناگپور میں خفیف ترمیم و اضافے کے ساتھ منظور کی گئی ہیں - (یہ تجویزیں ۱۶ ستمبر سنہ ۴۳ء کے اخبار ہماری زبان میں بھی شائع ہوچکی ہیں - اور ملخصاً زیر نظر رسالے میں بھی درج کی گئی ہیں) -

معاملہ اتنا اہم ہے کہ ہم انجمن ترقی اردو سے درخواست کریں گے کہ ملک میں رواج دینے سے پہلے ان تجاویز پر دوبارہ اہل نظر کی رائے لی جائے - اور نئی تجویزوں کے لیے بھی دروازہ کھلا رکھا جائے - ہمارے ملک کے تعلیمی ادارے اور وہ حضرات بھی اس مشورے میں شریک کیے جائیں ، جو گو اردو رسم خط کا استعمال نہیں کرتے لیکن اپنی زبانوں کو عربی فارسی رسم خط میں ترمیم کرکے ملکی رسم خط بنا لیتے ہیں - مثلاً سندھ میں سندھی رسم خط جاری ہے - اُنہوں نے خالص سندھی اصوات کے لیے عربی فارسی حروف میں ترمیم کر لی ہے - پشتو بولنے والوں نے بھی یہی کیا ہے - اور اُن علاقوں میں جو ہندستان یا افغانستان میں ہیں ، فارسی حروف کے علاوہ چند پشتو حروف بھی بنا لیے ہیں -

سندھ میں موجودہ سندھی رسم خط میں جب ڈائرکٹر تعلیمات نے (غالباً سنہ ۱۹۴۱ع میں) کچھ ترمیم کرنا چاہی اور ٹ - ڑ - ڈ - اور مخلوط الہا اصوات کے لیے اردو رسم خط سے استفادے کی طرف توجہ دلائی ، تو اکثر ناواقفوں نے یہ سمجھا کہ شاید اُن کے " سندھی " رسم

خط کو عربی اور مسلمانی خط بدلایا جا رہا ہے - اسی طرح صوبۂ سرحد کے شہروں میں نستعلیق کتابیں رائج ہیں - اردو کا خط نستعلیق ہے اور پشتو کا نسخ ہے - محکمۂ تعلیمات کا یہ کام ہے کہ دونوں خطوں میں سے وہ خط پسند کرے جو دیہات اور شہر کی خطی خلیج کو پاٹ دے -

رسم خط اور املا کی اصلاح کے سلسلے میں، انجمن کے علاوہ بعض اور اصحاب نے بھی غور کیا ہے - اور مختلف تجویزیں ملک کے سامنے آ چکی ہیں - اُن سب کا خلاصہ یہ ہے -

(۱) طباعت کی روز افزوں ترقی کا ساتھ دینے کے لیے ضروری ہے کہ اردو کے لیے ٹائپ اختیار کر لیا جاوے -

(۲) اردو ابجد میں بعض حروف علت اور اعراب کم ہیں اِس کمی کو پورا کیا جائے، لیکن شرط یہ ہے کہ جدت انقلابی نہ ہو، ارتقائی ہو -

(۳) اردو ابجد میں بعض حروف صحیح، زیادہ یا غیر ضروری معلوم ہوتے ہیں اُنھیں ساقط سمجھا جاوے -

(۴) اردو املا میں بعض خامیاں ہیں اُنھیں دور کر دیا جاوے - (یہاں املا سے مراد مفرد حرفوں کو مرکب بنا کر لکھنے سے ہے) -

پہلی تجویز کے متعلق انجمن ترقی اُردو نے اپنے مسلک کا بارہا اعلان کیا ہے - اور وہ نسخ ٹائپ کی حامی ہے - حیدرآباد کے ارباب فن نے نستعلیق ٹائپ بھی ایجاد کر لیا تھا - اور ایک صاحب دھلی میں بھی اِس کوشش میں کام یاب ہو گئے تھے - لیکن یہ ملک میں مقبول نہیں ہوا - حقیقت یہ ہے کہ نستعلیق ایسا فن لطیف ہے کہ مشین کی جکڑ بندیوں کا حامل نہیں - یہ ایک قسم کی مصوری ہے اور مصوری میکانکی قوانین کو کس طرح برداشت کر سکتی ہے ؟ پھر نستعلیق ٹائپ میں جوڑوں کی اتنی کثرت ہو جاتی ہے کہ ٹائپ کی طباعت کا مفاد یعنی سرعت و صفائی کا پہلا جز مفقود ہو جاتا ہے -

اس تجربے سے فائدہ اُٹھا کر مولوی سجاد مرزا صاحب پرنسپل عثمانیہ ٹریننگ کالج نے " بنیادی خط " ایجاد کیا ہے - جس میں یہ خوبی ہے کہ جوڑ بہت کم ہو گئے ہیں اور حرفوں کی کرسی ایک خط مستقیم پر ہے ' جو بہت بھلی معلوم ہوتی ہے - لیکن یہی خوبی ہمیں نسخ کے دوائر سے محروم کر دیتی ہے اور عادت نے جو جمالیاتی تصور قائم کر دیا ہے اُس سے ٹکرا جاتی ہے- امید ہے کہ یہ نقص اور بعض متجانس‌الخط حروف کا اضافہ آئندہ کوشش سے دور ہو جائے گا -

دوسری تجویز کے سلسلے میں جہاں تک اعراب کا تعلق ہے انجمن کی کمیٹی نے کوئی رائے نہیں دی - اس سلسلے میں بہت سے مضامین شائع ہو چکے ہیں ' جن میں سے بعض یہ ہیں :—

۱—نیا قاعدہ—از محمد اجمل خاں سنہ ۱۹۳۹ع کتاب گھر الہ‌آباد -

(۲) اردو رسم‌الخط کی تنظیم اور اُس کی دلیل پر بنیاد - از پنڈت بنسی لال ، ام - اے - بی - ٹی پروفیسر گورنمنٹ کالج دھرم سالہ ـ ضلع کانگڑہ سنہ ۱۹۴۰ع -

(۳) اُردو اعراب از - پروفیسر محمد حمیداللہ - ایک مقالہ جو موتمر مستشرقین ھند کے شعبۂ اردو میں دسمبر سنہ ۱۹۴۱ع میں بمقام حیدر آباد سنایا گیا - حبیب کمپنی اسٹیشن روڈ حیدر آباد (دکن) نے شائع کیا ہے -

اصلاح رسم خط کی کمیٹی کی ۲۲ مارچ کی روداد میں اعراب کی کمی کو محسوس کیا گیا ہے - لیکن یہ دقت صرف غیر اُردو زبانوں کے لیے نہیں ' خود اردو کے لیے بھی پڑھنے پڑھانے والوں کو بھی محسوس ہوتی رہتی ہے - اس لیے انجمن اور دوسرے اصحاب کو سب سے پہلے ادھر توجہ کرنا چاہیے - کمیٹی کا قول ہے کہ اس کو " اس امر کا پورا احساس ہے کہ کسی غیر زبان کے لفظوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرنے کے لیے یہ تدبیر (یعنی لفظوں کے اجزا کو الگ الگ

لکھنا) ناکافی ھے ' اور لغت اور لسانیات وغیرہ کی کتابوں کے لیے هر زبان کی خصوصیتوں کو پیش نظر رکھ کر زیادہ تفصیلی تجویزیں عمل میں لانے کی ضرورت ھے " (ص ۱۱۵ - ۱۱۶) ۔

الیکن حروف علت میں سے " یا " اور " واو " کو انجمن جن خاص طریقوں سے لکھنا اختیار کر چکی ھے انھیں پر قرار رکھا گیا ھے (تجویز ۳ و ۹) - اور الف اور واو کی طرح " یا " کو بھی حروف منفصل قرار دیا گیا ھے -

ھمارے خیال میں اگر واو اور یا کی شکلوں میں کچھ ترمیم کر دی جائے تو اردو کتابت کی ایک بڑی دشواری حل ھو جائے ' مثلاً —

(۱) واو معروف اور یاے معروف کی وھی شکلیں باقی رکھی جائیں جو عربی یا فارسی میں موجود ھیں انجمن نے واو معروف کے لیے جو اُلٹا پیش ایجاد کیا ھے وہ اس واو پر حرکات یا اعراب کے داخلے کو مشکل بنا دیتا ھے -

(۲) واو مجہول ' یا ھندستانی واو کا سرا مثل O کے خالی رکھا جاے - جیسے اور - چور ' بھور کے لفظوں میں -

(۳) یاے مجہول کے نقطے برابر نہ لکھے جائیں بلکہ اوپر نیچے لکھے جائیں ' جیسے ' بھر ' ریل ' کھیل ' میرا ' تیرا ' میلا وغیرہ میں ممکن ھے -

مندرجۂ بالا تجاویز میں سے نمبر (۳) بعض حروف صحیح کی زیادتی سے تعلق رکھتی ھے - اس سلسلے میں انجمن کی کمیٹی کے ایک گروہ نے یہ تجویز کی ھے " جہاں آسانی سے ممکن ھو وھاں ھمزہ کی بجاے حرف الف ھی سے کام لیا جائے جیسے عزرا ایل ' سا ایس وغیرہ - ھم اس گروہ سے متفق ھیں - (تجویز نمبر ۲ ص ۱۱۸)

لیکن اسی سلسلے میں قرار داد نمبر ۱۰ ص ۱۱۹ کی اس اصلاح کو پسند نہیں کرتے جس میں " عربی " کے ھم آواز حروف

کو جن کی تین (ث ' س ' ص) اور چار (ز ' ذ ' ض ' ظ)
پر شکلیں ہیں گھٹا کر صرف (ث اور س) اور (ذ اور ظ)
اکتفا کرنے کی اجازت مانگی گئی ہے -

اس اصلاح کی ضرورت شاید اس وجہ سے پیش آ ی ہے کہ اردو
میں ان حروف اور دوسرے متشابہ الصوت حرفوں کو ایک ہی طرح پر
ادا کیا جاتا ہے - کوئی " مصالحہ " نہیں کہتا - سب مسالا کہتے
ہیں - لہذا جس طرح بولتے ہیں اُسی طِرح لکھنا چاہیے - یہاں اصلاح
رسم خط کا سوال باقی نہیں رہتا بلکہ اصلاح تلفظ کا سوال سامنے
آتا ہے - یعنی کیا کسی قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ دوسروں کی
زبان کے لفظوں کو صحیح طور پر ادا کرسکنے کی استعداد کے باوجود
عوام اور ان پڑھ لوگوں کی آسانی کے لیے اس طرح ادا کرے کہ اہل
زبان ادا نہیں کرتے ؟ ہماری راے میں یہ بالکل فن لسانیات وصوتیات
سے ناواقفیت کا اظہار ہوگا ۔ اگر ہم اہل زبان کے لب و لہجے کی
استعداد اور فطری آسانی ہونے کے باوجود ' اصل تلفظ کو بدلنے کی
کوشش کریں - اگر اردو کے لیے ایسی اصلاحات کا دروازہ کھولا گیا تو
یقیناً دیہات کے باشندے اپنی کثرت تعداد اور شاید خلقی دشواریوں
کا حوالہ دے کر محکمۂ تعلیم کو توجہ دلائیں گے کہ ث ' ص ' ح ' خ '
ذ ' ز ' ض ' ظ ' ز ' ش ' ع ' غ ' ف ' ق ' کو اردو حروف تہجی سے خارج کر
دیا جاے ' اس لیے کہ وہ " مجبور کھداوند نیست کے کانوں کے متابک
اپنی کسرت تاداد سے جرور پھائدہ وگلبہ ہاسل کرنا چاہیں گے "

پھرعرب کے بدوی ق کو گ ' مصری عوام ج کو گ ' حیدرآبادی
خ کو ق ' ق کو خ ' بنگالی ز کو ج ' ج کو ز ' پنجابی ق کو ک اور ایرانی
ک کو چ سے بدلنے کا مطالبہ کریں گے - اور معلوم نہیں کہ عربی - فارسی سے
جو " اردوے ہندوستانی " رسم خط بنتا ہے وہ کہا سے کہا ہو جاے گا -
اور اکثر متجانس الصوت الفاظ لکھنے کے بعد کچھ سے کچھ ہو جاویں -
گے اور ظن ' زن - قرظ (ببول) ' قرض - ظرر (نوکدار پتھر) ' ضرر '
ظاہر ' زاہر - ظلیل ' (جنلمت) ' ذلیل - ظلف (دشوار گزار) ' زلف -
سلم (کوہان) ' صلم - سبح (تیرنا) ' صبح - ساحب (جاری) '

صاحب - صادل (شریر) سادل - صدا ' سدا - صر صرٗ سر سر - صیدٗ سید وغیرہ میں امتیاز مشکل ہو جاے گا -

جرمن کے سوا شاید کسی یوروپین زبان کے حروف ہجا و تلفظ میں ہم آہنگی نہیں - انگریزی حروف تو اتلے ناقص ہیں کہ برنرڈ شا نے سولہ مزید حروف ایجاد کر کے یہ دعوا کیا ہے کہ اب وہ اپنا نام بجاے چار حرفوں کے ' روسیوں کی طرح ' صرف دو حرفوں سے لکھ سکتے ہیں - شاید وہ اردوے ہندوستانی یا عربی و فارسی خط سے واقف نہیں ورنہ وہ دیکھتے کہ یہاں یہ بات پہلے سے موجود ہے - لیکن باوجود اس دشواری کے انگریز اپنے غیر معقول رسم خط کو تلفظ (Spelling) کے مطابق نہیں بنا سکے حتی کہ معمولی امریکن اصلاحات کو بھی قبول نہیں کرتے مثلاً Program ' Color ' Thru وغیرہ میں اصلاح کے سختی سے مخالف ہیں -

اس میں شبہ نہیں کہ اصل رسم خط کسی زمانے میں تلفظ کے مطابق رہا ہوگا - گو اب مرور زمانہ سے تلفظ کی شکلیں بدل گئی ہیں اور آئندہ بھی بدلتی رہیں گی - اس لیے Daughter, میں gh بجاے خ کے ' Right میں بجاے س کے ' اور جرمن nicht میں بجاے س یا ش کے رہا ہوگا - اور اب تک باقی رکھا گیا ہے - اسی طرح Q کا وجود ق کی ابتدائی آواز کی طرف ' اور X کا وجود پشتو (س + ز) کی مخلوط آواز کی طرف رہ نمائی کرتا ہے - غالباً اسی لیے ماہرین زبان تلفظ کو عوام کی بولی کے مطابق بنانا پسند نہیں کرتے ' املا یا ہجے کرنے کی اصلاح (Spelling Reform) کے سلسلے میں Adolf Myers کا یہ قول ہے :—

"The irrational spelling of words imposes a grievous burden even on those whose natural language is English; that the Eastern learner should be expected to master it is grotesque. As the great philologist, Grimm, observed "Were it not for a whimsical antiquated orthography, the universality of English would be still more evident." (Basic Way to English. (Times Bombay.)

همیں اختیار ہے کہ تلفظ اور رسم خط کی مطابقت میں جس گروہ کا چاہیں ساتھ دیں لیکن یہ خیال رہے کہ اردو کے قدامت پسند گروہ کے سامنے وہ دشواری نہیں ہے جو انگریزی گروہ کے سامنے ہے - ہم جس طرح لکھتے ہیں اُسی طرح نہ صرف بولتے ہیں - (یا بول سکتے ہیں) بلکہ اُسی طرح بولنے والے سنٹرل ایشیا سے جبرالٹر تک موجود ہیں - حقیقت میں یہ اصلاح رسم خط نہ ہوگی ' اصلاح تلفظ ہوجائے گی - جس کا غالباً ہمیں کوئی حق یا ضرورت نہیں ہے - یہ صرف اُن ہی لوگوں کا حق ہے جن کی زبانوں سے اردو نے الفاظ حاصل کیے ہیں - اور جب ہم امدادی زبان ' پوشک بھاشا یا Feeding Language کے مسئلے کو بھی اصلاح املا کے ساتھ ساتھ اپنے سامنے رکھیں تو امداد دینے والی زبانوں میں کسی طرح بھی تبدیلی کرنے کا امکان باقی نہیں رہتا -

چوتھی تجویز کا تعلق اردو املا کی خامیوں سے ہے - انجمن نے دو صورتیں پیش کی ہیں :—

اول یہ کہ بعض مخلوط الہا حروف کو الگ الگ نہ لکھا جائے - تاکہ اِس ادغام کے بعد وہ حروف ایک ہی حرف بن جائیں اور بھ ' جھ ' کھ کی طرح دھ ' ڈھ ' رھ ' ڑھ میں اصل حرف کو ھ سے ملا کر لکھا جائے (تجویز نمبر ۳) ' اور اصل حروف یعنی د ' ڈ ' ر ' ڑ کی طرح یہ بھی حرف منفصل قرار دیے جائیں - اس کے متعلق یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب دوچشمی ھ کو مخلوط الہا حروف کی اصوات کے لیے مخصوص کر دیا گیا ہے تو ملاکر لکھنے کی صورت میں کیا آسانی ہوسکتی ہے ؟ اس کے علاوہ ملواں دھ ڑھ وغیرہ کو مہ ' نھ وغیرہ بھی پڑھے جانے کا احتمال ہے - مثلاً کڑھا ' کتھا ـ دھن میں پڑھا جا سکے گا -

دوم یہ کہ لفظوں کے درمیان فصل چھوڑا جائے اور مرکب لفظوں کو الگ الگ لکھا جائے (تجویز نمبر ۱) - غیر زبان کے لفظوں کو الگ ٹکڑوں میں لکھا جائے - (تجویز نمبر ۷) اور ابتدائی تعلیم کی حد تک اصل مادہ اور مختلف رکنوں کو الگ الگ لکھا جائے - (تجویز نمبر ۸) - ان اصلاحوں سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا - بلکہ اس سلسلے میں بعض اہل فکر و نظر نے تو یہاں تک رائے دی ہے

که صرف حروف مقطعات کا استعمال کیا جاے - اس کے مجوز جناب
مولانا عبیداللہ سندھی ہیں - ہم مولانا سے اس امر میں متفق ہیں -
لیکن صرف اتنی ترمیم کی اجازت چاہتے ہیں کہ اردو حروف تہجی
میں جو آرائشی زوائد ہیں انہیں بھی دور کر دیا جاے ' یعنی جہاں
جہاں حرفوں کے آخر میں آرائشی دائرے یا کشتیاں ہیں انہیں حذف
کر دیا جاے -

اس طرح ہمارا جدید رسم الخط انوکھا بھی نہ ہوگا اور اس ترمیم
کے باوجود نہ صرف اس کی جملہ خوبیاں باقی رہیں گی بلکہ مختصر
تر ہو جائے گا -

حروف مقطعات میں ایک ماہانہ رسالہ مسٹر پرویز شاہدی
ام - اے کی ادارت میں سنہ ۱۹۳۷ ع میں نصرت الاسلام پریس کلکتہ
سے نکلا تھا - اس کے حرف' نستعلیق اور معرب تھے - اس کا نمونہ '
جو مولانا سندھی کی رائے کے مطابق ہے ' یہ ہے :—

ا ل ح م د ل ل ل ا ہ خ و ر ش ی د ا ح م د ا ب
ق س ط ن ط ن ي ہ م ی ں م و ج و د ہ ے ں

لیکن ہماری ترمیم سے بھی حروف اگر بلا آرائش کے لکھے
جائیں ' اور ہر حرف کے درمیان ایک ام کا فاصلہ اور لفظوں ' میں
زیادہ فاصلہ دیا جائے ' تو یوں ہو جائیں گے :—

ا ل ح م د ل ل ا ہ خ و ر ش ی د ا ح م د ا ب
ق س ط ن ط ن ی ہ - م ی ں م و ج و د ہ ی ں

اوپر کی عبارت میں اگر حروف مقطعات بلا فصل لکھے جائیں'
لیکن لفظوں کے درمیان حسب ہدایت انجمن فاصلہ باقی رکھا جائے
تو وہ یوں ہو جائیں گے -

الحمد للہ خورشید احمد اب قسطنطنیہ میں موجود ہیں -

انجمن کی تجویز نمبر ۲ میں عربی ناموں اور لفظوں کو
الف مقصورہ کی بجائے الف ممدودہ سے لکھنے کی سفارش کی گئی
ہے - جیسے ابراہیم ' سلیمان ' حیات - حروف مقطعات کے اختیار

کر لینے کی صورت میں خود بخود اس پر عمل ہونے لگے گا - بہر حال تجویز مناسب ہے -

تجویز نمبر ۵ یہ ہے - "عربی حرف تعریف ال کا الف یا لام جہاں ساکت ہوں وہاں اُن کے اوپر چھوٹا خط بنا دیا جائے ' جیسے : السلام اور وعلیکم السلام وغیرہ -

عربی میں' اصوات میں لینت و سلاست پیدا کرنے کی فطری صلاحیت موجود ہے - اسي کا خاصہ ہے کہ اس زبان کے بعیدالمخارج حروف قریب‌المخارج شکلیں اختیار کر لیتے ہیں - اور یا تو اشکال تلفظ کو قطعی ساقط کر دیتے ہیں ' یا مدغم ہو کر حرف مابعد پر تشدید پیدا کر دیتے ہیں -

حروف شمسي ۱۴ ہیں ' اور لام سے اُن کا مخرج بہت قریب ہے - اسی وجہ جب ان پر الف لام داخل ہوتا ہے تو لام پڑھا نہیں جاتا اور بعد کا حرف مشدد ہو جاتا ہے - لہذا نو آموزوں کو یہ بتانا مشکل نہیں کہ (ت ' د ' ض ط) ' (ث ' س ' ش ' ص) ' (ذ ' ز ' ظ) اور (ر ' ل ' ن) ' لام سے اتنے قریب‌المخرج ہیں کہ لام حذف کر دیا جاتا ہے -

لیکن اگر ایسے لاموں پر خط کھینچا گیا تو بہت ممکن ہے کہ نو آموزوں اور بچوں کو زبر کا دھوکا ہو - ہمارے خیال میں اس دقت کو اس طرح بھي دور کیا جا سکتا ہے کہ حروف قمری و شمسي کا جھگڑا ہي مٹا دیا جائے اور جس طرح بولتے ہیں اُسي طرح لکھیں ' مثلاً سیفل اسلام ' نجمل غني ' عبدل قیوم (قمری) بدرد دجا - مصباحظ ظلم ' عبدص صمد (شمسی) - لیکن اس قسم کی اصلاح سے پہلے ہمیں یہ بھي دیکھنا ہوگا کہ یورپ میں فرانسیسی زبان کا علم‌الہجا نہایت ہی بے تکا ہے اور اُس میں بھی ل ' لا ' لے ' لو وغیرہ ' موجود ہیں - اور بغیر املا کی آسانیوں کے اب تک باقی ہیں - یہ حروف تخصیص عربی ا ل کے قائم مقام ہیں ' بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اطالوی ' ہسپانوی اور فرانسیسی زبانو،

میں عربی ھی سے گئے اور اُن زبانوں کا جزو لاینفک بن گئے - حتی کہ Le کی تانیث La سے اور جمع Les سے بنا لی گئی ' اور حروف صحیح سے ملا کر پڑھنے کے خاص قواعد بن گئے ' جو بغیر سکھائے کسی حروف شناس کی سمجھ میں نہیں آ سکتے - اس لیے اگر ھم نو آموزوں کی آسانی کے لیے ان کے املا میں تبدیلی کر لیں گے ' تو غالباً نوشت و خواند کی دقتوں میں اضافہ ہو جائے گا -

ڈاکٹر جعفر حسن (جامعۂ عثمانیہ) نے بھی اُردو رسم خط کو آسان بنانے کی ایک " انقلابی " تجویز پیش کی ھے - یہ پورا مضمون رسالہ " نئی زندگی " الہ آباد بابت ماہ ستمبر سنہ ۴۳ میں شائع ہوچکا ھے - اس کا خلاصہ یہ ھے :—

" اُردو رسم خط کو صوتیاتی بنانا چاھیے - یعنی اردو کے اُن حرفوں میں سے جن کی آواز یکساں ہوتی ھے ' سب سے زیادہ استعمال ہونے والا حرف رکھ لیا جائے ' اور بقیہ نکال دیے جائیں "

انجمن ترقی اُردو نے جو اصلاح پیش کی ھے ' اس سے یہ تجویز بہت آگے ھے - اور اس پر بھی وھی اعتراض ہوسکتا ھے ' جو انجمن کی تجویز پر ھے - ڈاکٹر حسن نے خود اس اعتراض کو اس طرح بیان کیا ھے :—

" اعتراض ہوسکتا ھے کہ اُردو میں کئی ہم آواز لفظ ہیں جن کے معنی مختلف ہیں - مثلاً نظر اور نذر " - اور اس کا یوں جواب دیتے ہیں :— " یہ دعوا صحیح نہیں ھے - ہم آواز لفظوں کو سن کر جب لوگ آسانی سے مطلب سمجھ لیتے ہیں ' تو ہم شکل لفظوں کو دیکھ کر وہ مطلب کیوں نہیں سمجھیں گے - ہر زبان میں بکھیرے لفظ ہوتے ہیں جو یکساں طریقے پر لکھے جاتے ہیں ' ان کا تلفظ بھی ایک ھی ہوتا ھے ' مگر معنی مختلف ہوتے ہیں مثلاً پھوٹ ' پاس ' کان وغیرہ... ہم شکل اور ہم آواز لفظوں کے معنی موقع محل کے لحاظ سے معلوم ہوتے ہیں " -

ظاہر ھے کہ سیاق عبارت سے متجانس لفظوں کی حقیقت ہر جملے میں تلاش کرنا ' آسان کام نہیں - معمولی بول چال میں تو کام

چل جاتا ہے - یا اگر سننے والے کی سمجھ میں نہ آے تو کہنے والے سے پوچھ سکتا ہے - لیکن تحریر میں الفاظ کی نشست ایسی ہونا چاہیئے' کہ ایک نظر میں پڑھنے والا سمجھ لے - موجودہ حروف تہجی اس آسانی میں کافی معین ہیں - اور اس سے نہ صرف لفظوں کا ماخذ معلوم ہوجاتا ہے ' بلکہ مفہوم بھی زیادہ تیزی سے سمجھ میں آتا ہے -

مجلۂ طیلسا نیین - سہ ماہی علمی رسالہ - حیدرآباد دکن

سند یافتگان جامعۂ عثمانیہ کے اس علمی رسالے کے سو سو صفحوں کے دو حصے ہر سہ ماہی میں شائع ہوتے رہتے ہیں - چوں کہ چھپائی لیتھو میں ہوتی ہے اس لیے کتابت کے علاوہ ہر لحاظ سے اس رسالے کا معیار بلند ہے پہلے حصے میں عام مضامین ' اور دوسرے میں معاشیات پر علمی مقالے شائع ہوتے رہتے ہیں -

حصۂ اول :—ہمارا ہندوستان (نظم) از جناب محمد عبدالرحمان خاں صاحب ضمیر صدر کلیۂ جامعۂ عثمانیہ (پرنسپل) - نظم اچھی ہے - لیکن چوں کہ زبان عام ہندستانی نہیں ہے اس لیے اس قسم کی نظمیں عوام میں مقبول نہیں ہوتیں - چند شعر یہ ہیں :—

زیر سما ہے جنت ہندوستاں ہمارا
سب سے قدیم تر ہے نام و نشاں ہمارا
تہذیب یاں سے پھیلی چاروں طرف جہاں میں
ہے زیر بار احساں سارا جہاں ہمارا
انسانیت کا آغاز اس ملک سے ہوا ہے
مسکیں کا اشک شو تھا پیرو و جواں ہمارا
زندوں پہ مہر و شفقت ' مردوں کی قدر و عظمت
گوتم کا فلسفہ تھا جادو بیاں ہمارا
دنیا کی نا ثباتی ' انساں کی بے بساطی
تھا اعتقاد ان پر جوں جزو جاں ہمارا
بے گانہ و یگانہ دونوں کو ایک مانا
دشمن کو بھی یہ جانا ' ہے میہماں ہمارا
ہندوستاں کی بھکتی ہے آبرو کی دیبی
قسمت نے رو دیا ہے کر امتحاں ہمارا
جب سے وطن بنایا ' عربی ہوں یا کہ عجمی
کہتے ہیں صدق دل سے " ہندوستاں ہمارا

عہد معاونت (سنہ ۱۷۹۸ع) اور حیدرآباد — از میر مخدوم علی خاں - یہ ایک تحقیقی مقالہ ہے جو جامعۂ عثمانیہ کے ام - اے کے امتحان کے لیے لکھا گیا تھا -

یاد داشت منشی عزیز اللہ - از مولانا محمد مرتضیٰ مرحوم - میر عزیز اللہ کا تذکرہ' گل زار آصفیہ میں ہے - یہ رزی ڈنسی میں میر منشی تھے - انہوں نے ایک تاریخ یاد داشت کے طور پر مرتب کی تھی - اس میں حسب ذیل خوبیاں ہیں :—

" (۱) اصل فارسی عہد ناموں کی نقل ہے - (۲) بہت سے القاب - (۳) قواعد دربار - (۴) چند پولٹی ٹکل داؤں پیچ - (۵) امرا و وزرا کو رقمی امداد ملنا سرکار انگریزی سے - (۶) انتظام مملکت ' سررشتوں اور عہدوں کی تفصیل " -

حصۂ دوم - معاشیات :— حیدر آباد کا مالیاتی نظام - از خواجہ محمد شمس الدین -

سر پور کا کارخانہ کاغذ سازی - از شرف الدین صاحب -

ہندوستان اور کثرت آبادی کا مسئلہ - از سید فخرالحسن اُستاد معاشیات و عمرانیات -

ہندوستانی کے معاشیات کے مبادی - از شرف الدین صاحب -

سیاست - علوم معاشری کا سہ ماہی رسالہ - جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد -

بغداد اور اسلامی تہذیب کا مزید ارتقا مترجمہ ابوالنصر محمد خالدی صاحب -

امن اور جنگ کی معیشت از امتیاز حسین خاں صاحب -

بیورج اسکیم اور ہندوستان - از محمد عبدالقادر صاحب - لکچرار معاشیات جامعۂ عثمانیہ -

" انگلستان میں جون سنہ ۱۹۴۱ع میں سر ولیم بیورج کا تقرر ایک بین سررشتہ داری کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے ہوا - تاکہ وہ معاشرتی بیمے کی مروجہ اسکیموں کا جائزہ لیں اور اپنی ضروری سفارشات پیش کریں - ....ان کی رپورٹ Plan for Social

Security " معاشرتی تحفظ کی تجویز " کے نام سے مشہور ہے - سر ولیم کی اسکیم تین اہم اصولوں پر مبنی ہے - اول تو اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ اگر ایک طرف تجربات ماضی سے استفادہ کیا جاے ، تو دوسری طرف اپنا لائحۂ عمل متعین کرنے میں کامل آزادی رہے - یعنی طبقہ‌واری مفاد سے کہیں زیادہ اجتماعی مفاد کو مقدم سمجھا جاے - اسی اصول پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے کہ آپ نے بیمے کو ایک تجارتی کاروبار سے ایک خدمت عامہ میں تبدیل کر دیا ہے - دوسرا اہم اصول یہ ہے کہ معاشرتی بیمے کو جملہ سماجی امراض کا واحد علاج نہ قرار دیا جاے ، بلکہ اُسے معاشرتی ترقی کے پروگرام کے ایک حصے کی حیثیت دی جاے - تیسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ معاشرتی تحفظ کی مہم میں حکومت اور افراد کے درمیان تعاون ہو........ اس اسکیم کا اطلاق آبادی کے تمام طبقوں پر ہوگا "

نسام ادب— طلباے نظام کالج کا ششماہی رسالہ - حیدر آباد -

اس رسالے کے مدیر پروفیسر آغا حیدر حسن ہیں جو ہندوستان میں اپنی زبان کی شیرینی ، لطافت اور محاوروں کی مہارت کے لیے مشہور ہیں - کالج کے اس رسالے میں اچھے اچھے مضمون ہیں - کہانیاں ہیں ، غزلیں اور نظمیں ہیں اور بعض مفید علمی معلومات ہیں - طلبہ کے علاوہ عام طور پر پڑھنے والوں کے لیے بھی یہ رسالہ بہت دل چسپ ہے - سالانہ چندہ صرف تین روپے ہے - زیر نظر رسالے میں راجہ ہر کی کہانی دلی کی ٹکسالی زبان کا نمونہ ہے - اسے آغا حیدر حسن صاحب نے نشرگاہ لاسلکی پر سنایا تھا -

معارف - اعظم گڑھ - اپریل سنہ ۱۹۴۳ع

تصحیح فکر از ڈاکٹر میر ولی‌الدین استاذ فلسفہ ، جامعۂ عثمانیہ

معارف - اعظم گڑھ - مئی سنہ ۱۹۴۳ع

خطبۂ صدارت مجوزۂ اردو کانفرنس بنگال - از ڈاکٹر سید سلیمان ندوی -

اواخر سنہ ۳۹ یا اوائل سنہ ۴۰ میں بنگال میں جناب سید صاحب کی

صدارت میں ایک اردو کانفرنس ہونے والی تھی، جو کسی وقتی مجبوری سے نہ ہوسکی، یہ خطبۂ صدارت اس کانفرنس کے لئے لکھا گیا تھا - اس میں اردو ہندی کے بعض متنازعہ مسائل پر بھی روشنی ڈالی گئی تھی - غالباً اس کے بعد کسی اور اردو کانفرنس میں سید صاحب تشریف لے گئے تھے اور ایک اہم تجویز یہ پاس ہوئی تھی کہ بنگالی زبان کو ہندستانی زبان سے قریب تر لانے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جائے کہ بنگالی زبان اردو رسم خط میں لکھی جائے - اسی زمانے میں ایک ایسا اخبار بھی بنگال سے نکلنے لگا تھا - اور ایک صاحب نے قرآن شریف کا ترجمہ بھی بنگالی زبان اور خط نسخ میں شروع کردیا تھا - اس سے ان کا یہ مقصد تھا کہ وہ بنگالی جو مذہبی ضروریات کے خیال سے بچپن ہی سے عربی پڑھنا سیکھ لیتے ہیں اُن کے لئے اردو پڑھ لینا نہایت آسان ہو جائے - اور اگر قرآن کریم کا بنگالی ترجمہ بین السطور خط نسخ میں لکھا جائے اور پھر اُسی کے نیچے اردو ترجمہ بھی ہو تو بہ یک کرشمہ دو کار، کا مضمون ہو -

ستمبر سنہ ۱۹۳۹ میں پنڈت امرناتھ جھا، وائس چانسلر الہ آباد یونیورسٹی نے گوالیار میں یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ " سنسکرتی ہندی ہی ہندوستان کی عالمگیر زبان بن سکتی ہے " اس کے مقابلے میں سید صاحب نے پنجاب کے ایک ہندو پروفسر کا جو قول نقل کیا ہے وہ نہ صرف دل چسپ ہے بلکہ حامیان ہندستانی کے لئے غور و فکر کی ایک نئی راہ کھول دیتا ہے، پروفسر صاحب کہتے ہیں کہ، " اردو مادری زبان کی حیثیت سے تو اسی ملک میں بولی جاتی ہے، جہاں ہندوآبادی کی اکثریت ہے، یعنی انبالے سے لے کر بھاگل پور تک - اور جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، جیسے کشمیر، صوبۂ سرحد، سندھ، پنجاب اور بنگال، وہاں کے ہر صوبے میں اسی صوبے کی زبان ان کی مادری زبان ہے - کشمیر کے مسلمان کشمیری، سندھ کے سندھی، سرحد کے پشتو، پنجاب کے پنجابی اور بنگال کے بنگالی بولتے ہیں - اس لئے اس زبان (اردو) کو اسلامی کہنے کے بجائے ہم ہندو ہی کہ سکتے ہیں،

سید صاحب کا خیال ھے کہ " ملک کی زبان کے مسئلے کو طے کرنے کے لیے صحیح راستہ یہ ھے کہ ھندوستانی اردو ' یا اس کو آسان ھندی کہ لیجیے ' ھندومسلمانوں کی مشترک زبان ھے ' اور خالص ھندی کی حیثیت وہ ھے جو مسلمانوں کی فارسی کی ھے - اور سنسکرت کا درجہ عربی کا ھے " -

سلسلۂ شاہ ولی اللہ کی خدمت حدیث - از مولانا ظفر احمد عثمانی - استاد دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی - (یہ مقالہ جس کا موضوع شاہ ولی اللہ دھلوی اور ان کے تلامذہ کی خدمت حدیث ھے ' مولانا ظفر احمد عثمانی نے اوری ان تل کان فرنس بنارس کے شعبۂ اسلامیات میں پڑھ کر سنایا تھا - امام ولی اللہ ' دھلوی کی حکمت اور جس سلسلے کی وہ کڑی ھیں ' یعنی ائمۂ تجدید ' اس کو مکمل طور پر سمجھنے اور سمجھانے والے صرف حضرت مولانا عبیداللہ سندھی ھیں - ھندوستان میں آنے سے پہلے آپ نے سالہا سال تک حکمت ولی اللہی کا درس دیا ھے - اور آپ ھی کا فیضان ھے کہ ھندوستان میں پھر چند سال سے اس فلسفے کو سمجھنے کی کوشش ھو رھی ھے عثمانی صاحب کا مضمون یہ خصوصیت رکھتا ھے کہ انھوں نے تاریخ حکمت میں تلامذہ کی جو جگہ خالی تھی اسے پر کردیا ھے - پورا مضمون پڑھنے سے تعلق رکھتا ھے - جن حضرات کا ذکر کیا ھے وہ درج ذیل ھیں -

۱ - سید مرتضی بلگرامی زبیدی رح سنہ ۱۲۰۵ ھ '- صاحب تاج العروس شرح القاموس -

۲ - قاضی ثناءاللہ پانی پتی سنہ ۱۲۲۵ ھ '- بیہقی وقت ' صاحب تفسیر مظہری -

۳ - شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی سنہ ۱۲۳۹ ھ '- ابن شاہ ولی اللہ -

۴ - شاہ محمد اسحاق محدث دھلوی سنہ ۱۲۶۲ ھ '- مترجم مشکوۃ در فارسی -

۵ - شاہ عبدالغنی محدث مجددی دھلوی سنہ ۱۲۹٦ ھ '- بخاری دھر ' جانشین شاہ محمداسحاق صاحب -

۶—مولانا شیخ احمد علي محدث سہارن پوری سنہ ۱۲۹۷ ھ '— بانی مدرسۂ مظاہرالعلوم و مطبع احمدي -
۷—قاری عبدالرحمان محدث پاني پتي—ماہر و معلم فن تجوید -
۸—مولانا محمد قاسم محدث سنہ ۱۲۹۷ ھ '—بانی دارالعلوم دیوبند -
۹—مولانا شیخ محمد محدث تھانوي—(۱۰) مولانا شیخ عبدالقدوم بھوپالي بڈھانوی ۱۲۹۹ ھ -
۱۱—مولانا محمد مظہر نانوتوی سنہ ۱۳۰۲ ھ '—(۱۲) مولانا ابوالحسنات عبدالحی لکھنوی ۱۳۰۴ ھ -
۱۳—مولانا محمد حسن اسرائیلی سنبھلي ۱۳۰۵ ھ '— (۱۴) مولانا فخرالحسن گنگوھی رح -
۱۵—مولانا محمد یعقوب نانوتوي—(۱۶) قطب زمان مولانا شاہ فضل الرحمان رح محدث گنج مرادآبادي سنہ ۱۳۱۵ ھ -
۱۷— مولانا ظہیرحسن شوق نیموي سنہ ۱۳۱۲ ھ ' محدث بہار -

جامعہ دھلی - دسمبر سنہ ۱۹۴۳ع

جنگ کی وجہ سے کاغذ کے حصول میں دقت ھے - اسي لیے دسمبر کا جامعہ ۲۲ اپریل سنہ ۱۹۴۴ع کو یہاں پہنچا ھے - بعض اہم مضامین یہ ھیں -

۱— علم‌النفس از حیدر عباس صاحب -

حیدرآباد سے اس فن کا نام " نفسیات " تجویز ہوا ھے - اور یہ مناسب بھی ھے - اس سے بہت سے مرکبات و مشتقات بن سکتے ھیں - حیدر عباس صاحب نے بعض نئي اصطلاحات بھي وضع کی ھیں لیکن زیر نظر مضمون میں قوسین کے اندر بعض انگریزي اصطلاحوں کی کتابت رہ گئی ھے - مضمون کے آخر میں حاشیہ پر درج ھے کہ " بقیہ مباحث کتابي صورت میں شائع ھوں گے " اس لیے ھماري تجویز ھے کہ کتابی صورت میں رائج ھونے سے پہلے علم‌النفس یا نفسیات کی جتنی

اصطلاحیں وضع کی گئی ہوں ' اُن سب کی ایک فہرست شائع کر دی جائے ' تاکہ بحث و نظر کے بعد اُن کا تعین ہو جائے اور ارباب " جامعہ " کے علاوہ دوسرے مترجموں اور مؤلفوں کو الٰہیات ' منطق ' اخلاقیات ، نفسیات کی اصطلاحیں بار بار نہ تصنیف کرنا پڑیں - مثال کے طور پر زیر نظر مضمون میں Imagination کا ترجمہ متخیلہ Sub-Conscious کا ماقبت ذہنی اور Intuition کا بصیرت کیا ہے - لیکن ان کا ترجمہ علی الترتیب تصور ' تحت شعوری اور حدس بھی کیا جاتا ہے -

۲—ایک اہم ادبی تحریک از سید باقر حسین : (ستمبر و دسمبر سنہ ۴۳ع)

آپ لکھتے ہیں : " لکھنئو میں سنہ ۱۹۳۶ع میں ترقی پسند مصنفین کی ایک انجمن قائم ہوئی - اُس کے اراکین نے ایک خاص قسم کی تحریریں لکھنی شروع کیں - جن کا نام بعد میں " نیا ادب " پڑ گیا - "... . ...اس تحریک کا جائزہ حسب ذیل عنوانوں کے ماتحت لیا گیا ہے :

(الف) تاریخی پس منظر—اس کا خلاصہ یہ ہے کہ " ترقی پسندی کی وہ رو جو ۱۸۵۷ع کے بعد سے شروع ہوئی تھی ۱۹۱۴ تک اصلاحی دور میں رہی - ۱۹۱۴ سے ۱۹۲۵ تک کا زمانہ نیم اصلاحی اور نیم رومانوی دور کہا جا سکتا ہے - اور ۱۹۲۵ کے بعد کا زمانہ یقینی طور پر انقلابی دور ہے ' حالاں کہ رومانیت کا اثر تقریباً ۱۹۳۰ع تک باقی رہا -"

(ب) ابتدا اور ارتقا : " اس انقلابی دور کی ابتدا دراصل نئے ادب کی بھی ابتدا ہے - وہ مخصوص خمیر جو معاشی ' سیاسی' مذہبی اور جنسی عوامل سے تیار ہوا تھا ' سب سے پہلے متوسط طبقے میں رونما ہوا ' اور اس طبقے کے فارغ التحصیل طلبہ پر سب سے زیادہ اور سب سے پہلے اثر کیا ' مارکس اور فرائڈ وغیرہ کے تصورات ابتداً ترجمے اور تقلید کی شکل میں ظاہر ہوئے - ترجمہ نثر میں

اور تقلید نظم میں ہوئی - نئے ادب کا مقصد صاف لفظوں میں شاید ابھی تک کسی نے نہیں بیان کیا - جہاں تک میں سمجھتا ہوں، اس کا مقصد مختصر الفاظ میں " ایک نئے سماج کی تخلیق " ہے - ایسا سماج جس کی بنیادیں مارکس اور فرائڈ کے اساسی اصولوں پر قائم ہوں، یہ نظریے ایسے ہیں جو فطرت اور معاشرت کے بہ ظاہر متناقض مظاہرات کا ایک ہی سبب بتاتے ہیں اور اس کا ایک ہی علاج بھی تجویز کرتے ہیں - نئے ادب کے مخالف دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو نئے ادب کے مقاصد کو سمجھتا ہے اور نہ اس کے طرز نگارش کو - اور محض ایک بدعت سمجھ کر اس کی مخالفت کرتا ہے - اس گروہ میں زیادہ تر علمائے دین شامل ہیں - دوسرا گروہ سمجھ بوجھ کر بعض مصالح کی بنا پر اس کی ترویج کو اپنے حق میں مضر سمجھتا ہے - یہ اغراض مستقل (Vested Interests) کا گروہ ہے - یہ گروہ با اثر اور طاقت ور ہے ....مخالفت کے اثر سے اس تحریک والوں نے آئی - ڈی - ال (مطمح نظر) سے کسی حد تک نیچے ہٹ کر کام شروع کر دیا ہے - اور " انگارے " کی ضبطی کے بعد، کچھ تو حکومت کے خوف سے، اور کچھ معاشرے کے اُس حصے کے ڈر سے جو نئے ادب کے تخلیقی عناصر سے قطعی متاثر نہیں ہوا تھا، نئے ادب کی زمین اور لہجے میں کافی اعتدال پیدا ہو گیا - ان کی جولاں گاہ فکر محدود ہو گئی - خارجی دنیا کے متعلق خیال آرائی کرنا خطرے کی بات معلوم ہوئی تو اُن میں سے کئی ادیبوں نے نفس کی داخلی دنیا کا رخ کیا - اور جو اب بھی خارجی دنیا میں موجود ہے - اب اس کے نثری نمونوں میں نفس اور بازار کی داخلی دنیاؤں کے حالات کے سوا دوسری چیزیں کم نظر آتی ہیں- نظم میں راشد، فیض، میراجی کے اثر سے نظم معرا کا رواج بڑھنے لگا - پابند نظم کے مقابلے میں اس کا لکھنا بہت آسان ہے -

" خلاصہ یہ کہ نیا ادب اس وقت ارتقا کی جس منزل پر ہے وہ یہ ہے : (۱) نثر اور نظم دونوں کا اسلوب ادا ابھی مکمل نہیں ہوا -

(۲) مقاصد عام طور پر سمجھے نہیں گئے - (۳) پروپاگنڈا جاری ہے ' لیکن آ ء ی ٹی ال پروپاگنڈا نہیں ہے (۴) باهمی تنقید ابھی شروع نہیں هو ء ی - ظاہر ہے کہ یہ منزل کچھ زیادہ بلند منزل نہیں ہے - نئے ادب کا مقصد ' نیا ادب نہیں ' بلکہ نیا سماج پیدا کرنا ہے - اور نئے سماج کی تقاضد میں ابھی بہت دیر ہے - ابھی تو صحیح معنوں میں نئے ادیب بھی نہیں پیدا ہوئے " (نوٹ) یہاں تک ستمبر سنہ ۴۳ع کے جامعہ سے اخذ کیا گیا ہے - اس کے بعد اس کا سلسلہ زیر نظر رسالے تک جاری رہا - پورا مضمون محققانہ انداز میں لکھا گیا ہے اور نئی نثر و نظم پر تنقید کے بعد اس مضمون کا خلاصہ دیا گیا ہے ' جس میں نئے ادب کے مستقبل کا ذکر ہے -

خلاصہ یہ ہے : (۱) نیا ادب وقت کی پیداوار ہے - لہذا یہ ایک حقیقی ادب ہے (۲) نئے ادب کا مقصد آخری ارتقاع زندگی ہے - (۳) چونکہ یہ ایک بلند مقصد ہے اس لئے اس کا حصول آسان نہیں - (۴) چوں کہ نئے ادب کے مقصد کا حصول مشکل اور دیر طلب ہے اس لیے اس کو ایک محض هنگامی ادب نہیں سمجھنا چاهیے - (۵) لیکن بہ هر حال نئے ادب کا موضوع محدود ہے ' اس میں وہ وسعت نہیں جو ابدی موضوعات میں هوتی ہے (۶) جب نئے ادب کا موضوع فی نفسہ محدود ہے ' تو اس کی کامیاب عکاسی کے لیے اس پر کڑی نگاہ رکھنی ضروری ہے - اگر اس موضوع میں ابدی موضوعات کی آمیزش کی گئی تو خود نئے ادب کے حق میں مضر ہوگی (۷) اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ابدی موضوعات کے اسلوب اظہار میں جدت کی ضرورت نہیں - اس میں جدت کی ضرورت مسلم - لیکن اس جدت کو نئے ادب سے کوء ی تعلق نہ هونا چاهیے - اگر نئے ادب میں بھی ابدی موضوعات شریک هونا چاهتے هوں تو هوں - لیکن ایسی ان نگارشات کو نئے ادب میں شمار نہ کریں -

نئے ادب کے مستقبل کے متعلق دو متضاد رائیں هیں -......

...میں نئے ادب کو نہ تو برساتی گھاس سمجھتا هوں اور نہ یہ اعتقاد رکھتا هوں کہ اب همیشہ همیشہ کے لیے نیا ادب دنیا بھر کا

واحد ادب ہو جائے گا ... .لیکن کسی ادب کا محض زندہ رہنا کافی نہیں ' زندگی اگر پرجوش توری اور با اثر نہیں ' تو بیکار ہے "

۳—سوویت روس کی خارجی پالیسی—علی امام صاحب -

۴—کیمیائے ہستی—پروفسر حامد حسن قادری - (افسانہ مترجم از فارسی) -

نگار - لکھنئو - مئی سنہ ۱۹۴۲ع

لاہور اسکول کی تخلیق و ترقی - عبدالمالک آروی

تغزل میں جدید رجحانات - سید صفدر حسین

مالہ و ما علیہ—جوش ملیح آبادی کی نظم " حرف آخر " پر انتقاد ہے - (یہ نظم اُن مذہبی روایات پر ایک طنزیہ انتقاد ہے جو خالق عالم ' نبوت و اخلاق کے متعلق مختلف مذاہب میں پا ئی جاتی ہیں) -

زمانہ - کانپور - دسمبر ۱۹۴۳ع

ادب اور مشینی عہد - شمس الحق قریشی صاحب

اودھ اور کمپنی - ارشاد فاطمی صاحب

جنوری سنہ ۴۴ع - نظیر اکبر آبادی......حق پرست

کنول کا پھول (نظم) مرزا جعفر علی خاں' اثر لکھنوی

بحرالنجات - سلیم جعفر صاحب - یہ کاشی مہاتم کا آزاد ترجمہ معلوم ہوتا ہے' جسے گوسائیں آنند گھن ' جوش ' نے سنہ ۱۲۷۰ھ میں پیش کیا - ترجمہ فارسی میں ہے -

اثر کے تاثرات - ڈاکٹر م - حفیظ - سید

فروری سنہ ۴۴ع - شمالی ہند کی موسیقی - مسٹر جگیشور ناتھ ورما' بیتاب بریلوی'

عورت کا مرتبہ بہ روے رگ وید - اپدیش صاحب

مارچ سنہ ۴۴ع - اردو کب اور کہاں پیدا ہو ئی - سلیم جعفر صاحب

تاریخ ماضی کا سنہرا ورق (جھانسی کی رانی) - ستار جمال صاحب

اپریل سنہ ۴۴ع - اردو شاعری اور گل و بلبل - سید اختر علی تلہری

" ایک زمانے سے وہ لوگ جن کی بیشتر ادبی کاوشات مغربی ادب کی خوشہ چینی ہے ' اردو کی شعری کو گل و بلبل کی شاعری کہہ کر اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں - ان کے خیال میں اردو شاعری کا سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ وہ " ایرانی گلاب " کی خوش بو سونگھتی ' اور " ایرانی عندلیب " کے زمزمے سنتی ہے -.. ......" مغرب زدگی " کی یہ ایک لطیف مثال ' اور " احساس کم تری " کا یہ ایک دل چسپ کرشمہ ہے - ورنہ اس دور میں جو بین الاقوامی تعلقات کے نشوونما کا دور ہے ' ان ادبی رشتوں کو منقطع کرنے کا مشورہ کیوں کر دیا جا سکتا ہے ' جو ہم سایہ ملکوں کے ساتھ صدیوں سے قائم ہیں - ...... یہ تو اور بھی بوالعجبی ہوگی کہ مغربی صورت و مادے سے' باوجودے کہ ہم اس سے مانوس بھی نہیں ہیں ' رشتہ جوڑا جائے ' لیکن اُس ادب سے جو ہماری ادبی و شعری روایتوں کے لیے سرچشمہ کی حیثیت رکھتا ہے ' رشتہ توڑا جائے -

" ہر زبان کا ادب و شعر حالات و روایات کے مخصوص سانچوں میں ڈھلتے ڈھلتے ایک خاص شکل پیدا کر لیتا ہے - اس کی تشبیہوں اور استعاروں کی نوعیت اس کے علوان ادا اور اسلوب بیان کا ایک خاص مزاج بن جاتا ہے - اُس زبان کے ادب و شعر کے ارتقاء کے لیے اس مزاج کی مراعات نہایت ضروری ہوتی ہے ' اسی مزاج کا محرم بن کر اُس زبان کے شعری ذخیرے میں اضافہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے نہ صرف کامیاب طور پر انبساط وانقباض کے جذبات اُبھارے جا سکتے ہیں بلکہ اُن سے ظاہر ہونے والی نواؤں کو ضرورت کے مطابق تلخ تر بنا کر " ذوق نغمہ " پیدا کیا جا سکتا اور " محمل کی گرانی " دور کی جا سکتی ہے - سچ پوچھیے تو شعر میں ' ترقی پسندی " اسی

کا نام ہے - کسی زبان کے ادبی مزاج کی مخصوصیت ، ضرورت کے مطابق نغمے میں ذوق کی آفرینش ، مسلسل کی گرانی کا دور کرنا ، یہی وہ باتیں ہیں جو اصل ترقی پسندی کی ضامن ہیں ان میں سے اگر کوئی بات بھی نظر انداز ہو گئی تو شعر میں ترقی پسندی کا جوہر پیدا نہیں ہو سکتا - شعری دنیا میں آج کل جو سکے ترقی پسندی کے نام پر چلائے جا رہے ہیں اُن کے کھوٹے ہونے کی اصلی وجہ انہیں امور میں سے کسی نہ کسی امر کی عدم مراعات ہے ۔

اُردو جس طریقے سے پیدا ہوئی اور جن راستوں سے اُس نے نشو و نما حاصل کی، اُس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اُس کے مزاج میں گل و بلبل ، برق و چمن ، آشیان و قفس کی سی چیزیں عناصر کی حیثیت سے داخل رہیں - گل و بلبل ایک حد تک ایرانی چیزیں سہی ، مگر جہاں اُردو نے ایران کی بہت سی چیزوں کو قبول کیا، گل و بلبل کو بھی اپنے ادبی چمن میں جگہ دی - ان چیزوں کا اُردو شعر و ادب کے چمن میں بار پا جانا کچھ بے جا بھی نہیں ہوا - ان سے اُردو کے بولوں کی حلاوتوں اور اُس کے معنی کی نہ صرف رنگینیوں میں بلکہ وسعتوں میں بھی کچھ اضافہ ہی ہوا، کیونکہ اُن لفظوں کے ساتھ جو اصل میں علامات (Symples) کی حیثیت رکھتے ہیں، مختلف مفاہیم کی ایک دنیا وابستہ ہو گئی ، اور یہ جتنے گھستے پستے گئے ان کا رنگ نکھرتا گیا ، اور ہمیں محسوس ہوتا گیا کہ ان علامات میں اُس کی پوری صلاحیت ہے کہ یہ ہمارے تاریخی و اقتصادی و تمدنی حالات کے تغیر کے ساتھ فکر و نظر کی نئی پیدا ہونے والی دنیا کا ساتھ دے سکیں - " گل و بلبل " ایران کا سرمایہ سہی ، مگر اپنے ایرانی اسلاف کی بدولت اور ایرانی تہذیب و ایرانی شعر و ادب سے تعلق کی بدولت وراثتاً ایران کا یہ رنگین سرمایہ ہم تک منتقل ہوا، اور ہم نے اُسے اپنا لیا اور اس طرح اپنا لیا کہ وہ ہمارے ادب و شعر کی ذات کا جزو بن گیا - گل و بلبل آشیان و قفس وغیرہ کے بطون میں ایمائی و اشاراتی وسعتوں کی جو صلاحیتیں پنہاں تھیں اُنھیں ہم نے وقت و حالات

کے تقاضوں کے دباؤ سے اچھي طرح اُبھار دیا اور اب وہ همارے علاماتي و اشاراتي خزانہ کے ایسے خوشاب و پر ضیا لعل و جواهر هیں جنهیں علیحدہ کیا هي نهیں جا سکتا .. - ضرورت هے کہ ان " ایمائي لفظوں " سے کام لینے والا ذوق سلیم رکھتا هو - حقیقتوں کے مشاهدے و مطالعے کي صلاحیت کا مالک هو ' اُس کے هاتھوں میں پہونچ کر یہ اشاراتي و علاماتي لفظ ، معني کي نئي دنیا کي تخلیق کرتے اور ذوق کے لئے کہیں سے بار نہیں هوتے هیں ' لیکن وہ افراد جو اِن اشارات و علامات میں حقیقتوں کي بیان کرنے والی زبان پیدا نہیں کر سکتے هیں ' اُن کے یہاں یہ ایمائي لفظ جہاں تک ترجماني حقائق کا تعلق هے گونگے بن جاتے هیں اور ذوق کے لئے مستقل تکلیف کا سامان هوجاتے هیں - ...

" ذیل کي مثالوں سے اندازہ هوگا کہ با کمال شاعر ان ایمائي لفظوں کے واسطے سے زندگي کی اهم حقیقتوں کی ترجماني کس کامیابی کے ساتھ کر سکتے هیں -

میر تقي میر فرماتے هیں :—

کیا جانیں وہ مرغان گرفتار قفس کو
جن تک کہ بصد ناز نسیم سحر آوے
پتا پتا بوٹا بوٹا حال همارا جانے هے
جانے نہ جانے گل هي نہ جانے باغ تو سارا جانے هے

میر کے ان مذکورۂ بالا شعروں میں اُنهیں ایمائي لفظوں سے کام لیا گیا هے ' اور اِن میں وہ بنیادي حقیقتیں ادا کی گئي هیں جنهیں مختلف جہتوں پر پھیلا کر همارے نام نهاد ترقي پسند ادیب "کوس لمن الملک " بجا رهے هیں -

امارت و ثروت کي گود میں پلے هوے سرمایہ دار غریبوں کے دکھ درد کے حالات جان هي نہیں سکتے- اُنهیں اس کا احساس هي نہیں هو سکتا کہ وہ بیچارے زندگي کی منزلیں کن دکھوں سے طے کر رهے هیں ؟ اس خیال کو پس منظر میں رکھ کر میر کے یہ شعر پڑھیے -

رسالے اور اُن کے خاص خاص مضامین

" پتا پتا بوٹا بوٹا - الخ "— کیا جانیں وہ مرغان گرفتار قفس الخ اور ان لفظوں کی ایمائی حیثیت کی وسعتوں کا اندازہ کیجئے -

تڑپ کے خرمن گل پر کبھی گرا اے بجلی
جلانا کیا ہے مرے آشیاں کے خاروں کا

اس شعر میں بھی یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ غریبوں کے ساز و سامان پر نظر ڈالنا بے فائدہ ہے ، غرور فروش اور تمکین امارت کے خرمنوں کا پھونکنا البتہ دنیا کی بہبود کے لیے ضروری ہے -

بیخود موہانی مرحوم کا ایک شعر ہے :—

اک یوں چمن میں مہکے اک یوں قفس میں تڑپے
تو ہی خدائے گل ہے کیوں اے خدائے بلبل

انہیں امکانات کی مزید توضیح کے لیے ذیل میں اُردو کے بعض وہ اشعار درج کئے جاتے ہیں جن میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تفسیر و تنقید ان ایمائی الفاظ کی وساطت سے کامیاب طریقے پر کی گئی ہے :—

ہے کس قدر ہلاک فریب وفائے گل
بلبل کے کار و بار پہ ہیں خندہ ہائے گل ...... (غالب)

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آسماں نہیں ...... (مومن)

کھلی ہے خانۂ صیاد میں ہماری آنکھ
قفس کو جانتے ہیں آشیاں نہیں معلوم . ... (آتش)

قفس میں بھی ہے اسیرو تمہیں وہی سودا
لگائے فصل بہاری کی آس بیٹھے ہو ...... (تعشق)

اس کے سوا نہیں خبر آشیاں مجھے
ہم تھے اسیر دام تو بجلی چمن میں تھی (فانی بدایونی)

" میر انیس کی نفسیاتی غلطیاں"— سید مظفر برنی -

" نا خواندگی"— ڈاکٹر م - حفیظ سید -

همایوں - لاهور - مئی ۱۹۴۴ع

یہ باتیں (افسانہ) — قرةالعین حیدر صاحبہ بنت یلدرم مرحوم -

مارکسیت — ظہیر کاشمیری صاحب -

عروض اور نظم آزاد — اڈیدیش صاحب -

همایوں - لاهور - جون ۱۹۴۴ع

سنی — پروفسر عبدالعزیز قریشی -

بھوییں (ایک ایکٹ کا ڈراما) — بلونت گارگی -

چند عرب تاریخ نگار — باری صاحب (علیگ) -

آری راں (کوریا کا قومی گیت) — ابن مریم - از چین -

برهان - دهلی - اپریل ۱۹۴۴ع و مئی سنہ ۱۹۴۴ع

نظریۂ موت اور قرآن (۲'۳) — سید ابوالنظر رضوی -

نقش فطرت میں نظم و ترتیب کائنات بحیثیت مجموعی (ترجمہ) بہ سلسلۂ سابق - استدراک بر مقدمۂ شرح حسبات قانون — سید محبوب رضوی -

حجازی عربی کا سامی زبانوں میں مقام — سید مناظر احسن گیلانی (محاضرات گویدی کا خلاصہ) -

ماہ نامۂ سب رس - حیدرآباد دکن - مارچ سنہ ۱۹۴۴ع

نیا گھر (کہانی) — ڈاکٹر یوسف حسین خاں -

بیچارگی (نظم) — بشیرالنسا بیگم ' بشیر - چند شعر درج ذیل هیں : -

سیلاب زندگی میں بہے جا رہے هیں هم
بے دست و پا هیں اور بڑھے جا رہے هیں هم
اس میں جو کیفیت ہے همیں جانتے هیں کچھ
منزل سے بے خبر هیں ' چلے جا رہے هیں هم

—

یہ جانتے ہیں لطف فسانہ نہیں رہا
پھر بھی فسانہ اپنا کہے جارہے ہیں ہم
گو تلخئی حیات سے ہر گھونٹ زہر ہے
ہے زندگی کا پاس پئے جارہے ہیں ہم

تہذیب کا اثر ادب پر - حسینی شاہد -

جب ہم خوش حال طبقہ کے ادب کو پس ماندہ غریب عوام کی ضروریات ' احساسات اور خیالات کے بیچ میں رکھ کر دیکھتے ہیں تو ہمارے ادب کا بیشتر حصہ ایک بے وقت کی راگنی اور ایک بےجوڑ پیوند معلوم ہونے لگتا ہے - یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ ایک سوسائٹی اپنے آپ کو تہذیب‌یافتہ بھی کہتی ہے اور ساتھ ہی ایک بڑی تعداد کو تہذیب سے محروم بھی رکھتی ہے - دولت کی فراوانی میں افلاس کا یہ بھیانک نظارہ بڑا عبرتناک ہے - اس تضاد کا نتیجہ ترقی پسند ادب کی تحریک ہے -

موجودہ تہذیب نے انسانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کردیا ہے بزوا اور پرولتاریہ — نیا ادب پرولتاریہ طبقہ کی نمائندگی کررہا ہے - آپ کو اس ادب میں جمہور کے احساسات ' خیالات اور جذبات انگڑائیاں لیتے نظر آئیں گے - دم توڑتی ہوئی بزوائی تہذیب کی کراہ بھی سنائی دےگی اور نومولود پرولتاری تہذیب کے خط و خال بھی دکھائی دیں‌گے - کیا یہ سب زندگی کی جیتی جاگتی تصویریں ادب آئینہ‌خانہ میں محفوظ نہیں ؟ کیا مستقبل کا نقاد موجودہ کش مکش اور ہیجان کو اس دور کے ادب میں نہ دیکھےگا ؟ تو پھر نئے ادب کے نام پر کانوں میں انگلیاں دے لینے کے کیا معنی - اس کی تہذیب اور اس کے ادب کی بنیادیں مساوات ' اخوت ' امن ' طمانیت اور آزادی پر ہیں -

مستقبل ایک ایسے انسان سے بغل‌گیر ہونے کے لئے مچل رہا ہے جو قومیت ' ملت ' وطنیت ' سرمایہ‌داری اور استحصال کی لعنتوں سے گزر کر محض انسان اور انسانیت کے لئے زندہ رہنا میں ملشارے زندگی سمجھے اور اس کا نعرہ ہوگا - ع انسانیت قوم ہماری انسانیت دھرم ہمارا -

نیا ادب نہ صرف اس سسکتی ہوئی تہذیب اور پابہ جولاں زندگی کی تفسیر کر رہا ہے بلکہ تنقید و تخلیق بھی - جہاں ترقی پسند ادب نے ایک نئی دنیا اور ایک نئے نظام کی طرح ڈالی ہے وہیں ترقی پسند مصنفین نے حصول مقصد کے لیے اپنی جانیں تک لڑادیں - چنانچہ انگلستان کے ممتاز ترقی پسند ادیب رالف فاکس اور کرسٹافر کاڈول نے ہسپانوی عوام کی آزادی کے لیے فرانکو کی فوج سے لڑتے ہوئے سر زمین ہسپانیہ میں اپنی جانیں قربان کیں - خود ہسپانیہ کے ترقی پسند شاعر میکائیو لورکا کے خون کو دنیا کے عوام نہیں بھلا سکتے " - روس کے سیکڑوں ادیب آلات حرب سے لیس میدان جنگ پر فسطائیت کا مقابلہ کر رہے ہیں - خانہ باغوں اور بلند کمروں میں بیٹھے تخیل کی پرواز تو ممکن ہے لیکن واقعیت نگاری اور حقیقی زندگی کے درخشاں نقوش صرف چلتی پھرتی زندگی کے مطالعے ہی سے ممکن ہے - روسی ادیب دن بھر دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں تو راتوں میں خندقوں میں بیٹھے ادبی شاہکار پیش کرتے ہیں - "

ماہ نامہ سب رس - اپریل سنہ ۱۹۴۴ع خاص نمبر

پہلا حصہ اُردو ادب کے ارتقا اور دوسرا اقبال کے لیے مختص ہے پہلے حصے میں ڈاکٹر زور نے شمالی ہند میں اُردو کی نشوونما اور خواجہ حمیدالدین شاہد نے اورنگ‌آبادی دور کا حال سنایا ہے - پھر مخدوم محی‌الدین صاحب " ادب کا مقصد اور ترقی‌پسند ادب " کے سلسلے میں لکھا ہے :— " ہماری سماجی زندگی کئی شعبوں میں بٹی ہوئی ہے - مگر ادب کا جس شعبے سے تعلق ہے وہ تہذیب یا کلچر ہے - جب ہم ادب کے ذریعے سماج کی مدد کرنا کہتے ہیں تو اس سے مراد تہذیب یا کلچر کی ترقی کی مدد ہوتی ہے " .... " دولت کی فراوانی میں افلاس کا یہ بھیانک نظارہ بڑا عبرت‌ناک ہے - اسی تضاد کا نتیجہ ترقی پسند ادب کی تحریک ہے ... یورپ کے ترقی پسند ادیبوں نے سنہ ۱۹۳۵ع میں ترقی پسند ادیبوں کی انجمن کی داغ بیل ڈالی تھی - جس کا مقصد فاشزم کی بڑھتی ہوئی سامراجی قوتوں کا روکنا

اور انسانوں کے حقوق کي حفاظت کرنا تھا - مگر چونکہ سماجي حق تلفیاں اور بےانصافیاں ' اس عالمگیر سرمایہدار عہد میں کسي خاص ملک اور قوم کا عارضہ نہیں رھیں ' اس لئے ترقي پسندي کا ادبی جہاد دنیا کے هر ترقيیافتہ زمانے میں شروع هوا - چنانچہ اب دنیا کے سارے ترقي پسند ادیب ' دشمن عوام خبیث قوتوں کے مقابلے میں صفهآرا اور سینہ سپر هیں ...... جو لوگ اب بھی ماضی هی کے ساتھہ چمٹے رهنا چاهتے هیں ' وہ ماضی کے ساتھ ختم بھی هوجائیں گے - انسانیت کي بقا کے لیے یہ ضروري هے کہ دنیا نئے سماجي طریقوں کے ساتھ اپني تجدید کرلے ' ورنہ اس کا ختم هوجانا یقیني هے ...... خوش قسمتي سے همارا ترقي پسند ادب اس تعمیري خدمت کے انجام دینے میں مصروف هے " اس کے بعد میکش صاحب نے " همارے ادب " پر ایک سرسري نظر ڈالي هے - پھر محمد عمر صاحب نے " اردو ترجمے " بل بھر پرشاد بھٹناگر نے " اردو ادب اور هندو سماج " اور صاحب زادہ میکش نے " اردو اور ظرافت " کے عنوانوں کے تحت مضامین لکھے هیں -

کہانیوں اور " شعرستان " کے بعد اقبال کي یاد کے لئے دوسرا حصہ وقف هے -

ماہ نامہ سب رس - حیدرآباد - مئی سنہ ۱۹۴۴ع

علامہ سید علي حیدر طبا طبائی اور ان کي شاعری - بصیرالدین هاشمي -

خطبۂ صدارت شعبۂ تصنیف و تالیف (اردو) - سید محی الدین قادري زور -

" گزشتہ ربع صدي میں دنیاے اردو کے مسائل کي پیچیدگي کے دو بڑے سبب هیں (۱) اردو بولنے والوں کي غفلت اور سہل انگاری (۲) ناخدایان اردو کي خود غرضي و غلط راہ روي " سید صاحب نے ان کا حل یہ تجویز کیا هے کہ :— (۱) ناخواندگي دور کي جاے - (۲) تعلیم بالغان پر توجہ هو - (۳) اهل اردو مطالعے کي عادت ڈالیں - دارالمطالعے قائم کریں - (۴) تمام هم دردوں کو تهیہ کرنا چاهیے کہ وہ

اپنی آمدنی کا کچھ نہ کچھ حصہ اردو کتب و رسائل کی خریداری کے لئے ہر مہینے لازمی طور پر خرچ کریں گے - (۵) نئے مصنفوں کو آگے بڑھائیں - (۶) صوبہ جاتی تفاخر و تعصب کو ادبیات میں راہ نہ دیں -

ماہ نامہ منزل ' لکھنؤ - فروری و مارچ سنہ ۴۴ع

ترقی پسند ادب کے بارے میں چند غلط فہمیاں (۳) - ڈاکٹر عبدالعلیم -

غزل - حسرت موہانی ...فلسفیوں کے متعلق فرماتے ہیں :—

غلط ہے دعوے عرفاں حق ارباب حکمت کا
حقیقت اُن سے بوجہی جاتی ہے جانی نہیں جاتی

فرائڈ کے نظریات کو ماننے والے متوجہ ہوں :—

ہوس کے حوصلے ہیں پست دنیاے محبت میں
نگاہ آرزو کی پاک دامانی نہیں جاتی
یہ آخر کیا قیامت ہے کہ با وصف خرد مندی
ہوس کے معرکوں میں دل کی نادانی نہیں جاتی
طلب گار وفاے حسن ہے عشق غرض پرور
یہ خو جاتی تو ہے لیکن بہ آسانی نہیں جاتی

ترقی طلب ادبیات میں غزل کے درجے کو یوں بیان فرماتے ہیں :—

سویت آپ کا مقصد ' بغاوت آپ کا مسلک
مگر اس پر بھی حسرت کی غزل خوانی نہیں جاتی

ماہنامہ منزل - لکھنؤ اپریل سنہ ۴۴ع

ادیب اور سیاست - اختر انصاری

" آج کل ہندستان کے ادبی حلقوں میں نیا ادب یا ترقی پسند ادب کی وجہ سے ایک شور برپا ہے - اور اس کی حمایت اور مخالفت میں انتہا ری جوش و خروش کا اظہار کیا جا رہا ہے - مگر اکثر مخالفین اس جدید ادبی تحریک کی اصل نوعیت کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں - وہ ترقی پسند ادب کی بنیادی خصوصیت کو معرض

بحث میں نہیں لاتے ' بلکہ اس کے چند ضمنی اور فروعی پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر اعتراض کرتے ھیں - اُن میں سے بعض آزاد نظم کی مخالفت میں آواز اُٹھاتے ھیں - بعض جدید شاعری کے ابہام پر معترض ہوتے ھیں ' اور بعض نئے افسانوں کی عریانی پر نفرت کا اظہار کرتے ھیں - اور آخر میں سب مل کر ترقی پسند ادب کو مردود قرار دیتے ھیں - مگر وہ یہ بھول جاتے ھیں کہ آزاد نظم ' جدید شاعری کا ابہام ' اور نئے افسانوں کی عریانی' ترقی پسند ادب کے لازمی اجزا نہیں ھیں - ادب میں ترقی پسندی کا مطلب صرف اس قدر ھے ' کہ ادیب اپنے دور کی اجتماعی زندگی سے آنکھیں چرا کر ' اور بچ کر نکلنے کی کوشش نہ کرے ' بلکہ ایک واضح مقصد کو سامنے رکھ کر اس کا جائزہ لے - ادیب اور سیاست کا گہرا تعلق ھی ترقی پسندی کی بنیادی خصوصیت ھے !

دھوبی - پروفیسر رشید احمد صدیقی -

مندرجہ بالا اقتباس کو سامنے رکھ کر صدیقی صاحب کا یہ قول ملاحظہ فرمائیے :—

" ہندستانی دھوبی کے بارے میں آپ نے ایک مشہور ستم ظریف کا فقرہ سنا ہوگا ' جس نے دھوبی کو کپڑے پچھاڑتے دیکھ کر کہا تھا کہ ' دنیا میں عقیدہ کیا چیز ھے ! اس شخص کو دیکھئے ' کپڑے سے پتھر توڑ ڈالنے کے درپے ھے - " اگر آپ نے ہندستانی شعرا یا عشاق کا مطالعہ کیا ہوتا ' جو ننگ سجدہ سے محبوب کا سنگ آستان گھس کر غائب کر دیتے ھیں - تو اس پر معلوم نہیں کیا گزر جاتی - یہ تو پرانے شعرا کا وطیرہ تھا - حال کے شعرا کا رنگ کچھ اور ھے - اُنھوں نے سوسائٹی کے میلے گندے کپڑے شارع عام پر پچھاڑنے کا نیا فن ایجاد کیا ھے - میرے ذھن میں اکثر یہ وسوسہ پیدا ہوا ھے ' کہ اس قبیل کے شعرا سوسائٹی کی خرابیوں کو دور کرنے کے اتنے قائل اور شاید قابل نہیں رھے ' جتنا ان خرابیوں کا

شکار بن چکے ھیں ' یا بن جانے کی صلاحیت رکھتے ھیں - وہ ان خرابیوں کی نشاندھی کرنے اور اس کو ایک فن بنانے کے درپے ھیں - کم زوریوں کو تسلیم کرنا ' اور اُن کو دور کرنے کی کوشش کرنا ' بڑے مستحسن آثار ھیں ' لیکن اس کے بر خلاف ان کمزوریوں کو آرٹ یا الہام کا درجہ دینا ' میرے نزدیک وہ کم زوری ھے ' جو اپنے حدود سے گذر کر کبائر کے حدود میں داخل ھو جاتی ھے - شاعری میں دھوبی کا کارو بار برا نہیں ' لیکن دھوبی اور دھوبی کے گدھے میں فرق کرنا ھی پڑے گا ! ''

ندیم - گیا - جلوری ' فروری ' مارچ سنہ ۱۹۴۳ع - شاد نمبر

اس رسالے میں السید علی محمد شاد عظیم‌آبادی مرحوم (۱۸۴۶—۱۹۲۷) کے ادبی کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ھے -

سید حسن امام صاحب مرتب رسالہ قابل مبارک باد ھیں کہ اُنھوں نے ۱۶۰ صفحوں میں شاد مرحوم کے متعلق کافی معلومات مہیا کردی ھے - سید مقبول احمد صاحب صمدنی نے حضرت شاد کے چند خطوط " شاد کی کچھہ خو نوشت سرگذشت " کے عنوان سے شائع کئے ھیں - " شاد کا مکتوب ڈاکٹر سید محمود کے نام " سید ریاست علی صاحب ندوی کا عطیہ ھے - جسے ڈاکٹر صاحب نے مکاتیب مشاھیر کے ساتھہ " ندیم " کو عنایت فرمایا تھا - یہ خط شاد کی آخری زندگی کے ناشاد ایام کا مرقع ھے - حضرت حمید عظیم‌آبادی نے " حضرت شاد کے مرثیوں کی امتیازی خصوصیت کے عنوان سے ایک اچھا مضمون سپرد قلم کیا ھے - مولانا عبدالسلام ندوی نے شاد کے کلام کا بے لاگ انتقاد کیا ھے غالباً اس مجموعے کا بہترین مقالہ سید ولی‌الرحمان صاحب کا ھے ' جس میں اُنھوں نے " غدر کے بعد اردو شاعری کا ارتقا " دکھاکر ' اس دور میں شاد مرحوم کا درجہ متعین ھے - سلسلہ مضمون میں آپ لکھتے ھیں :—

" اب سوال یہ ھے " کہ غدر کے بعد اردو شاعری کے ارتقا میں شاد نے کیا حصہ لیا ' اور ان کا کارنامہ کیا ھے - اس سلسلے میں

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اردو شاعری کے رنگ پر ایک اجمالی نظر ڈالوں' اور شعرا کے مذاق طبیعت کا استقصا کروں - ابتدا ہی سے اردو شاعری کا دامن ابتذال سے داغ دار نظر آتا ہے - محمد شاہی دور کے مشہور شعرا آب رو' ناجی' یک رنگ اور مضمون ہیں - اس دور کی مابہ‌الامتیاز خصوصیت ایہام گوئی اور ابتذال ہے - یہ لوگ رعایت لفظی کی دھن میں' نفس مضمون کا خون کردیتے تھے - اس مذموم طرز نے اردو شاعری پر اتنا اثر کیا کہ میر و سودا بھی اس سے دامن نہ بچا سکے - اگرچہ ان کا طبعی رنگ یہ نہ تھا - مگر اپنے پیش رو شعرا کی تقلید سے یہ لوگ بھی اس گناہ کے مرتکب ہوگئے - آگے چل کر جرأت' و انشا اور مصحفی بھی اسی رنگ میں شرابور نظر آتے ہیں - یہی طرز لکھنوی شعرا کی شاعری کا طرۂ امتیاز قرار پایا - یہاں تک کہ ناسخ اور ان کے تلامذہ نے لکھنؤ میں' اور انھیں کے اثر سے نصیر و ذوق نے دہلی میں' ایہام گوئی و رعایت لفظی کا ایسا طلسم باندھا اور ابتذال و سوقیت کا وہ طوفان برپا کیا' کہ تہذیب و متانت نے آنکھیں بند کرلیں - اور شاعری ایک گورکھ دھندا ہوکر رہ گئی ہے - بالآخر امانت لکھنوی پر اس طرز کا خاتمہ ہوگیا ...... صرف ایک شاد کی ہستی تھی جس نے حالی کے اعتراضات کو قبول کرتے ہوئے' ایک نظم تیار کی' جس میں یہ بات ثابت کی' کہ اگر شاعری کو حد اعتدال کے اندر رکھا جائے' اگر اسے غیر مہذب' غیر فطری اور مبتذل خیالات سے منزہ رکھا جائے' اگر اسے اخلاقی' عارفانہ اور فلسفیانہ مضامین سے مملو کیا جائے' اگر اسلوب بیان میں متانت و جزالت ہو' اگر اس کا دامن ابتذال و سوقیت سے بچایا جائے' تو شاعری نہیں ایک قسم کی عبادت ہے" -

" ارشادات شاد " کے سلسلے میں بہزاد فاطمی صاحب کا مقالہ شاد کی شاعری کے تخلیقی عنصر کو نمایاں کرتا ہے - غرض کہ یہ نمبر ہر حیثیت سے اچھا ہے -

ندیم - گیا - اپریل سنہ ۱۹۴۴ع

علی‌گڑھ و ادب اردو (سید احمد) از جناب ناظر کاکوروي (باقی)
تصیہ نادر خطوط غالب - از پروفسر رسا ہمدانی -
بہار میں اردو - از قاضی محمد سعید (باقی)

ندیم - گیا - مئی سنہ ۱۹۴۴ع

ایروس اور سائکی (ڈراما) پروفسر رسا ہمدانی گیاوی -

ساقی - دہلی - مئی ۱۹۴۴ع

اپریل کا ساقی دفتر میں وصول نہیں ہوا - محمد حسن عسکری صاحب کا مضمون " جھلکیاں " کی پہلی قسط ' اس نمبر میں شائع ہوا تھا - دوسري قسط زیر نظر رسالے میں ہے ' جس میں جدید شاعري کي حمایت میں بعض مسائل کي وضاحت کي گئي ہے -

علی‌گڑھ مے گے زین - مارچ سنہ ۱۹۴۴ع

(صفحات ۱۹۴ - قیمت درج نہیں)

یہ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے طالب علموں کا واحد علمی و ادبی رسالہ ہے - سنہ ۴۴-۱۹۴۳ع کي مجلس ادارت کے نگراں جناب محمد ضیا احمد بدایونی استاد فارسي ہیں ' اور مدیر و نائب مدیر ملک حامد حسین اور سید حفیظ‌الاسلام صاحبان ہیں - مجلس ادارت نے خاص نمبروں کا سلسلہ ملتوي کردیا ہے اور مے گے زین کي عام اشاعت شروع کردي ہے - زیر نظر رسالے میں طلبائے یونی ورسٹي کی تحریروں کی طرف زیادہ اعتنا کیا گیا ہے - البتہ حصۂ نظم کو کام یاب بنانے کے لیے خارجی حلقوں سے امداد لینے سے احتراز نہیں کیا گیا - مدیر نے مسعود حسین خاں صاحب کے مضمون " اردو کا فن عروض اور عظمت‌اللہ خاں " کے متعلق لکھا ہے کہ ایک خاص نقطۂ نظر کو سامنے رکھ کر بڑی محنت سے لکھا گیا ہے - اور اردو شاعری میں نئے عروضي تجربوں کی دعوت فکر دیتا ہے ' . مولانا حسرت موہاني کا مضمون

" اقسام غزل " ہمارے شعرا کے لیے دلیل راہ بن سکتا ہے ' لیکن زیر نظر رسالے میں ناتمام شائع ہوا ہے - طلبا نے جو ادبی معیار تحریر پیش کیا ہے وہ کافی بلند ہے - اور ہمیں امید ہے کہ نوجوانان علی‌گڑھ جلد اپنے رسالے کو ٹائپ میں طبع کرنے کی کوشش کریں‌گے ' اور حجری دور کی خامیوں کو آهنی پختگی میں تبدیل دیں‌گے - اس کے علاوہ اصلاح املا کے متعلق ملک میں بعض اہم تجاویز زیر بحث ہیں - مجلس ادارت کی ہمت افزائی سے طلباے علی‌گڑھ اردو رسم‌الخط کی خرابیوں کو دور کرنے اور ملک میں رائج کرنے میں بہت کچھ اعانت کرسکتے ہیں -

سال نامہ نئی زندگی ' الہ‌آباد ' سنہ ۱۹۴۴ع

صفحات ۲۰۸ قیمت ۰ - ۸ - ۱

یہ ایک بلند پایہ سیاسی اور کلچرل رسالہ ہے ' جو پابندی سے ہر مہینے لیتھو کی چھپائی میں شائع ہوتا رہتا ہے - ڈاکٹر سید محمود ' ممبر کانگرس ورکنگ کمیٹی اس کے سرپرست اور بانی تھے - وہ جب سے نظربند ہوئے ہیں ' ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید ام - ال - سی - (بمبئی) اس کے سرپرست ہیں اور انیس‌الرحمان صاحب اڈیٹر و پرنٹر ہیں - زیر نظر رسالہ پانچ حصوں میں تقسیم ہے -

پہلا حصہ :— موجودہ جمود کیسے دور ہو ؟ از سید عبداللہ بریلوی (کانگرس) - راج گوپال آچاری - ڈاکٹر عبدالمحمود قاضی (مسلم لیگ) ' سجاد ظہیر (کمیونسٹ پارٹی) ' آرتھر مور (یوروپین گروپ) -

دوسرا حصہ :— مسئلۂ پاکستان اور حق خود ارادیت ;— از ڈاکٹر سید عبداللطیف مولانا طفیل احمد منگلوری ' سوامی سہجانند سرسوتی ' خواجہ احمد عباس -

تیسرا حصہ :— قومی زبان کا مسئلہ :— از ڈاکٹر بینی پرشاد ' محمد اجمل خاں ' رگھوبیر سرن دواکر -

چوتها حصہ :— اتحاد عربي ' از مسٹر عبدالرحمان صديقي -
پانچواں حصہ :— هندو تهذيب ' از ڈاکٹر سيد محمود -
چهٹا حصہ :— اسلامي کلچر ' از آصف اے - اے - فيضي -
ساتواں :— مختلف مضامين - جو مشهور اهل قلم کے افکار پر مشتمل هے - جس خوبي ' صنعت اور محنت سے اڈيٹر 'نئي زندگي' نے يہ سال نامہ ترتيب ديا هے اس کا اندازہ صرف پڑهنے سے هوسکتا هے - هر مضمون اس قابل هے کہ اُس کے اقتباسات درج کئے جاتے ' وہ مضامين خصوصيت سے جاذب توجہ هيں جو هماري زبان اور کلچر سے تعلق رکهتے هيں -

ادبي دنيا - لاهور - مارچ سنہ ۱۹۴۴ع ضخامت ۹۴ صفحے

يہ ايک ادبي رسالہ هے جو هر مهينے لاهور سے شائع هوتا رهتا هے - اس کے قابل مدير صلاح الدين احمد صاحب هيں ' جو پنجاب اُردو کانفرنس کے سکريٹري بهي هيں - زير نظر رسالے ميں اُن کا مضمون " همارے ادب کا نيا انداز " ترقي پسندوں کے ادب کا جائزہ هے - آپ لکهتے هيں کہ :—" هماري افسانوي نثر کي طرح ' هماري جديد شاعري بهي جلدي اور جسماني بهوک کي پکار سے گونج رهي هے - اور کهلے کي باتيں اس انداز سے کہ رهي هے ' کہ سماج اُنهيں سن کر منه پهير ليتي هے..... رومان ' کہ شاعري کا بنيادي عنصر هے ' اس کي حيثيت ايک پناہ گاہ سے زيادہ نهيں رهي " -

رسالے ميں مختصر افسانے اور نظميں بهي هيں اور علمي و ادبي مضامين بهي - قيمت آٹه آنے في پرچہ هے -

کتابيں

(تبصرے کے لئے مطبوعہ کتابوں کي دو جلديں آنا ضروري هيں) -

" انتخاب غالب "

از مرزا اسداللہ خاں غالب در سنہ ۱۸۶۶ع

مرتبۂ جناب عرشي صاحب ناظم کتب خانہ رام پور - طباعت ٹائپ ' بڑي تقطيع ضخامت ۳۲۳ صفحے قيمت غير مجلد ۸ روپے -

مجلد هاف باونڈ چرمی ۱۰ روپے - مجلد - چرمی نرم - ۱۲ روپے -
مکتبہ جامعہ دهلی

ادب اُردو میں مرزا غالب اور اُن کے کلام نے ' جو کچھ خراج تحسین حاصل کیا ہے وہ محتاج تعارف نہیں - ان کے دیوانوں کی متعدد شروح ' رقعات و خطوط کے نئے نئے ایڈیشن ' اور نظم و نثر کے ہر ہر پہلو پر تنقیدی مضامین ' ان کے کلام کی مقبولیت کا بہترین طرہ امتیاز ہیں -

زیر نظر کتاب " انتخاب غالب " کو جس میں مرزا غالب کے فارسی اور اُردو دیوان کا انتخاب ہے صرف اس لیے اهمیت حاصل ہے کہ اسے نواب خلد آشیاں والی ریاست رامپور کی فرمائش پر مرزا غالب نے بذات خود ۱۸۶۶ء میں مرتب کیا تھا -

عرشی صاحب نے اس کے شروع میں ۴۰ صفحوں کا ایک مفید دیباچہ اور آخر میں " شرح غالب " کے عنوان سے مرزا کی ان تمام عبارتوں کو درج کردیا ہے ' جن میں انہوں نے خود اپنے اشعار کے معنے بتائے ہیں بہرحال اس حیثیت سے یہ کتاب ادب اُردو کے لیے حد درجہ مایۂ ناز ہے -

عرشی صاحب ناظم کتب خانہ اور خصوصا اعلحضرت فرمانروائے رامپور شکریے کے مستحق ہیں کہ جن کی بلند ہمتی اور فراخ حوصلگی سے ادب اردو کا یہ بیش قیمت تحفہ اس گرانی کے عالم میں اعلی درجے کے ولایتی کاغذ پر بڑے اهتمام سے چھاپا گیا ہے جب کہ معمولی کاغذ تک کا مہیا ہونا نہایت دشوار ہے -

یہ کتاب صرف مکتبۂ جامعہ دهلی سے مل سکتی ہے -

(ڈاکٹر محمد حماد فاروقی)

" مضامین الهلال "

ناشر :— ادبستان بیرون موچی دروازہ لاهور

ضخامت ۲۲۲ صفحے خفی قلم چھوٹی تقطیع قیمت دو روپے

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے اُن چند مضامین کا مختصر انتخاب جو " الہلال " میں شائع ہوچکے ہیں - اس سے پہلے اسی ادارے نے " انتخاب الہلال " اور " مقالات الہلال " کے نام سے مولانائے محترم کے مضامین کا انتخاب شائع کرنے کی بھی سعادت حاصل کی ہے -

اِس مختصر مجموعے میں مولانا کے پانچ مضامین - ۱ - صدائے حق - ۲ - دعوت حق - ۳ - جہاد اور اسلام - ۴ - فاتحین کا داخلہ اور ۵ - افسانۂ ہجر و وصال ہیں - جو سلف صالحین کے صبر جمیل کے نمونے ' مسئلۂ خلق قرآن اور مناظرۂ دربار مامون‌الرشید کے عبرت خیز حالات ' حضرت ابراہیم علیہ‌السلام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کی تلقین ' حقیقت اسلامی کا قانون عام - مغلوبین کے شہروں میں داخلے کے اسلامی اخلاقی احکام ' مجاہدین اسلام کی خوش اخلاقی و خوش معاملگی - اسلامی فوج کے نظام و ترتیب کی ترقی ' اسلام کے فوجی احکام - وصیتیں' عہد نبوت کی ابتدائی فتوحات و غیرہ اہم مضامین پر مشتمل ہیں -

ان میں سے ہر مضمون بذات خود مکمل تازیانۂ عبرت ہے - پھر حضرت مولانا کی زبان اور خصوصاً زور بیان - سونے پر سہاگے کا کام دیتا ہے - یقیناً اس قسم کے انمول جواہر ریزے ادب اُردو کے لیے ہمیشہ سرمایۂ افتخار ہیں صرف اُردو دان اصحاب ہی کے لیے نہیں بلکہ انگریزی خواں حضرات کے لیے بھی ' ان کی بار بار ورق گردانی ازدیاد لطف کا باعث ہے - ان کی تکرار میں ایک ایسا لطف حاصل ہوتا ہے جس کا اندازہ صرف قاری ہی کرسکتا ہے - حقیقت یہ ہے کہ -

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

افسوس ہے کہ اِس میں کتابت کی جابجا غلطیاں موجود ہیں ' جو اگرچہ نفس مضمون کی جاذبیت کو مانع نہیں ' تاہم اُن کا دور کرنا ضروری ہے -

(مولوی محمد رفیع)

آریائی زبانیں

از پروفیسر ڈاکٹر سدھیشور ورما ' ایم - اے ' ڈی لٹ
مطبوعۂ حیدرآباد دکن - سلسلۂ ادارۂ ادبیات اردو -

سلسلۂ ادارۂ ادبیات اردو میں آریائی زبانوں کے متعلق یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں چھوٹی تقطیع کے قریب سو صفحے ہیں - شروع میں پروفیسر سید محی الدین قادری کا دیباچہ ہے -

رسالہ چار حصوں میں منقسم ہے - پہلے حصہ میں ہندوی کی تاریخ بتائی گئی ہے - ہندوی سے مراد ان زبانوں سے ہے جن میں آج کل کی ہندی اور ادبی اردو اور ان پڑھ لوگوں کی بول چال کی ہندستانی شامل ہیں - دوسرے حصے میں آریائی زبانوں کی پیدائش ترقی اور شکل پر بحث کی ہے اور ہند آریائی اور ایرانی کا مقابلہ کیا گیا ہے -

تیسرے حصہ میں ہند آریائی زبانوں اور ان کی خصوصیات کا اور چوتھے میں ایرانی زبانوں کا مختصر بیان ہے -

اس رسالے کے پہلے حصے میں صفحہ ۹ سے صفحہ ۳۳ تک شامل ہیں - اور اس میں تمہید ' ہندوی زبان کا ماخذ و ارتقا ' ہندوی اور مسلمان ' اردو کا آغاز ' ہندی و اردو نثر کا آغاز ' عہد حاضر کی معیاری ہندوی کے عنوان ہیں - ہر عنوان کے تحت میں ایسے بیان ہیں جن کے لیے کوئی ثبوت نہیں پیش کیا گیا ہے اور جو غلط یا مشتبہ معلوم ہوتے ہیں - ذیل کی چند مثالوں سے واضح ہوجائے گا :—

(۱) صفحہ ۱۰ پر پروفیسر ورما لکھتے ہیں - " لفظ ہندوی اس زبان کے ناموں میں سب سے پرانا ہے " - صفحہ ۱۲ پر " گیارھویں اور بارھویں صدی کے چند مسلم مؤرخوں نے ہند کی زبان ' ہندو ' یا ہندی کا ذکر کیا ہے " -

پہلے فقرے کے لیے ڈاکٹر سنیتی کمار چٹرجی کا حوالہ دیا ہے - لیکن نہ چٹرجی نے اور نہ پروفیسر ورما نے کسی اصلی ماخذ سے ثبوت دینے کی زحمت گوارا کی ہے - ڈاکٹر چٹرجی اپنی کتاب , انڈو آرین

ایلڈ هندي ' کے صفحہ ۱۳۱ پر لکھتے هیں - " هندی اس بولی کا سب سے پرانا اور سادہ نام هے جو شمالی هندستان میں (پنجاب کے پورب سے بنگال تک) ترکوں کی فتوحات کے زمانے سے یعنی ' بارهویں تیرهویں صدی سے رائج هے - " دوسری جگہ یعنی صفحہ ۱۵۱ پر ڈاکٹر چٹرجی فرماتے هیں - " هندی نام (پرانا هندوی) زبان کے لیے هندستانی اور اردو سے پرانا هے " -

ان بیانوں میں جو اختلاف هے وہ ظاهر هے -

(۲) صفحہ ۱۳ پر لکھتے هیں " اس علاقے کی ادبی زبان برج بھاکھا تھی - لیکن چونکہ وہ صرف عالموں کی ایک خاص بولی تھی ' اس لیے اس کے لیے مسلمانوں کے دل میں کوئی کشش پیدا نہ هوئی " - جس زمانے میں مسلم حملہ آور پنجاب سے آکر دهلی کے علاقہ میں سکونت پذیر هوے اس زمانے میں برج بھاکھا کا ادبی زبان کی حیثیت سے کہیں وجود نہیں تھا - ادب کے لیے سولھویں صدی سے پہلے برج بھاکھا استعمال هی میں نہیں آئی - یہ بھی غلط هے کہ مسلمانوں کے دل میں اس کے جانب کشش نہیں پیدا هوئی رس کھان اور رحیم کے نام اس کشش کا ثبوت پیش کرتے هیں -

(۳) صفحہ ۱۵ پر کچھہ عجیب بے تکی باتیں نظر آتی هیں - هندوی کی توسیع مغل سلطنت کی نعمتوں میں گنائی گئی - حالانکہ سترهویں صدی کے آخیر چوتھائی میں دهلی میں اردو کا آغاز هوتا هے - بر خلاف اس کے دکن میں پندرهویں ' صدی سے هندوی ادب ترقی کی راہ پر گام زن هوتا هے -

امیر خسرو نے کون سی پر لطف نظمیں هندوی میں لکھیں ان کا کوئی نمونہ نہیں ملتا - پروفسر ورما کے قول کے مطابق " چودهویں صدی میں کبیر اور پندرهویں صدی میں سکھ گرووں نے مذهبی نظمیں لکھ کر هندی کی اور بھی توسیع کی " - کبیر نے نظمیں اودهی میں اور گرو نانک (پندرهویں صدی میں صرف ایک گرو هوے یعنی نانک) نے پنجابی میں نظمیں لکھیں - ان کی نظمیں کھڑی بولی یا پچھمی هندی میں بھی تھیں یا نہیں ' ثبوت طلب هے -

پھر لکھتے ہیں " ہندوی محض برج بھاکھا تک ہی محدود نہ رہی بلکہ مشرقی ہندی اور پنجاب کی مشرقی سرحد سے بھی الفاظ کا خزانہ حاصل کیا (؟) اور اس طرح صرفی و نحوی مختلف تشکیلوں کی شمولیت اس میں ہوتی رہی "— یہ ایک بالکل بے معنی اور بے بنیاد بیان ہے - ہندی اردو (ہندوی) میں پوربی ہندی سے کوئی صرفی یا نحوی اصول نہیں لیا گیا -

اپنے بیان کے ثبوت میں پروفیسر ورما ملک محمد جائسی کی پدماوت اور شاہ برہان الدین جانم کی تحریروں کا حوالہ دیتے ہیں - ملک محمد جائسی کی پدماوت کی زبان اودھی ہے ہندی یا ہندوی نہیں - شاہ برہان الدین جانم کی زبان دکھنی اردو ہے جس پر پنجابی کا اثر ہے - بعد میں جیوں جیوں اردو نے ترقی کی ان اثروں کو ترک کرتی گئی، اور اس کی صرفی و نحوی تشکیلوں پر پنجابی قاعدوں کا اثر نہ رہا -

پروفیسر ورما لکھتے ہیں " ادبی ہندی ادبی اردو سے تقریباً دو صدی زیادہ پرانی ہے " - یہ سراسر غلط ہے - ادبی ہندی اٹھارویں صدی کے آخری اور انیسویں کے ابتدائی برسوں کی پیداوار ہے - ادبی اردو کی تاریخ پندرھویں صدی سے شروع ہوتی ہے - اگر ادبی ہندی میں ادبی اودھی کو شامل کرلیں تو ادبی اردو اور ادبی ہندی ہم عصر ہوجاتی ہیں -

(۳) اردو کے متعلق پروفیسر ورما کی تحقیق قابل داد ہے - آپ فرماتے " ہندوی کے دوسرے نام (زبان اردو) کا آغاز تیرھویں صدی کے آخر حصے میں ہوا تھا جب دھلی کے حملہ آور یکے بعد دیگرے دکن میں پہنچے تو ان کی زبان "اردو کہلائی جانے لگی " - اس کل فقرے کا سر پیر نہ سمجھ میں آیا - کیا پروفیسر ورما کا خیال ہے کہ دھلی کے حملہ آور دکن میں تیرھویں صدی میں پہنچے اور ان کی زبان وہاں جاکر اردو کے نام سے موسوم ہوئی ؟ اگر ایسا ہی خیال ہے تو بریں عقل و دانش بہ باید گریست -

(۵) " اردو نثر کا آغاز پہلے پہل زیر سایۂ گورنمنٹ هند انیسویں صدی کے شروع میں هوا " - لیکن پروفیسر صاحب بہول گئے کہ دکن میں صوفیوں نے پندرھویں اور سولہویں صدي میں رسالے لکھے - اور اردو نثر کا سلسلہ اسي زمانہ سے جاري هوا - اس کے ثبوت میں شاہ میراں شمس العشاق اور ان سے فرزند شاہ برهان الدین جانم کو دیکھنا چاهیئے -

(۶) پروفیسر ورما نے هر زبان کي تین قسمیں بتائی هیں ' معیاري ' تحریري اور ادبي - لیکن کئي جگہ ٹکسالی زبان کا بهي ذکر کیا هے - یہ نہیں بتلایا کہ ٹکسالي ان قسموں میں سے کس کے تحت میں آتي هے -

معیاری هندوی کی تعریف بهي سننے کے قابل هے - فرماتے هیں " معیاري هندوي وہ زبان هے جس میں معیاري هندوي کي تمام بولیاں (ان پڑھ گنوار کي بولي سے لے کر عالم اور پنڈت کي بولي تک) شامل هیں " - اگر اس صاف اور صریح ' جامع اور مانع تعریف کے بعد بهي کسي کي سمجھ میں معیاري هندوي نہ آئے تو پروفیسر صاحب کا کیا قصور هے -

آگے چل کر (صفحہ ۲۵) کہتے هیں " لہذا هندوستان جیسے ملک میں جہاں کہ خواندہ لوگوں کي تعداد اتني کم هے ادبي زبانیں محض بولیاں کہلائي جائیں گي - کیونکہ انہیں چند اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ هي سمجھ سکتے هیں " - پروفیسر صاحب کي اصطلاح میں ادبي زبان بولي بن سکتي هے اور گنوارو ' ادبي اور معیاري زبان - یہ ایسا معما هے جس کي کنجي اس رسالے میں ڈھونڈھنے سے بهي نہیں ملے گي -

اس لمبی تمہید کے بعد اصل کتاب شروع هوتي هے جس میں هند آریائي اور ایراني زبانوں کي خصوصیات بتائي گئي هیں - اس حصے میں اس قسم کی غلطیاں تو نہیں هیں جیسي کہ پہلے حصے میں نظر آتی هیں - لیکن اس کو پڑھنے کے بعد یہ سوال پیدا هوتا هے کہ یہ حصہ لکھا کسي مقصد سے گیا هے - پچیس صفحوں میں نہ صرف هند آریائي اور ایراني کے ماخذوں اور باهمي مشابہت اور اختلافات پر

تبصرہ کیا گیا ھے - بلکہ اُن کے ارتقا اور گروھوں پر بحث کی گئی ھے - ھند آریائی کی جنوب ، مغربی ، مشرقی ، شمالی مغربی اور وسطی زبانوں کا تذکرہ ھے - اور اسی طرح ایرانی کا ارتقا ، قدیم ایرانی زبانوں کے گروھوں کا بیان ھے -

یہ ظاھر ھے کہ اتنی چیزوں کو ایک جگہ جمع کردینا دریا کو کوزے میں بند کرنا ھے - لیکن اس کا نتیجہ یہ ھے کہ کتاب نہ تو مبتدی کے کام کی رھتی ھے اور نہ لسانیات کے عالموں کے ، مبتدی تو اس سے اس وجہ سے فائدہ نہیں اٹھاسکتے کہ وہ لسانیات کی ابتدائی منزلوں سے واقف نہ ھونے کے باعث اس کی اصطلاحوں اور صوتی اور لسانی باریکیوں کے سمجھنے سے قاصر ھیں - منتہیوں کے لیے اس میں بہت مختصر بحثیں ھیں - اُن کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو کتاب ایک زبانوں کی فہرست سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی -

ان سب کمیوں کے باوجود ممکن ھے کہ کتاب ان لسانیات کے طالب علموں کے کام آسکتی جو اس علم سے ایک حد تک واقف ھیں - لیکن ایک جگہ پر زبانوں کے ناموں اور ان کی خصوصیات کو اختصار کے ساتھ دیکھنا چاھتے ھیں - لیکن اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بھی یہ مدنظر رھنا چاھیے تھا کہ کم سے کم کتاب کی تحریر تو صحیح اور بامحاورہ ھوتی - افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ھے کہ اس کی زبان میں بہت کافی تعداد میں لغزشیں ھیں - معلوم ھوتا ھے کسی نو سکھیے نے انگریزی مقالے کا اردو میں ترجمہ کیا ھے - اور بہت بھونڈے طریقے سے کیا ھے - کتابت کی غلطیاں بھی بہت ھیں اور ان کی تلافی غلط نامے سے بھی نہیں ھوتی - مثال کے طور پر نیچے چند جملے دیے جاتے ھیں :—

صفحہ ۱۰ - " اس خصوصیت کی وجہ ویدوں کی قدیم یادداشتوں کی موجودگی ھے " -

صفحہ ۱۲ - ۲۲ - ۱ عیسوی میں طبقات اکبری کے مصنف نظام الدین الخ -

صفحہ ۱۷ - " اس کے بالمقابل " -

صفحہ ۱۹ " اس کے متعلق اختلاف رائے محیرالعقول ہے " -
صفحہ ۱۹ - " اس زمانے کو سیکھنا ضروری تھا " -
صفحہ ۲۱ - " یہ مختلف بولیوں کے درمیان ایک نقطۂ اعتدال کا کام دیتی ہے " -
صفحہ ۲۳ - " ادبی زبان جو ادبیات میں مستعمل ہوتی ہے اکثر معیاری اور تحریری زبان سے دور رہتی ہے " - وغیرہ

اخیر میں مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ ادارہ ادبیات اردو کے قابل معتمد اعزازی کا یہ دعوی کہ " زیر نظر کتاب ان اصحاب اور خاص کر طلبہ کے لیے انتہا مفید ثابت ہوگی جو اُردو زبان کا فنی نقطۂ نظر سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں " زیادہ تر خوش اعتقادی پر مبنی ہے -

(ڈاکٹر تارا چند)

ابوالکلام آزاد

مرتبۂ عبداللہ بٹ ، سکریٹری آل پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن - ناشر قومی کتب خانہ ، ریلوے روڈ لاہور اگست سنہ ۱۹۴۳ع -

تقطیع چھوٹی - ضخامت ۲۳۹ صفحات - مجلد - قیمت دوپہ آٹھ آنے -

پنجاب کے مسلم طلبہ کی جمعیت اور اُس کے سرگرم سکریٹری قابل تہنیت ہیں کہ اُنھوں نے ہندوستان کے مشاہیر نوشاست مسلمانوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو جمع کرکے شائع کرنا شروع کیا ہے - لیکن حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت مسلمانوں ہی کے لیے نہیں ، کُل مشرق کے لیے سرمایۂ افتخار ہے - وہ اُن چند گنی چنی ہستیوں میں سے ہیں جنھیں تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی -

زیر نظر مجموعے میں خواجہ حسن نظامی صاحب کہتے ہیں کہ " مولانا ابوالکلام کو ہندوستان کا بادشاہ بنادیا جائے تو وہ اکبر اعظم کی طرح ہر قوم میں مقبول ہوںگے سوائے ان کے جو ان کی بادشاہی کو اپنی ذات کے لیے نقصان رساں سمجھیں " - مسٹر آصف علی کہتے ہیں

" اگر اُن کی ساری قوم گمراہ و بے اصول لوگوں کے بہکانے میں آکر اُن کا ساتھ چھوڑ دے اور وہ تنہا رہ جائیں ، تب بھی وہ اس راستے سے ، جس کے بارے میں اُنھیں یقین ہے کہ صحیح راستہ ہے ، ذرا بھی ادھر اُدھر نہیں ہوں گے " -

سید سلیمان ندوی صاحب اُنھیں یوسف ثانی ہی نہیں سمجھتے بلکہ اُن کے علم و فضل کی توصیف کے سلسلے میں لکھتے ہیں ، کہ " ان سطروں کے لکھتے وقت مجھ کو یہ دھوکا ہو رہا ہے ، کہ کہاں میں خود ابن تیمیہ اور ابن قیم - یا شمس الائمہ سرخسی اور امیہ بن عبدالعزیز اندلسی کے حالات تو نہیں لکھ رہا ہوں " پنڈت جواہر لال نہرو جو چوبیس سال سے مولانا کی اصابت رائے کے معترف ہیں کہتے ہیں کہ " کانگرس کی تاریخ میں اور بلکہ ہندوستان کی تاریخ میں بہت کم لوگ اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ کانگرس کی تجاویز و عزائم کی تراش خراش اور وضع قطع میں ان کا زبردست ہاتھ کس طرح مصروف کار رہا ہے... اُن کے آزاد مشورے غیر معمولی طور پر وقیع سمجھے جاتے ہیں ، کیونکہ ان رایوں اور مشوروں کے پیچھے دانش و تدبیر ، فہم و فراست کی غیر معمولی پختگی اور گہرائی روز بروز نمایاں تر ہوتی جارہی ہے " - جان گنتھر اُنھیں " مرد جلیل " کا لقب دیتا ہے اور کہتا ہے کہ " مولانا کی یکتائے روزگار خصوصیت یہ ہے کہ اُن کی شخصیت میں دینی روایات عالیہ اور نظریات جدید کا حیرت انگیز امتزاج ہے - وہ " الازہر " جانے کے باوجود بہت سے ہندستانی رسم الخط کو لاطینی بنانا چاہتے ہیں اور مذہبی کتب میں استغراق و انہماک کے باوجود ایک بہترین سیاسی مقرر اور نہایت زبردست صحافی ہیں "-
بیگم ڈاکٹر سید عبداللہ ، ابوالکلام کی نثر کے عنوان کو یوں ختم کرتی ہیں -

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں بھی مزا نہ رہا

کامریڈ یوسف مہر علی اُنھیں " نقیبِ انقلاب ہند " مانتے ہیں - اور مہادیو دیسائی آں جہانی ، جو مہاتما گاندھی کے عزیز سکریٹری اور

مولانا کے انگریزی سوانح نگار تھے ' یوں لکھ گئے ہیں :—" مولانا بہت بڑے مستشرق ہیں - عربی و فارسی میں تو آپ کا کوئی مقابل نہیں ' مگر جب آپ بات چیت کرتے ہیں تو ایسی آسان ' شگفتہ اور سلیس اردو بولتے ہیں ' کہ ہر کوئی ان کا مفہوم سمجھ سکتا ہے - بلا شبہہ یہی مولانا کی زبان " ہندوستانی زبان " ہے - اور گاندھی جی اسی زبان کو ہندوستان کی لنگوا فرنکا سمجھتے ہیں - مولانا اپنی گفتگو میں مثالوں اور استعارے استعمال کرتے ہیں ' اور اس طرح مطالب سننے والے کے ذہن نشین ہوجاتے ہیں " -

کانگرس نے سنہ ۱۹۳۷ع میں عہدے قبول کرنے کا فیصلہ کیا اور جب ستمبر ۱۹۳۹ع میں یورپ میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھے ' اور برطانیہ نے ہندوستان کی رضامندی کے بغیر اس کے جنگ میں شریک ہونے کا اعلان کردیا ' تو ڈھائی برس مہینوں کی حکومت کے بعد کانگرسی وزارتوں کو مستعفی کرانے کی پوری ذمہ داری مولانا نے لی - آپ نے سالانہ رامگڑھ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا :—

" آج پھر قوموں کے گلوں کو خون اور آگ کی ہولناکیوں میں دھکیلا جارہا ہے ' کیا معقولیت اور حقیقت کی موجودگی سے ہمیں اس درجہ مایوس ہونا چاہیے کہ ہم موت اور بربادی کے سیلاب میں کودنے سے پہلے یہ بھی معلوم نہیں کرسکتے کہ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے' اور خود ہماری قسمت پر اس کا کیا اثر پڑے گا " -

حضرت مولانا کے اس سوال پر یہ اعتراض بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ کانگرس عدم تشدد کی وجہ سے " آگ اور خون " کا فیصلہ لینے سے گریز کرتی ہے کیونکہ جون ۱۹۴۰ع میں مجلس عاملہ نے یہ فیصلہ کردیا تھا کہ اگر برٹش گورنمنٹ ہندستان کا حق تسلیم کرلے تو کانگرس ہندستان کے بچاؤ کے لیے یہ بھی کرےگی - ۸ اگست کو وائس رائے نے اعلان کیا کہ جنگ کے بعد ہندستان کو ڈومنین کا درجہ دیا جائےگا - اور ان مسائل پر گفتگو کرنے کے لیے صدر کانگرس مولانا ابوالکلام آزاد کو ملاقات کی دعوت دی - مولانا نے اس وعدۂ فردا کی بناپر دعوت قبول کرنے سے صاف انکار

کردیا - گاندھی جی جو عدم تشدد کے خیال سے کانگرس سے علحدہ ہوچکے تھے - پھر انفرادی سول نافرمانی کی قیادت کے لیے مدعو کیے گئے - مخصوص حالات کا لحاظ رکھتے ہوئے یہ طے کیا گیا تھا کہ کانگرس کے مخصوص افراد اس مہم میں شریک کئے جاویں - اور پر امن نافرمانی کا جو نتیجہ بھی ہو برداشت کریں - غرض کہ جو لوگ شرائط پر پورے اترے وہ نافرمانی کی اجازت حاصل کرسکے - مولانا نے کانگرس کا مسلک اور ہندستان کی خواہش و طلب کا اظہار کرنے کے لیے اس مہم کی پہلی تقریر کلکتہ میں کی - پھر پٹنہ ، الہ آباد ، دہلی اور لاہور میں بھی تقریر ہوئی اس تقریر کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان اس وقت تک برطانیہ کی جنگ میں کوئی مدد نہیں دے سکتا جب تک کہ خود ہندستان اس فیصلہ کرنے کا درجہ (ستی ٹس) نہ رکھتا ہو - ان تقریروں کی بنا پر وہ لاہور سے واپسی میں الہ آباد اسٹیشن پر صبح صادق سے پہلے گرفتار کرکے نینی جیل روانہ کردیے گئے - پھر سرسٹیفورڈ کرپس کی آمد پر گفت و شنید کے لئے رہائی ہوئی - لیکن افسوس ہے کہ بارہ دن کی طویل گفتگو بے نتیجہ ثابت ہوئی ابوالکلام کی طلاقت لسانی اور سیاسی بلندنظری کے باوجود برٹش مدبروں نے کانگرس کے مطالبے کو قابل اعتنا نہ سمجھا - اور ڈفنس کے مسئلے پر یہ بات چیت بھی ختم ہو گئی - آخر کار کانگرس نے ۸ اگست سنہ ۱۹۴۲ ع کی رات کو سول نافرمانی کی باگ ڈور مہاتما گاندھی کے ہاتھوں میں دے دی - اور وہ اس کی قیادت کے لیے پھر تیار ہو گئے - لیکن ۹ اگست کی صبح ہوتے ہوتے مولانا مع اراکین مجلس عاملہ اور گاندھی جی گرفتار کر کے پونا کی طرف یک سپیشل ٹرین سے روانہ کر دیے گئے - غرض کہ شروع سے آخر تک اس مجموعے میں ہندستان کی اس عدیم المثال ہستی کے سیاسی ، اخلاقی اور ادبی کارنامے نظر آتے ہیں ، جو سیاست ، مذہب اور ادبیات کے ہر شعبے میں ہندستان کا امام ہے - ضرورت ہے کہ ہر شخص اس مجموعے کو پڑھے اور ایک مکمل تر سوانح عمری کا انتظار کرے - گو ہمیں امید نہیں کہ مولانا اپنی نظر بندی کے زمانے کو " تذکرہ " کی دوسری جلد کی

ترتیب میں صرف کر سکیں گے۔ لیکن باوثوق ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلے میں بعض اصحاب معلومات جمع کر چکے ہیں اور موقع ملتے ہی مولانا کی نظر ثانی کے بعد ان کی اشاعت ہو جاوے گی -

(اڈیٹر)

اسماعیل شہید

مرتبۂ عبداللہ بٹ صاحب ' سکریٹری آل پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن لاہور - ناشر ' قومی کتب خانہ ' ریلوے روڈ لاہور - مجلد - ۲۱۹ صفحات -

یہ ایک مجموعہ ہے مقالات اردو و انگریزی کا ' جو یوم شاہ اسماعیل شہید کے موقع پر فیڈریشن کی سعی و اہتمام سے پڑھے گئے اور اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ع میں عمدہ کاغذ پر چھپوائے گئے - حصۂ اردو کا دیباچہ سید ابوالاعلی صاحب مودودی نے اور حصۂ انگریزی کا ڈاکٹر بی - اے - قریشی ' صدر شعبۂ عربی ' پنجاب یونیورسٹی نے لکھا ہے - جناب م لک ' اڈیٹر انقلاب کی نظم کے بعد ' جناب نصراللہ خاں عزیز مدیر مسلمان ' جناب مہر ' اڈیٹر انقلاب ' مولانا یوسف سلیم چشتی ' پرنسپل اشاعت اسلام کالج لاہور ' مولانا محمد میاں دیوبندی اور خواجہ عبدالوحید صاحبان کے مقالات ہیں -

حصۂ انگریزی کی ابتدا نواب سر محمد ناصرالملک مہتر چترال (مرحوم) کی فارسی نظم سے ہوتی ہے اس کے بعد ڈاکٹر محمد باقر ' اورینٹل کالج لاہور ' ڈاکٹر تصدق حسین خالد ' پروفیسر عبدالقیوم ' مولانا سعید احمد اکبرآبادی ' مدیر برہان دہلی ' اور مرزا عبداللہ بیگ صاحبان کے مضامین ہیں - اور سب دل چسپ اور مفید ہیں -

مولوی شاہ اسماعیل شہید (۱۷۸۱—۱۸۳۱ع) مغلیہ سلطنت کے ایسے دور میں پیدا ہوئے تھے جب مطلق نادر گردی کا سماں بھی دیکھ چکی تھی ' اور مرہٹہ اور جاٹ راج کی لوٹ کھسوٹ سے پریشان تھی - پلاسی (۱۷۵۷) میں کمپنی بہادر کو میر جعفر مل چکا تھا ' اور سلطان شہید (۱۷۹۹) سے غداری کے لیے میر صادق اپنے پر تول رہا تھا -

ہوش سنبھالا تو مرکز سلطنت پر لارڈ لوک کا قبضہ (۱۸۰۳ع) میں دیکھا شاہ عالم کو کمپنی کا پنشن خوار پایا ' جن کی سوائے قلعہ دھلی اور چند باغات و دیہات کے کچھہ ملکیت نہ تھی - پنجاب میں زمان شاہ ابدالی کا مقرر کردہ گورنر سنہ ۱۷۹۸ع میں راجہ بن بیٹھا تھا اور سکھوں نے حکومت و سیاست کے میدان میں جولانی شروع کردی تھی ان حالات کا ناگزیر اقتضا تھا کہ ھندستان میں کوئی ایسا مجاھد پیدا ھوتا جو غلبۂ ظلم و طغیان کو دور کرنے کی سعی کرتا - تعجب کی بات نہیں کہ شاہ ولی‌اللہ فاروقی محدث دھلوی کے پوتے اور شاہ عبدالعزیز (المتوفی ۱۸۲۴ع) کے بھتیجے نے امام وقت حضرت سید احمد رح رائے بریلوی کی جہاد پر بیعت کی - اور ھندستان کو پھر دارالسلام بنانا چاھا -

شاہ اسماعیل شہید نے اپنے مرشد طریقت کے اشارے پر اصلاح اعمال و اخلاق کی جو کوشش کی تھی وہ " تقویت‌الایمان " کے صفحوں سے نمایاں ھے - اخلاقیات کی تمہید سیاسیات کے لیے ضروری ھوتی ھے - لہذا جو اصلاحی کام امام ولی‌اللہ رح نے شروع کیا تھا اسی سلسلے کی یہ ایک سیاسی کڑی تھی - حکمت ولی‌اللہیہ کے انقلابی پروگرام کو سمجھنے والے اب تک اس زنجیر کی کڑیاں ڈھال رھے ھیں - اور علمائے ھند کی اکثریت بھی اسی کام میں مشغول ھے - زیر نظر کتاب اسی سلسلے کو مضبوط بنانے کی سعئی مشکور ھے -

پیش لفظ میں جناب عبداللہ بٹ لکھتے ھیں : "میں نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کو یہ مسودے دکھائے تھے - اور اُن سے مضمون لکھنے کی درخواست کی تھی - چنانچہ مولانا ان مسودوں کو ساتھ لے گئے اور آپ نے ان مضامین کو پسند فرمایا - نیز آل پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کو مبارک باد پیش کی - ایک خط کے دوران میں آپ نے اپنے مضمون کا عنوان بھی تحریر فرمایا " ان فکری عوامل کی مختصر تاریخ جس نے مولانا اسماعیل شہید کی اصلاحی اور عملی تحریک کو پیدا کیا تھا " یہ مضمون ابھی تشنۂ تکمیل تھا ' کہ مولانا نظر بند کر لیے گئے اور ھم ایک نایاب مضمون سے محروم رہ گئے "۔

کتاب کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے کسی مزید تعارف کی ضرورت نہیں ۔

ظاہر ہے کہ موجودہ مجموعہ مختلف اہل قلم کے مقالات کا مجموعہ ہونے کی وجہ سے شاہ اسماعیل شہید کے مفصل و مربوط حالات کا مکمل جائزہ نہیں لے سکتا ۔ خوشی کا مقام ہے ' کہ مولانا غلام رسول مہر شاہ شہید پر ایک " مبسوط کتاب تحریر فرما رہے ہیں"۔

" تذکرہ" میں حضرت مولانا آزاد تحریر فرماتے ہیں "حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام ہر رنگ میں کس درجہ جامع و کامل ہے ! با ایں ہمہ یہاں جو کچھ ہوا ' تجدید و تدوین علوم و معارف اور تعلیم و تربیت اصحاب استعداد تک محدود رہا ۔ اس سے آگے نہ بڑھ سکا ۔ فعلاً عمل و نفاذ اور ظہور و شیوع کا پورا کام تو کسی دوسرے ہی مرد میدان کا منتظر تھا ۔ اور معلوم رہے ' کہ توفیق الہی نے یہ معاملہ صرف حضرت علامہ و مجدد شہید (حضرت سید احمد) رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص کر دیا تھا ۔ خود حضرت شاہ صاحب کا بھی اس میں حصہ نہ تھا ۔ ......اگر خود شاہ صاحب بھی اُس وقت ہوتے تو اُن ہی کے جھنڈے کے نیچے نظر آتے"۔ (تذکرہ ص ۲۴۶)

انکی عظیم‌الشان تاریخی ہستیوں کے متعلق ہندستان والے بے خبر نہیں رہے ۔ ولی‌اللہی فلسفہ کوئی نیا فلسفہ نہ تھا جو باتیں مجدد سر ہندی رح کے زمانے تک کہی جا چکی تھیں ' اُن کو زیادہ وضاحت و صفائی سے آپ نے بیان کر دیا تھا ۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ جب قرآن کا فارسی اور پھر اُردو ترجمہ لوگوں کے سامنے آیا تو وہ صور اسرافیل سے کم نہ ثابت ہوا ۔ اسلام جن رسوم و اعمال کو غیر انسانی سمجھتا تھا وہ سوسائٹی کے دل و دماغ میں گہرے ناسور بنا چکے تھے ۔ " تقویت‌الایمان " ہندستانیوں کی اپنی زبان میں پہلی کتاب تھی جس نے اُنھیں چونکا دیا ۔ اور زخموں کے اندمال کی سعی ہونے لگی ۔ لیکن بالا کوٹ کی شہادت کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی نے سکھوں کا قصہ تمام کیا ۔ اور پنجاب کی حفاظت کر کے افغانستان پر ترکتازیاں شروع کردیں ۔ اور خود ہندستانیوں میں آزادی کی روح کو

کچلنے کے لیے " مجاہدین " کے خلاف ہندوستانیوں ہی سے زہریلا پروپاگنڈا شروع کرادیا - ارتجاعی ذہنیت رکھنے والے قدامت پرستوں ' اجرت پر ایمان بیچنے والوں ' اور بھولے پن سے بےراہ روی اختیار کرنے والوں کی دنیا میں کمی نہیں رہی - شرک و بدعادت کی حمایت میں ' انگریز آگے آگے تھے - کہیں تعزیوں کو نذریں چڑھاتے تھے ' کہیں قبر پرستی کے " مذہب " کی حمایت میں رسالے نکلواتے تھے ' اور کہیں مسلمانوں کو " وہابی " بناکر سوفسطیانہ بحثیں شروع کرادیتے تھے - اس کا ایک نادرالوجود نمونہ " رسالہ درمکنون " ہے - جسے حسب الحکم جنرل صاحب بہادر اور بہ اعانت مسٹر چارلس گرے چند نام نہاد مولویوں نے مطبع قربانی ' حصار (پنجاب) سے ۱۲۷۶ھ مطابق سنہ ۱۸۵۹ع شائع کیا تھا - شاہ شہید کو اس رسالے کے مولف نے " ملحد ہندی " کا لقب دے کر لکھا ہے :—

شیخ نجدی را جو عمر انجام شد
نام ایشاں از عرب گم نام شد
پس ازو و جال دیں کردہ ظہور
در دیار ہند پیداشد فتور
یعنی ملحد ہند - اسماعیل نام
مولوی و دہلوی برگشتہ کام
مولوی نے ' بلکہ رہ زن دین بود
اور ز دین مصطفی پرکین بود
در زمان خود سعود عبدالوہاب
گفت در توحید یزداں یک کتاب
ہم درآں یک نوع از خبث درون
زد رقم بیہودہ گفتار زبون
ملحد ہندی چو او را تازہ یافت
نام خود از وے بلند آوازہ داشت
ترجمہ کردہ بہ اردو آخرش
ناجواں و پیر دارد در برش

نام او تقویت‌الایمان نهاد
در عقیدہ ناقصان ، نقصان نهاد
هر کہ خواندش از یقین مردود شد
از گروہ سنیان مطرود شد

لیکن اس قسم کے معاندانہ لٹریچر کے علاوہ شہداے بالا کوت کے متعلق صحیح معلومات کا کافی ذخیرہ موجود هے - همیں امید هے جناب میر اُن قلمی و مطبوعہ کتابوں کے علاوہ اُن زباني روایات کي چھان بین بھي کریں گے ، جو ستانہ سے رنگ پور تک مجاهدین اور پیروان مجاهدین میں پھیلي هوئي هیں - پھر اس کتاب میں ایک ایسے ضمیمے کي ضرورت هوگي جو کم از کم اُن مجاهدین کا ذکر کرے جو شہدا کے سلسلے سے تعلق رکھتے هیں - اور اُن کتابوں کو بتاے جو اس سلسلے والوں نے لکھي هیں - حکمت ولي اللهی کے بہترین عالم هماری خوش قسمتي سے هندستان آگئے هیں اور عربي و اُردو میں ضخیم کتابیں تحریر فرما چکے هیں - حضرت مولانا عبیداللہ سندهی کا یهي کارنامہ نہیں هے بلکہ اُنهوں نے فلسفہ کو عملي صورت میں لانے کے لیے جو ادارے قائم کیے هیں وہ بھي آپ اپني نظیر هیں - آپ یوم اسماعیل شہید کے جلسے کے صدر تھے ، لیکن تعجب هے کہ آپ کا کوئی پیغام اس مجموعے میں شائع نہیں هوا - بهرحال اس سلسلے کے متعلق مندرجہ ذیل کتابیں بھي مفید معلومات مهیا کرسکتي هیں -

(ا) فرانس کے محققوں کی ایک جماعت نے افغانوں کے عوامي گیت Chantes populaires des Afghans جمع کیے تھے - اور اسے سنہ ۱۸۸۸ع میں پیرس سے شائع کیا تھا اس میں پہلا حصہ تاریخی گیتوں پر مشتمل هے - انهوں نے دور سید احمد Cycle de Syyid Ahmad ۱۸۲۶ سے ۱۸۳۱ تک قرار دیا هے - اس میں سے ایک چار بیت یوں شروع هوتا هے -

" یار محمد خان دوراني جنگ چہ لہ سید بادشاہ (یعني حضرت سید احمد بریلوي) سرہ پہ هند کلیس کڑي وہ - چار بیتہ نور دین شاعر چہ د بربر اوسیدونکی علاقہ د پیشور -

روان شه یار محمد سید و — باسی له پلیج تاره
سیدله بري ور کړي — الهي پروردګاره
رافي امیر خاں سرداره — دربه کرمه زر
له ماسزه روانه شه — یوسف زوله برابر

(۲) شاہ اسماعیل شہید کی سوانح عمری - مرتبۂ مرزا حیرت کرزن پریس دھلی - سنہ ۱۹۰۳ع -

(۳) رسالہ جہادیہ - از مولوی کرامت علی جونپوری قلمی ' جو راقم‌الحروف کو سنہ ۱۹۳۵ع میں مکہ مکرمہ میں دست یاب ہوا یہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں نظم میں ہے -

(۴) پیر جی کا فال نامہ (قلمی) جس میں حضرت سید صاحب کے زمانے کے پیروں کی حرکات درج ہیں -

(۵) اسلامی تجدیدی تحریکیں (انگریزی) از جولی اس جومانس شانتی نکیتن (بنگال) -

(۶) احیاءالقلوب فی مولودالمحبوب (اردو) مؤلفہ سید عبدالجلیل الحسنی ساکن پرگنہ بلیا ' موضع بجالکا (سنہ ۱۸۳۰ع) مطبع احمدی کلکتہ -

(۷) تواریخ حبیب‌الہ (اردو) مولفہ محمد عنایت احمد (سنہ ۱۸۹۲ع) مطبوعہ مطبع مجتبائی کانپور -

(۸) امام‌الہند شاہ ولی‌اللہ دھلوی اور ان کے تلامذہ کی خدمت حدیث - از مولانا ظفر احمد عثمانی پروفسر دینیات ڈھاکہ یونی ورسٹی (رسالہ معارف - مئی و جون سنہ ۱۹۴۴ع) -

(۹) تاریخ لب لباب (اردو) مصنفۂ مولوی رحیم بخش صاحب مرحوم شاگرد مجاھد جلیل مولوی حیدر علی صاحب مرحوم ساکن موضع ملوال ضلع فیروزپور و مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاھور سنہ۱۳۲۳ھ

زیر نظر مجموعہ نے مقالات کافی محنت و تحقیق سے لکھے گئے ھیں - البتہ اردو دیباچے میں سید ابوالا علی مودودی صاحب نے ' غالباً وفور عقیدت کی وجہ سے ' ایک حد تک مبالغے سے کام لیا ہے - (اڈیٹر)

" ناصر جنگ شهيد "

مرتبہ ' ابن مظهر قاضي معين الدين رهبر فاروقي
مطبوعہ ' اعظم ستيم پريس گورنمنٹ ايجوكيشنل پرنٹر حيدرآباد
دكن ضخامت ۱۸۷ صفحے قيمت دو روپے آٹھ آنے -

يہ نظام الملک آصف جاہ اول باني سلطنت آصفيہ کے دوسرے صاحبزادے نظام الدولہ نواب مير احمد خاں کے سوانح حيات ' ان کي شہادت کے واقعات اور انگريزوں کے هندستان ميں ابتدائي کارناموں کا مختصر تذکرہ هے - جو ۴۷ قلمي اور مطبوعہ تاريخي کتابوں سے ماخوذ هے -

کتاب چار بابوں پر مشتمل هے - پہلے باب ميں ناصر جنگ کے لڑکپن سے تخت نشيني تک کے مختصر حالات هيں دوسرے ميں تخت نشيني اور دوسرے سياسي واقعات کا بيان هے ' تيسرے باب ميں شہادت کے تفصيلي حالات ' ڈوپلے کي سازش کا ذکر هے اور آخري باب ميں ناصر جنگ کي علوم و فنون سے دل چسپي اور ان کي اردو فارسي شاعري کا مختصر خاکا هے - بہرحال کتاب تاريخي حالات اور واقعات پر مشتمل هونے کي وجہ سے مفيد هے ' اگرچہ زبان و کتابت کي غلطياں جا بہ جا نظر آتي هيں - ملاحظہ هوں صفحات

۱۰ — بقيہ کارروائي انتہائي رازداري کے ساتھ تکميل تک پہنچا دي جاوےگي -

۱۰ — اس لئے کہ ان تک کوئي عريضہ راست نہيں پہنچ سکتا تھا -

۱۱ — جو رات دن اُن کے اطراف حاضر رها کرتے تھے -

۱۱۱ — پچھلي رات کے وقت شبخون مارا -

۱۱۲ — نماياں خدمات بجالائے پڑيں -

۱۱۷ — تو اس کي سد باب هوسکے -

۱۱۹ پورے طور پر اپنے موافق مرام پیدا کرلیا -
,, — دربار کی رپورتیں وقتاً بعد وقت برابر پہنچ رہی تھیں -
۱۲۰ — محمد علی نے درختوں سے بھرے ہوئے ایک مقام پر پڑاؤ ڈالا -
۱۲۲ — اور شبخون زنی کیا کرتی تھی -
,, — کچھ اور سردار بھی مختلف مقامات پر پھیلادیے -
۱۲۵ — فرانسیسیوں کی ڈھاک بیٹھ گئی -
,, — ہم نے قبل لکھا ہے -
۱۲۶ — قضاے حاجت کے وقت بھی اُن کے ساتھ نگراں رہا کرتے تھے -
۱۳۲ — تاکہ فرانسیسی بالکلیہ ادھر ہی متوجہ رہیں -

(مولوی محمد رفیع)

تذکرہ اردو مخطوطات (جلد اول)

مرتبۂ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور ، محمد اعزازی ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۴۳ع ۱۳۶۳ ہجری - بڑی تقطیع مجلد ۳۹۵ صفحات - طباعت نستعلیق لیتھو - کاغذ عمدہ - قیمت پانچ روپے - پتہ ادارہ ادبیات اردو - خیریت آباد ، حیدرآباد دکن -

ادارۂ ادبیات نے اردو مخطوطات کی دو سو پچھتر کتابوں کا تفصیلی تذکرہ شائع کرکے ایک اہم خدمت انجام دی ہے اور اس میں فہرست مخطوطات بہ لحاظ موضوع و بہ لحاظ زمانۂ تصنیف دے کر تحقیق کرنے والوں کے کام کو آسان بنا دیا ہے - سب سے مشکل کام مولوی محی الدین صاحب نے انجام دیا ہے کہ آخر میں ایک مکمل انڈکس (اشاریہ) اشخاص ، کتب ، رسائل و مقامات کا دیا ہے محققوں کے لئے ایسے تذکروں اور فہرستوں کی روز افزوں ضرورت ہے - ہمیں امید ہے کہ دوسرے ادارے بھی اس مستحسن اقدام کی تقلید شروع کر دیں گے -

(اڈیٹر)

علمی و ادبی رحجانات تحریکیں اور ترقیاں

اسلامک ہسٹری

آل انڈیا اسلامک ہسٹری کانفرنس کا دوسرا اجلاس ۷، ۸ و ۹ اپریل کو اسلامیہ کالج پشاور میں ہوا - مسلمانوں کی تاریخ کے مختلف پہلوؤں پر اردو، عربی اور انگریزی کے مقالے پڑھے گئے اور اہم تجاویز کے سلسلے میں یہ بھی طے ہوا کہ کانفرنس اپنے مقاصد کی تبلیغ و اشاعت کے لیے، نیز تحقیقی کام کی اشاعت کے لیے اپنا ایک رسالہ شائع کرے -

دائرۃ المعارف اُردو

اردو ان سائکلوپیڈیا کی پہلی جلد طبع ہورہی ہے، یہ ضروری کام حیدرآباد کے علم دوست حضرات نے شروع کیا ہے - امید ہے کہ اب اردو کی یہ کمی جلد پوری ہوجائے گی -

اصلاح رسم خط

اس سلسلے میں انجمن ترقی اردو (ہند) نے ایک مستحسن اقدام کیا ہے - اردو طباعت اور لٹریچر کی ترقی کا ایک بنیادی ذریعہ اصلاح رسم خط ہے - امید ہے کہ ملک کے معیاری ادارے کسی مشترک مجلس کے ذریعے اس اہم مسئلے کا فیصلہ کریں گے -

رومن (لاطینی) رسم خط

مسیحی مشنریوں اور اُن یورپ والوں نے جو ہندستانی زبانوں کو سیکھنا چاہتے تھے، رومن خط کو ترقی دی تھی - اس سے ہندستانی زبان یورپ تک پھیل گئی - اب پھر لاکھوں امریکن - انگریز - چینی اور ہندستانی سپاہی رومن کے ذریعے ہندستانی سیکھ رہے ہیں - اس سے اردو یا ناگری والوں کو جھجھکنے کی ضرورت نہیں - کسی زبان کی ترقی صرف ایک

خط کی ترقی کا سوال نہیں بلکہ ہندستانی زبان کی ترقی کا مسئلہ ہے تو ہمیں خوش ہونا چاہیئے کہ جتنے زیادہ رسم خط ہوں ، اتنا ہی ہندستانی کو زیادہ ترقی ہوگی - اور آخر کار وہی رسم خط زیادہ عام ہوجائے گا جو مقابلتاً آسان اور کل قومی (International) ہوگا - ہم رومن کو آسان اور کل قومی تسلیم کرتے ہیں اور اس کے رواج کے حامی ہیں -

ترقی پسند ادب :— گزشتہ دس گیارہ سال سے ترقی پسند مصنفین نے ہمارے ادبیات میں ایک نیا اضافہ کیا ہے - اور رفتہ رفتہ ادب کی یہ صنف ہماری صحافت تعلیم ، ریڈیو ، اور سنیما میں دخیل ہورہی ہے - ترقی پسند یا ترقی طلب ادب کا مقصد موجودہ سماج میں مارکس کے اصولوں کے مطابق انقلاب پیدا کرکے مزدوروں اور کسانوں کی حالت کو بہتر بنانا اور سرمایہ‌داری کی بدعتوں کو دور کرنا ہے - اسے نیا ادب بھی کہتے ہیں - اس ادب کے موافق و مخالف بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور " ہندستانی " میں ان تحریروں کے سیر حاصل اقتباسات دئے جاچکے ہیں ، تاکہ ناظرین خود اپنی ایک رائے قائم کرسکیں -

دنیا میں جب سے انسان کو اپنے ماحول پر فتح حاصل کرنے کا ہوش آیا سائنس کی بنیاد پڑی اور ترقی طلبی کی خواہش بڑھنے لگی - ہر زمانے میں ترقی طلب انسان موجود رہ چکے ہیں - اور ہر زمانے میں ان کی مخالفت قدامت پرستوں اور ارتجاعیوں نے کی ہے - اسٹیزا ، جالوطنی اور آخر میں جنگ اُن کے آلات کار رہ چکے ہیں - تاریخ بتاتی ہے کہ اکثر قدامت پرستوں ہی کا غلبہ رہا - لیکن ترقی طلب گروہ بھی کبھی کبھی کامیاب ہوتا رہا اور یہ کشمکش اب تک جاری ہے -

روح اور مادے کی بحثیں ، سکھ دکھ کے جھگڑے ، زردار اور نادار کا تضاد ، ہر ملک میں افلاطون وارسطو ، دیوجانس اور اپی کیورس ، نوشیرواں و مزدک پیدا کرتا رہا .. اور ایسے فردوسی بھی پیدا ہوتے رہے جو نوشیروانوں کو عادل اور مزدکوں کو بے دین سمجھتے رہے :—

نگوں بخت را زندہ بردار کرد
سرسرد بے دیں نگوں سار کرد

و زاں پس بکششش بہ باران تیر
تو گر باہشی راہ مزدک مگیر

لیکن یہہ سمجھنا کہ ترقی مادیت و لذت ہی کی حمایت سے ہوسکتی ہے اور انسان مجبور محض ہے سراسر نہیں تو بڑی حد تک غلط ہے - اس دنیا میں مادیت و روحانیت ' جبر و اختیار کا تضاد نہیں بلکہ ایسا امتزاج ہے جو کسی طرح افراط و تفریط کو برداشت نہیں کرسکتا - اب میں بھی ہمیں اس نیرنگی کا احاطہ رکھنا ہوگا ' اور انسانیت کو آگے بڑھانے میں صرف یکرنگی اختیار کرنے سے احتراز کرنا ہوگا - ورنہ انسانی قوت تخلیق کی مختاری اور بہیمانہ پدرمی جبلت (Instict) کی مجبوری مہمل قرار پائے گی ' اور ہمارے مشاہدے اور تجربے (Science) کی تغلیط ہوگی -

یورپ میں جس قسم کی مذہبی کشمکش تھی ' اسے ہندوستان کے حالات پر عاید کرنا بھی نادانی ہے اس میں شبہہ نہیں کہ توہم پرستی غلط چیز ہے - لیکن اسے مذہب یا فلسفۂ مذہب قرار دینا بھی سراسر غلط ہے - اور مذہب کو ان معنوں میں محدود بناکر اسے برا بھلا کہنا غیر منطقی نتیجہ ہے - ہندوستان کے مذہبوں کا حال یہہ ہے کہ یہاں چارواک دھرمی ' لوکایتک دھریہ ' بدھہ لاادری ' مورتی پوجا کے حامی ' منکر و مومن ' موحد و مشرک اور ویدانتی وحدت الوجودی پہلو بہ پہلو موجود ہیں ' اور مذہب کو فلسفیوں کی نظر سے دیکھتے ہیں - مذہبی خانہ جنگی مذہب کا نہیں ' سیاسی مجبوری کا نتیجہ ہے - اس لیے ترقی طلبی کے معنی صرف یہہ ہوسکتے ہیں کہ سیاسی آزادی کے حصول کے لیے ہمارا ادب رہنمائی کرے - اور اس کا ادبی ذریعہ عام اور جبریہ تعلیم بنے - نہ کہ مذہب کے مقابلے سے فرار - ممکن ہے کہ یورپ میں مذہب نے افیون کا کام کیا ہو ' ہندوستان میں تو یہہ آب حیات ہے -

عام تعلیم کا یہہ نتیجہ ہوگا کہ خود عوام اپنی تعلیمی پالسی پیدا کریں گے ' اور خود اپنا ادب بنائیں گے - موجودہ " نیا ادب " ان لوگوں کی پیداوار یا ایجاد نہیں ہے جو مزدور ' کسان یا مجبور و مقہور طبقے سے تعلق رکھتے ہیں - نہ ان میں سچے افلاس کی " دھڑکنیں " ہیں نہ حقیقی " جنسی " خودداری اور احساس کی رہنمائی -

ہنگامۂ سنہ ۵۷ع کے بعد اردو ادب میں انگریزی ادب کی پیروی شروع ہو گئی - بنگالی میں یہ بات زیادہ تیزی سے شروع ہو گئی اور بعد کے ادیب و شاعر اس افراط کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرنے لگے - اردو میں بھی یہی ہوا - جو کام کرنل ہالرائڈ نے شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد سے پنجاب میں سنہ ۱۸۷۴ع میں شروع کرایا تھا، وہ حالی و شبلی سے گزر کر عام طور پر شعرا و ادبا میں رائج ہو گیا - شعرا غزلوں کے ساتھ ساتھ نظمیں بھی کہنے لگے، ادبا نثر میں رنگینی کم، اور سلاست و سادگی زیادہ پیدا کرنے لگے - ؛ اخلاقیات اور حسن قدرت بیانیہ شاعری میں زیادہ جگہ پائی - لیکن نظم میں بحور قافیے کی پابندی باقی رہی - اور "نظم آزاد" اُس نظم کا نام قرار پایا جو حسن و عشق کی قید سے آزاد ہو - بعض ترقی پسند ادیب حسن و عشق کے تو پابند ہیں اور کھلے بندوں "حسن پرستی" بھی اپنا "شعار" بنا کر زندگی کا ثبوت دینا چاہتے ہیں لیکن "شیوۂ" قافیہ پیمائی اور بحر شناسی سے واسطہ نہیں رکھنا چاہتے - گویا انقلاب چاہتے ہیں لیکن بعض مصلحتوں کی بنا پر اسے بھی ارتقا کی منزلیں طے کرانا چاہتے ہیں - اس سلسلے میں ڈاکٹر زور نے ماہنامہ سب رس بابت ماہ مئی میں صفحہ ۴۰ پر خوب لکھا ہے :

" دنیائے اردو میں گزشتہ ربع صدی کے اندر جو مایوس کن فضا پیدا ہو گئی تھی، میری نظر میں اس کا فطری اقتضا یہی تھا، کہ ایک ایسی جماعت پیدا ہوتی، جو اپنے ادب کی جملہ رجعت پسندانہ خصوصیات اور گوناگوں جکڑ بندیوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرتی - یہ ایک واقعہ ہے کہ مرض جتنا شدید ہوتا ہے، اُس کے علاج میں بھی اتنی ہی تلخ و تند دوائیں تجویز کرنی پڑتی ہیں - اور شاید اسی خیال کے پیش نظر ترقی پسند ادیبوں نے اپنے لہجے کو ترش اور تیز بنانے کی کوشش کی - لیکن ان میں بعض ایسے گم کردہ راہ اور بر خود غلط نوجوان بھی شامل ہو گئے، جنھوں نے اصل مقصد سے ہٹ کر، یا تو اشتراکیت کی تبلیغ شروع کر دی یا فحش گوئی پر اُتر آئے - یہ دونوں رجحانات اصل میں ہماری

موجودہ معاشرت ہی کا نتیجہ ہیں - اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُردو بولنے والوں کے ذہن آج کل کسی سیاسی اور سماجی بے چینی میں مبتلا ہیں ' نیز ہمارے نوجوان اخلاقی اور معاشرتی نقطۂ نظر سے کس پست درجے تک پہونچ چکے ہیں.. .. ...جو بھلے ہیں وہ اِس امر کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ خیال اور زبان آزاد رہ کر ادب اور زندگی کو وہ فائدہ پہنچا سکیں جو ہماری کم فہم سماج کی عاید کردہ جکڑبندیوں کی وجہ سے بہ حالت موجودہ نہیں پہنچ سکتا - اور جو برے ہیں ' اُنہیں ترقی پسندی کی آڑ میں اپنی گندگیوں کے پھیلانے کی آزادی حاصل ہو گئی ہے - گویا ایسا میلہ لگا ہوا ہے جس میں اوباشوں کی وجہ سے شریفوں کی بدنامی ہو رہی ہے -"

ڈاکٹر عبدالعلیم ماہنامۂ منزل بابت فروری و مارچ میں آزاد نظم کے متعلق لکھتے ہیں: "آج کل آزاد نظم" کے خلاف بھارت بھارت کی آوازیں اُٹھ رہی ہیں - حال ہی میں دو مجموعے * ایسے شایع ہوئے ہیں' جن میں آزاد اور معری نظموں پر طرح طرح کے اعتراضات کیے گئے ہیں...... در اصل یہ بحث ہی بے کار ہے کہ آزاد اور معری نظم بہتر ہے ' یا ایسی نظم جس میں بحر ' قافیہ اور ردیف کی پابندی ہو"... ......یہ بحث ضرور ہو سکتی ہے کہ آزاد نظم کو "نظم" کہنا مناسب ہے یا نہیں - یہہ در حقیقت ایسا اسلوب ہے جس کو نہ نظم کہا جاسکتا ہے نہ نثر...... یہہ اسلوب نثر سے زیادہ قریب ہے........ترقی پسند ادیبوں کے لئے اسلوب اور طرز ادا کے سوال کی لازمی طور پر ثانوی حیثیت ہونی چاہیئے - اُن کے لیے مقدم سوال تو موضوع کا ہے........ معری اور آزاد نظم کا رواج اِس ضرورت اور خواہش پر مبنی ہے کہ مضمون آفرینی قافیہ پیمائی یا بہ الفاظ دیگر جگر کاوی سے نئے شاعروں کی طبیعت اُکتا گئی - اور اُن کو ایسے اسلوب کی تلاش ہوئی جس میں خیالات کی روانی اور مضامین کے تسلسل کو قایم رکھنے کی زیادہ سے زیادہ گنجایش ہو " -

* نگار کا سالنامہ اور "مداوا" مرتبۂ فرقت کاکوروی

ابتدا میں نظم ذریعہ تھی کسی بات کو ذہن میں محفوظ رکھنے کا -
پھر یہہ اور اس کے مختلف اسلوب ' موسیقی اور فرحت کا ذریعہ بن گئے -
ظاہر ہے کہ انسانی زندگی میں ان دونوں کا ایک خاص درجہ ہے - اور جب
تک انسانی مزاج میں موسیقی و فرحت کی خواہش باقی ہے ہماری روایتی
اور " پابند " شاعری انسانی مزاج کی پابند رہے گی - لیکن کاغذ کی فراوانی
نے حافظے کو نظم سے آزاد کردیا - اور نثر نے ادب کے ہر شعبے پر اپنا قبضہ
جمالیا پھر بھی وہ کبھی کبھی سجع کے کمالات دکھاتی رہی - لیکن نثر مرصع
اور رنگین صرف زبان پر اپنی قدرت کا اظہار کرنے کے علاوہ اور کسی کام نہ آسی -
اور ادیبوں نے نثر عاری کو سائنس اور ادبیات کے ہر شعبے کے لئے منتخب
کرلیا - اب " نظم نما نثر " یا " نثر نما نظم " دونوں کی ضرورت باقی نہیں
رہی - اسی لیے نظم آزاد ایک بے معنی چیز ہے - ہاں اگر " موضوع " کے لحاظ
سے ' نظم کسی خاص موضوع مثلاً حسن و عشق ' وغیرہ کو ترک کردے تو اُسے
بقول مولانا محمد حسین آزاد ' نو ترمیم آزاد ' جو حسن و عشق کی قید سے
آزاد ہے " کہہ سکتے ہیں - لیکن " نظم " نظم ہی رہے گی - اور گو اُس میں
قافیہ نہ ہو لیکن وزن اور بحر کا ہونا ضروری ہوگا ' ورنہ یہہ ترقی ترقئی
معکوس ہوگی اور فطرت انسانی کی حقیقی تڑپ نے ہماری شاعری میں جو
موسیقی پیدا کردی ہے وہ ختم ہوجائےگی -

پھر یہہ بھی دیکھنا ہوگا کہ دنیا کی دوسری زبانیں کہاں تک ہندستانی
زبان کا مقابلہ کرسکتی ہیں - ہندستانی میں فارسی و عربی کی آمیزش سے
اس کثرت سے ہم وزن و ہم ردیف لغات داخل ہوچکے ہیں کہ مقفی عبارت
لکھنا بہت آسان ہے - اور مثنوی وغیرہ کہنے میں تسلسل بیان پر کوئی اثر
نہیں پڑتا - البتہ نثر میں جس آسانی سے ایجاز ممکن ہے وہ نظم میں نہیں
ہوسکتا - اس لئے جو لوگ زبان پر قادر نہیں وہ ترقی کا نام لے کر نظم ہی سے
دست بردار ہوجائیں تو ہمارا ادب زندگی سے زیادہ قریب ہوجائے گا -
اور صرف وہ " نئے ادیب " باقی رہ جائیں گے جو موزوں کلام پر قادر نہیں -
کیا یہہ ضروری ہے کہ ہر وہ " ادیب " جو بمبئی اور کلکتے کے مہاجنوں کا
آلہ کار ہے ' اور سنیما کے ذریعہ عوام کے اخلاق کو زندگی سے " قریب لارہا ہے .

ہماری ادبیات و زبان کو بھی سستے داموں بیچ ڈالے گا یقیناً ہندوستان ابھی "تاریخی مادیت" کے اس مقام تک نہیں پہنچا جہاں ادبیات کا دن لطافت محض مہاجنی بہی کھاتہ اور نظم عاری نثر عریاں میں بدل جاتی ہے - بہر حال ہندوستانی بولنے والے ادیب و شاعر، ان نام نہاد "ترقی پسندوں" کو بے راہ روی سے روک رہے ہیں، اور امید ہے "نیا ادب" جلد راہ راست پر آجائے گا اور بے لگامی کو آزادی نہ سمجھے گا -

(ایڈیٹر)

اسوسي ایٹ ممبری هندستاني اکیڈمي یو - پي الهآباد کے قواعد

رکنیت : قاعدہ نمبر ۱۲—(الف) اسوسي ایٹ ممبر (رکن رفیق) بننے کے لئے یہ طریقہ ہوگا کہ کونسل کا کوئی ممبر ایسے شخص کا نام تجویز کرے گا اور دوسرا ممبر اُسکی تائید کرے گا - تجویز کا یہ فارم جنرل سکریٹری کے پاس بھیجا جائے گا اور وہ اُسے اکزکیوٹیو کمیٹي (مجلس عاملہ) کے سامنے ضروری کارروائي کے لئے پیش کریگا -

چندہ : قاعدہ نمبر ۱۲—(ب) رکن رفیق (اسوسي ایٹ ممبر) سالانہ تین روپیہ چندہ دیگا - اگر وہ یکمشت پچاس روپے چندہ ادا کر دے تو اُسے آئندہ چندہ دینے کی ضرورت نہ ہوگی -

حقوق و مراعات : قاعدہ نمبر ۱۲—(ج) - رکن رفیق کو اکیڈمی کا رسالہ هندستانی (اُردو یا هندی اڈیشن) بلا قیمت ملے گا - اور دوسري مطبوعات اُن کو رعایتی قیمتوں پر ملیں گي جو اکزکٹو کمیٹي (مجلس عاملہ) وقتاً فوقتاً متعین کرے گي -

(د) رکن رفیق کو کونسل کے جلسوں میں موجود رہنے کا حق ہوگا ، لیکن اُسے جلسے میں ووٹ دینے یا اُسے مخاطب کرنے کا حق نہ ہوگا -

(ہ) جب اسو سي ایٹ ممبروں کی تعداد سو تک پہنچ جائے گی تو اُن کو حق ہوگا - کہ وہ ایک ممبر کو کونسل کی پوری ممبري کے لیے اپنا نمائندہ چن سکیں گے - اور جب ان کی تعداد دو سو تک پہنچ جائے گي - تو وہ دو نمائندے چن سکیں گے - جب ان کی تعداد تین سو تک پہنچ جائے گي تو وہ تین نمائندے چن سکیں گے - اور جب اُن کي تعداد چار سو یا اس سے زیادہ ہو جائے گی تو وہ اپني تعداد میں سے چار نمائندے چن سکیں گے -

ہندستانی اکیڈمی یو - پی کی اسوسی ایٹ ممبری

ہندستانی اکیڈمی کا نیا نظام قائم ہوگیا ہے اور وہ جلد اپنا کام شروع کرنے والی ہے - غالباً اس کے نئے آیین کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس کی کونسل میں اس صوبے کی پانچ یونیورسٹیوں کے نمائندے بھی شریک ہوں گے اور اس صوبے کے ساتھ ساتھ دوسرے مقامات کی مشہور علمی مجلسوں کے بھی نمائندے شریک کئے جائیں گے - اس ادارے کو حقیقی معنوں میں وسیع بنیادوں پر قائم کرنے اور علمی مجلسوں اور سمجھدار قارئین کی نمائندہ جماعت بنانے کے لیے یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ اس کی کونسل میں ان اصحاب کو بھی نمائندگی حاصل ہو جو اسوسی ایٹ ممبر (رکن رفیق) بن جائیں -

گزشتہ مارچ میں اکیڈمی کے صدر ڈاکٹر رائے راجیشور بلی نے فرمایا تھا کہ " میں عام پڑھنے والوں میں اکیڈمی کے لیے زیادہ جوش و خروش پیدا کرنا چاہتا ہوں اور نہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ وہ اس کے اغراض و مقاصد میں گرم جوشی سے دل چسپی لیں بلکہ اس کے پروگرام میں بھی عملی حصہ لیں - اور اس کی نشو و نما میں رکن رفیق بن کر وہ بھی شریک ہو سکتے ہیں " پھر انہوں نے زور دے کر فرمایا کہ " میں آپ حضرات سے درخواست کروں گا کہ آپ اکیڈمی کے ایجنٹ بن جائیں اور جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ ممبر بنائیں - مجھے اس وقت تک اطمینان نہ ہوگا جب تک کہ کم از کم دو تین ہزار ممبر جلد نہ بنا لیے جائیں - اس طرح آپ اکیڈمی کی دوگونہ خدمت کریں گے - آپ ہندی اور اردو کے شیدائیوں کو محسوس کرا دیں گے کہ اکیڈمی صرف تین چار درجن آدمیوں کا ادارہ نہیں ہے بلکہ ان سب کا ہے - اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ اکیڈمی کے لیے ایک معقول مالی اساس بھی تیار کردیں گے - ایسے ادارے جو ہمارے مانند ہوں نہ تو زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ انہیں صرف حکومت کی غیر یقینی اور دوامی طور پر نا کافی امداد کے بھروسے پر زندہ رہنا چاہئے "-

ہمیں امید ہے کہ اس صوبے اور اس سے باہر کے وہ سب حضرات جو ادبیات سے دلچسپی رکھتے ہیں ' جناب صدر کی اس اپیل پر توجہ فرمائیں گے اور ہندستانی اکیڈمی کے اسوسی ایٹ ممبر بن جائیں گے -

ممبری کا سالانہ چندہ صرف تین روپے ہے اور قواعد کی رو سے ممبری کو مخصوص رعایتیں بھی حاصل ہیں - (گذشتہ صفحے پر اس کی تفصیلات درج ہو چکی ہیں) -

---

پرنٹر-ظہور حسین - کراؤن پریس الہ آباد - پبلشر-ڈاکٹر ام - حفیظ سید
ہندستانی اکیڈمی - الہ آباد

ہندستانی

ہندستانی اکیڈیمی کا تماہی رسالہ

جولائی ۱۹۴۵ء

ہندستانی اکیڈیمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

* سالانہ چندہ چار روپیے *

ہندستانی جولائی سنہ ۱۹۳۵ع

* اڈیٹر : محمد اجمل خاں *

فہرست مضامین

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ کے مقاصد

۱— اردو اور ہندی ادب کی حفاظت اور ان کی ترقی اور نشو و نما کی کوشش کرنا -

(الف)— مختلف مضامین کی مطبوعات میں سے منظور شدہ کتابوں پر انعام دینا -

(ب)— معاوضہ وغیرہ کے ذریعے غیر زبان کی زبانوں کے ترجمے کرانا اور ان کو شائع کرنا -

(ج)— یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں وظائف دے کر یا دوسرے ذرائع سے ہندی اور اردو زبانوں میں تصنیف یا ترجمے کے کاموں کی حوصلہ افزائی کرنا -

(د)— اکیڈمی کے محسنوں کو اعزازی فیلو منتخب کرنا -

(ہ)— ایک کتب‌خانہ قائم کرنا اور اُس کا انتظام رکھنا -

(و)— مشہور ارباب علم و فضل کو علمی مقالات کے لیے مدعو کرنا -

ہندستانی

ہندستانی اکیڈیمی کا تماہی رسالہ

جولائی ۱۹۳۵ء

ہندستانی اکیڈیمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

* سالانہ چندہ چار روپیے *

هندستانی جولائی سنہ ۱۹۳۵ء

* اڈیٹر : محمد اجمل خاں *

فہرست مضامین

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ کے مقاصد

۱—اردو اور ہندی ادب کی حفاظت اور ان کی ترقی اور نشو و نما کی کوشش کرنا ۔

(الف)—مختلف مضامین کی مطبوعات میں سے منظور شدہ کتابوں پر انعام دینا ۔

(ب)—معاوضہ وغیرہ کے ذریعے غیر زبان کی زبانوں کے ترجمے کرانا اور ان کو شائع کرنا ۔

(ج)—یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں وظائف دے کر یا دوسرے ذرائع سے ہندی اور اردو زبانوں میں تصنیف یا ترجمے کے کاموں کی حوصلہ افزائی کرنا ۔

(د)—اکیڈمی کے ممبروں کو اعزازی فیلو منتخب کرنا ۔

(ہ)—ایک کتب خانہ قائم کرنا اور اُس کا انتظام رکھنا ۔

(و)—مشہور ارباب علم و فضل کو علمی مقالات کے لیے مدعو کرنا ۔

هندستانی

هندستانی اکیڈمی کا تماهی رساله

جولائي	نیا سلسله	جلد ۲	حصه ۳	۱۹۴۵

هندستان کے پرانے اخبار

(فارسی اور اُردو)

(۴)

[از عبدالستار صدیقی]

یقین کے ساتھه نهیں کها جا سکتا که رام موهن راے نے اپنے فارسی اخبار کے لیے کوی چھاپے خانه "مطبع مرءآةالاخبار" کے نام سے قائم کیا تھا یا اپنا اخبار کسي اور جگه چھپوا لیا کرتے تھے - میرے کتب خانے میں ایک اُردو کتاب "اِحیاءالقلوب فی مولود المحبوب" مصنفۂ عبدالجلیل حسني هے' جو نستعلیق ٹائپ میں کلکتے کي چھپي هوئي هے اور سرورق پر کتاب کے نام کے بعد لکھا هے :

"سید مبارک علی نے ۔ اپنے مطبع مرآةالاخبار میں جو محلۂ تالتلے کے بیچ واقع هے . . . سنه ۱۸۵۳ع مطابق سنه ۱۲۶۹هجري قدسي میں چھپوائي ۔"

اِس سے نتیجه نکالا جا سکتا هے که یه رام موهن راے هي کے "مرءآةالاخبار" کا چھاپےخانه تھا' جو ۱۸۲۳ع میں اخبار کے بند هو جانے پر اوروں کي ملک

هوگیا اور کم سے کم ۱۸۵۳ع تک اُسي پرانے نام سے چلتا رہا - البتہ یہ اِمکان ضرور هے کہ کلکتے میں کوئي اور فارسي یا اُردو اخبار اُسي نام سے بعد کو نکلا هو اور یہ مطبع اُس کا هو - *

پہلا اُردو اخبار

اُنیسویں صدي کے پہلے نصف' یا یوں کہیے کہ ۱۸۵۷ع کي شورش سے پہلے تک ملک میں سب زبانوں سے بڑھ کر فارسی زبان کا رواج تھا - یہ ضرور هے کہ وہ بول چال کي زبان کبھی نہ تھی' پر سارا تحریری کام فارسي هي میں هوتا تھا اور فارسي تحریر میں مہارت حاصل کرنے کي کوشش هر تعلیم‌یافتہ شخص کرتا تھا - رام موهن رائے نے ظاهراً اِسي خیال سے اپنے اخبار کے لیے فارسي زبان کو پسند کیا کہ اُس کے ذریعے سے وہ تعلیم یافتہ طبقے میں' جو اُن کے مقالات کا مخاطب صحیح تھا' زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچیں گا اور اِس طرح اُن کي اِصلاحي تحریکوں کو ملک میں کامیاب هونے کا بہتر سے بہتر موقع ملے گا -

جیسا اوپر کہا جا چکا هے " مرءآۃالاخبار " ۱۲ اپریل ۱۸۲۲ع کو نکلا اور ' جام جہان نما " اُس سے بھي دو هفتے پہلے' ۲۸ مارچ کو جاری هو چکا تھا - اِس کے مہتمموں نے بہت جلد ایک اُردو اخبار کي ضرورت کو محسوس کر کے " جام جہاں نما " کے ساتھ ایک اُردو ضمیمہ ' صرف چار صفحے کا ' نکالنے کي تجویز کي اور کوئي سوا برس بعد یہ ضمیمہ فارسي " جام جہاں نما " کي تقطیع پر اور اُسي ٹائپ میں نکلنا شروع هوا - اُردو ضمیمے کے پہلے ۸۰ شمارے موجود نہیں - اِکیاسی‌ویں شمارے کي تاریخ ۲۹ دسمبر ۱۸۲۴ع هے - اِس حساب سے پہلا شمارہ ۱۸ جون ۱۸۲۳ع کو شائع هوا هو گا - " جام جہاں نما " کے اُردو ضمیمے (نمبر ۸۱) کے سرنامے کي نقل اگلے صفحے پر دی جاتي هے :

---

*ایک " مرءآۃالاخبار " ۱۸۵۰ع کے لگ بھگ مدراس سے (اُردو میں) نکل رها تھا (دیکھو خطبات گارساں د تاسي' ص ۹۵ حاشیہ ۱ -- اُردو ترجمہ ص ۱۸۰) ؛ مگر اُس سے یہاں بحث نہیں -

* جام جہان نما *

اُردو زبان میں نمبر ۸۱ تاریخ ۲۹ دسمبر سنہ ۱۸۲۴ عیسوی

NOTICE

The Editor of the Jami Jehan Nooma begs leave respectfully to notify the Public, that he has, with a view of rendering this publication more interesting, entertaining, and instructive to the European portion of its supporters, resolved to publish in future; a Supplementary Sheet in the pure Hindustani or O'ordu Tongue, at the additional trifling charge of Four Annas the Number or One Rupee per month, if taken together with the two Persian Sheets, but if taken separately Two Rupees will be charged for it per mensem.

یہ اِعلان فارسي یا اُردو عبارت میں نہیں ہے - انگریزی کا ترجمہ یہ ہے :

" اِطلاع "

" جام جہاں نما کا ایڈیٹر بہ ادب یہ اِطلاع شائع کرنے کي اِجازت چاہتا ہے کہ اُس نے اِس اخبار کو اُس کے یوروپین معاونوں کے لیے زیادہ دل‌کش' دل چسپ' اور فائدہ مند بنانے کي نظر سے اِرادہ کیا ہے کہ آئندہ سے اُس میں ضمیمے کے طور پر ایک دورقا خالص هندستاني یا اُردو زبان میں شامل کرے اور اُس کے دام بہت قلیل ہوں یعني چار آنے في نمبر یا ایک روپیا ماهانہ ' اگر فارسي کے دو دورقوں کے ساتھ لیا جائے؛ لیکن اگر الگ لیا جائے تو دو روپئے مہینا پڑیں گے -"

اُردو ضمیمے کے خاتمے پر یہ عبارت هوتي تھي :

" کلکتے مقلم کے بیچ مسهن پریس چھاپے خانے میں چھاپي گئي" -

یہاں "چھاپی گئی" درست نہیں' اِس لیے کہ نہ "جام" مونث' نہ "اخبار"- تھاس چاھتا ھے کہ چھاپے خانے والے جو جملہ کتابوں کے سرورق یا خاتمے پر چھاپا کرتے تھے وھی اخبار کے خاتمے پر چھاپتے رھے' اور "راقم اخبار" نے اِس عبارت کو اپنے دائرۂ عمل سے باھر جان کر اِس سے کچھہ سروکار نہ رکھا۔

اُردو ضمیمے میں بھی عام طور پر خبریں ھی ھوتی تھیں' مگر آگے چل کے' پہلی مارچ ۱۸۲۶ع سے' ھر پرچے میں اِنگلستان کی تاریخ کسی انگریزی کتاب سے ترجمہ ھوکر شامل ھوتی اور یہ ۲۱ جون تک شائع ھوتی رھی - ۲۸ جون سے ۲۷ دسمبر ۲۶ع تک ناپولیوں بوناپارت کے محاربات کا حال چھپا کیا - پھر ایک پرچے میں پولینڈ اور روس کا کچھہ حال "خبر" کے عنوان سے درج ھے - ۱۷ جنوری ۱۸۲۷ع سے ۲۳ جنوری ۲۸ع تک اورنگ زیب کی سلطنت کا حال چھپا کیا - اِسی اخیر شمارے (۲۴۱) میں اِعلان کیا گیا کہ اب اُردو ضمیمہ نہ چھپا کرے گا' اُس کی جگہ "الف لیلہ" کا فارسی ترجمہ ھوا کرے گا -

اِس طرح یہ اُردو اخبار کوئی ساڑھے چار برس چلتا رھا - یہ ساڑھے چار برس کا زمانہ اُس وقت شروع ھوتا ھے کہ "میر" کو مرے کچھہ اوپر بارہ برس' "اِنشا" کو مرے صرف پانچ برس ھوئے تھے ؛ اور "غالب" کی عمر چوبیس پچیس برس کی تھی - فورٹ ولیم کالج کی کوششوں سے سادہ بلا تصنع نثر کے کئی نمونے پیش ھو چکے تھے' پر ملک کے ادبی حلقوں میں اُسی نثر کی قدر ھوتی تھی جس میں قافیہ بھی ھو سجع بھی' اِشتقاق بھی ھو تجنیس بھی ؛ مبالغہ ھو تو اِس درجے کا کہ غلو کی اِنتہائی حد پر جا پہنچا ھو - سب سے اچھی نثر وہ سمجھی جاتی تھی جس میں کوئی صنعت چھوٹ نہ رھی ھو' چاھے لفظوں کی بھرمار میں معنی کی مقدار اُتنی گھٹ گئی ھو جتنا آٹے میں نمک - چنانچہ میر امن کی "چار درویش" کے جواب میں جب رجب علی بیگ "سرور" نے "فسانۂ عجائب" لکھی تو ھر طرف سے واہ واہ کی دھوم مچ گئی اور "غالب" تک نے اُسے بہت سراھا - فورٹ ولیم کی تحریک پر جو کتابیں لکھی گئیں' زیادہ تر قصے کہانیوں تک محدود رھیں- اخباری اِنشا اُس سے الگ

ایک چیز تھی جو وقتی ضرورتوں پر مبنی تھی - روزمرہ کی ضرورت کی کوئی چیز ' جو سادہ زبان میں لکھی گئی ہو ' اہل علم یا شاعروں اور اِنشا پردازوں کے نزدیک ایک کم مایہ ' فرومایہ ' حقیر ' ذلیل چیز تھی - ایسی صورت میں سادہ نثر کے نمونے اگر وجود میں نہیں آئے یا آتے ہی ضائع ہو گئے تو کوئی حیرت کی بات نہیں - اُردو " جام جہان نما " کے پرچوں میں ملک اور ملک سے باہر کے اہم اور غیر اہم واقعات بیشتر سادہ زبان میں ' اُس زبان میں جو شہروں کے لوگ بولتے تھے ' لکھے جاتے تھے اور زبان ' کے نقطۂ نظر سے ایسی تحریر کے چند صفحے اُس رنگین عبارت کے دفتروں سے ' کہیں زیادہ کار آمد ہیں - اِس لیے یقین ہے کہ اگلے صفحوں میں جو نمونے "جام جہاں نما" کی عبارت کے نقل کیے جاتے ہیں - دل چسپی سے پڑھے جائیں گے - اِن کے لکھنے والے نے غلطیاں بھی کی ہیں' مگر یہ فیصلہ کرنا اکثر مشکل ہوگا کہ اُن میں سے کون کون سی غلطیاں خود لکھنے والے نے کی ہیں اور کون سی چھاپے والوں نے - مثلاً "سوا" کو کہیں "سیوا" لکھا ہے' کہیں "سوا" اور "عیوض" کہیں اپنی صحیح شکل "عوض" میں نہیں دکھائی دیا - اِسی طرح "الف لیلہ" کی جگہ اکثر "الف لیلی" لکھا ہے جو سراسر غلط ہے اور یہ غلطی مثل "سیوا" اور "عیوض" کے اُسی سے ہو سکتی ہے جو عربی بالکل نہ جانتا ہو - اِس سے یہ بات نکلتی ہے کہ "راقم اخبار" اور تھا اور "الف لیلہ" کا ترجمہ کرنے والا اور -

یہاں "جام جہاں نما (اُردو)" کے کچھ اِقتباس اصل کے مطابق درج کیے جاتے ہیں - اوقات کے نشان میں نے لگا دیے ہیں - جہاں کہیں کوئی لفظ غلط تھا اُس کی جگہ متن میں صحیح لفظ لکھ کر حاشیے میں اصل کا لفظ لکھ دیا گیا ہے - آخر میں اِن اِقتباسوں کی زبان اور لفظوں کی لکھاوٹ سے کسی قدر تفصیل سے بحث کی جائے گی -

"جے پور کی خبر"

"اخبار کے پڑھنے سے ذہن نشین ہوا کہ ربیع‌الاول کی ۲۹ تاریخ مہاراجہ سوائی بہادر کی ما جی صاحبہ نے کارخانجات کے عہدےداروں کو تغیر و

تبدیل کرکے مسر گلس نرائن* اور امر چلد دیوان کو کہلا بھیجا کہ تم اب تک اِس ریاست کے اِنتظام سے غافل ہو؛ ملک کا خراج سرکار کے خزانے میں داخل نہیں ہوا - ایسی سستی سرکار کے کام میں خوب نہیں - چاہیے کہ اِجارہ داروں سے تعہد کرکے باقیات کے روپے جلد وصول کرو' کسی طرح کی رعایت منظور نہ رکھو - ایک دن عرض ہوئی کہ ایک بلیا جے پور کو آتا تھا' موتی ڈونگرے کے اودھر ایک ٹھگ نے اُسے زخمی کیا اور باستھہ روپے کا مال چھین لے گیا - حکم ہوا کہ فوجدار اُس راہزن کو مال سمیت گرفتار کرے - تس پیچھے کار فرمائی خاص رسالے کی' جس میں پندرھے$ سو سوار جاگیردار ہیں' مقالل بخشی کو مقرر ہوئی - بعد اُس کے بچے رام نے عرض کر بھیجا کہ سب پلٹلیں ایسیہں† یکدل ہوکر گوبند گڈھہ میں ٹھہریں ہیں‡ کسی طرف کو وہاں سے نہیں جاتیں - میں نے§ چاہا تھا کہ دو پلٹن نوروانی کی طرف بھیجوں - سب سپاہیوں نے کہا کہ ہم سب یکجا رہیں گے- اِس بات کے سنتے ہی کپتانوں کے نام پروانہ اُس مضمون سے لکھا گیا کہ سرکار کے حکم سے اِنحراف کرنا اچھا نہیں - ۲۹ کو خبر پہنچی کہ چار رجمنٹ ترک سوار اور چار افسر نصیرآباد کی چھاونی سے آکر باغ کے قریب اُترے ہیں: متھرا کو جاویں گے - فوراً شہر پناہ کے دروازوں پر حکم گیا کہ صاحبوں کے ہمراہیوں کی آمد و رفت سے ہرگز ممانعت نکیجو - تس پیچھے داروغگی|| چاندی اور تامے¶ کی ٹکسال کی پرسرام لوہار کے بیٹے کو مقرر ہوئی اور رائے جوالا ناتھہ اور مسر گلس نرائن نے کرنیل صاحب کی خدمت سے آکر یہ عرض کر بھیجا کہ کرنیل صاحب نے ضیافت قبول کی اور کلھہ کے آنے کا بہت خوشی سے اقرار کیا ہے - اُسی وقت حکم ہوا کہ اقسام اقسام کے کھانے تیار ہوں اور فیل خانے کا داروغہ جنگی ہاتھی ہر وقت حاضر رکھے - دوسرے دن کہ ربیع الثانی کی پہلی تاریخ تھی سب سامان حاضری کا مادھو نواس میں اِکٹھا ہوا - کرنیل

---

* یعنی گلیش نرائن - برہمنوں کے گوتر "مسر" کو پرانے زمانے میں لوگ ص سے لکھتے تھے' مگر اِس اخبار نے اُس غلط اِملا کو پسند نہیں کیا - $ یعنی پندرہ - † یعنی اِس میں - ‡ یعنی ٹھہری ہیں - §اصل: "میںے" - || اصل: "داروغگی" جو ظاہراً چھاپے کی غلطی ہے - ¶ یعنی تانبے -

صاحب چار انگریز اور تین بی بی ولایتی ساتھ لیے ہوئے لال ڈیوڑھی کی راہ سے چھلی برج میں تشریف لائے اور ہاتھیوں کی لڑائی دیکھ کر بہت خوش ہوئے - بعد اُس کے موتی برج میں جاکر سب سرداروں سے ملاقات کر، مادھو نواس میں حاضری کے میز پر جا بیٹھے- ناچ ہونے لگا اور سب قسم کا ساز بجنے - کرنیل صاحب حاضری کھانے کے بعد دیر تک اُس محفل کے تماشے میں، کہ گویا اِندر کا اکھاڑا وہاں اُترا تھا، متوجہ رہے- برخاست کے وقت سرداروں نے پھولوں کے ہار سب صاحبوں اور بی بیوں کو پہنائے اور دس کشتیاں پوشاکی کپڑے کی، ایک رقم جواہر کے ساتھ، کرنیل صاحب کی تواضع کیں اور چھہ کشتییں* کپڑے کی، ایک رقم جواہر کے ساتھ، راپ صاحب کے آگے رکھیں اور ایک ایک کشتی کپڑے کی سب کو تواضع ہوئی - کرنیل صاحب نے ایک تھان کمخاب کا اُٹھا لیا اور پچاس روپے ناچنے والیوں کو اِنعام دے کر سوار ہوئے- اور سبھوں نے تمام اسباب تواضع کا قبول کیا -" (۲۹ دسمبر ۱۸۲۴ع)

"پونا کی خبر"

"اخبار کے کاغذ میں لکھا ہوا ہے کہ ایک دن وہاں کے مختار صاحب کو خبر پہنچی کہ بارہ ہزار آدمی، رعایا اُس ملک کے، جگناتھ پوجا کی تقریب سے ایک جگہ اکٹھا تھے - یکایک ایسا پانی برسا اور اولے پڑے کہ ہزاروں آدمی مر گئے -" (۲۹ دسمبر ۱۸۲۴ع) -

"لکھنؤ کی خبر"

"اخبار کے کاغذ سے دریافت ہوا کہ ربیع الثانی مہینے † کی پہلی تاریخ،

---

* اس لفظ میں صرف ایک ی ہے، صحیح "کشتیاں" ہے، مگر بعضے لوگ "کشتییں" (الف کی جگہ ایک دوسری ی کے ساتھ) بھی بولتے ہیں- یہاں دو ہی تین سطروں میں یہ لفظ دو بار آیا ہے اور دو طرح (الف کے ساتھ اور بے الف کے) لکھا گیا ہے - ہوسکتا ہے کہ لکھنے والا دونوں صورتوں کو برابر جانتا تھا-

† ۱۲۴۰ھ (مطابق ۲۳ نومبر ۱۸۲۴ع) - یہ غازی الدین حیدر شاہ اودھ کا زمانہ (۱۲۲۹—۱۲۴۳ھ مطابق ۱۸۱۴—۱۸۲۷ع) ہے -

منگل کے دن، کہ اُس روز موافق معمول کے صاحب رزیڈنٹ بہادر کے واسطے حاضری کی تیاری تھی، حضرت بادشاہ؛ کوکرایل* کي طرف سے سیر کرکے، قصر بادشاہي میں رونق افروز ہوئے - پانچ گھڑی† دن چڑھے تک منتظر بیٹھے تھے کہ صاحب رزیڈنٹ بہادر آئے اور آٹھہ انگریز عالي قدر ساتھہ لائے - جہاں پناہ نے سب صاحبوں کے ساتھہ حاضری تناول فرمای اور اُس کے بعد اِختلاط کي باتیں ہوا کیں - آخر بڑے صاحب‡ رخصت کے وقت عطر پان، جو کچھہ رسم ہے، لے کر کوٹھي کو سوار ہو گئے - تس پیچھے جب حضرت کے کھانے کا وقت آیا اور سب قسم کا کھانا دستر خوان پر چنا گیا حضرت نے خشکے کے چاولوں کو بادشاہی طعام کے لائق نہ دیکھا - غلام حسین خاں داروغے§ کو اِرشاد ہوا کہ للو مل مودی || اور چمن لال مشرف ¶ باورچي خانے کا مقید ہو - آخر دونوں نے اپنے قصور کا اِقرار کیا اور اپني غفلت پر نادم ہو کر پانچ ہزار روپے احمقانے / کے گزرانے - بادشاہ خطا بخش نے قصور معاف فرمایا اور جس وقت حضرت والا دستگاہ کو خاصہ کھانے سے فراغت ہوي، نواب معتمدالدولہ بہادر مطالب مالي ملکي عرض کر کے اپنے گھر کو گئے"- (۲۹ دسمبر ۱۸۲۴ع)

"بن مانس کي خبر"

"احبار کے کاغذ سے دریافت ہوا کہ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ایک انگریز نے جاوا کے جزیرے میں ایک جیتا ہوا بن‌مانس یعني جنگلی آدمی پایا اور اُس نے اُس بن‌مانس کو ایک اپنے دوست کے واسطے امریکا بھیج دیا - اور ایسا سنا گیا کہ اُسی شخص نے ایک بن‌بانس کسو کي معرفت انگلنڈ

---

* "کوکرائل" یا "ککریل" ندی، جو گومتی میں آ ملی ہے - † گھڑی، چوبیس منٹ کے برابر ہوتي ہے - ‡ یعنی رزیڈنٹ - § اصل میں یوں ہي ہے - || جنس کا بہم پہنچانے والا اور محافظ - ¶ ناظر، مہتمم - / یہ احمقانے کا دستور کہیں سنا نہیں گیا - ظاہرا لکھنؤ کی درباري اِصطلاح ہے - جرمانہ تو وہ کہ قاعدے بموجب حاکم طلب کرے اور "احمقانہ" وہ کہ ملزم خود اپنی غلطی یا حماقت پر شرمندہ ہو کے پیش کرے-

تو بھیجا تھا - وہاں ایک شخص نے لاکھ روپے کو مول لیا - اِس بات کے سننے* سے بڑا تعجب ہوا۔ کس واسطے کہ جو وہ آدمی اُس بن مانس کے عوض کسو عاقل آدمی کو لے جاتا کبھی لاکھ روپے نہ پاتا بلکہ کوئی ہزار روپے پر بھی نہ لیتا - حاصل کلام کا یہ کہ وہ بن مانس کسو کو آزار نہیں دیتا ہے اور جسم اُس کا بہت ملایم اور لطیف ہے - کہتے ہیں کہ جس نے اُسے جنگل سے پکڑا، چھہ مہینے تک اپنے گھر پر رکھا - کھانے کے وقت اُس کو اچھے اچھے میوے پھل کھلاتا اور شراب پلاتا اور وہ بن مانس کھانے کے وقت بے بولائے ہوئے میز کے نزدیک جا بیٹھتا - جو اُس کا مالک اپنی خوشی سے دیتا ہاتھ میں لے کر آدمی کی طرح سے کھاتا -" (۲۳ نومبر ۱۸۲۰ء)

"دھویں کے جہاز کی مفصل خبر"

"بہت دنوں سے یہ خبر مشہور تھی کہ اِنگلستان میں ایک جہاز طیار ہوتا ہے کہ جس طرح ایک ناو پچھلے برس کلکتے میں آئی کہ صرف دھویں کے زور سے چڑھاو اُتار پر بے تکلف دریا میں چلی جاتی ہے، وہ جہاز اسی طرح بے کھٹکے بحر محیط میں آمد و شد کرے گا اور اُس جہاز کے بنانے والے نے اِنگلنڈ سے کلکتے پہنچنے کی پچھتر دن کی مدت ٹھہرائی ہے، کس واسطے کہ وہ جہاز پال سے علاقہ نہیں رکھتا جو ہوا کا محتاج ہو - اُس کو آندھی، طوفان موسم، غیر موسم سب برابر ہے - بارے پچھلے ہفتے میں وہ جہاز ولایت سے آیا - جس دن وہ کلکتے میں پہنچا دریا کے کنارے ایک انبوہ جمع تھا - ہفت اقلیم کے سیاح اکٹھا ہوئے تھے کس واسطے کہ اگلے زمانے میں کسو نے جہاز کا نام نہیں سنا - ہر چند ناو کے دیکھنے سے لوگوں نے سمجھا تھا کہ جہاز بھی بن سکتا ہے، پر بڑے بڑے ریاضی داں، جنہوں کو اُس علم میں دعوی ہے یہ کہتے تھے کہ ایسا جہاز ولایت سے کلکتہ ہرگز نہ پہنچے گا - اِس جہاز کی طیاری اور جلد رفتاری کو دیکھ، سب خلقت دنگ ہو گئی اور ریاضی کے اہل کمال حیران ہو کہنے لگے کہ سچ مچ یہ جہاز ہے جو دھویں کے زور سے چلا آتا ہے یا کوئی طلسم ہے کہ دکھلائی دیتا ہے - اِس جہاز کے بنانے والے کو ہزار آفرین کیا چاہئے - بشر کا یہ کام نہیں - ایسی نادر صنعت کا ایجاد

* اصل: "سنے"-

دیکھنے والوں نے بنانے والا موجود، بہت مستند ہے اس سبب سے کہ بنانے والا موجود، دیکھنے والوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا - سب کو یقین ہوا کہ یہ صنعت ریاضی علم کے زور سے نکلی - جو اگلے وقت میں کسو نے بنایا ہوتا تو بہت لوگ یہی کہتے کہ اُس کے بنانے والے کے فرشتے مددگار تھے اُس نے دھوئیں کا جہاز نہیں بنایا خلق کو اپنا معجزہ دکھلایا - غرض جس قدر ستایش لوگوں نے کی اگر لکھی جاوے ایک دفتر میں گنجایش نہ پاوے - اب دیر رسی کا سبب گذارش کیا جاتا ہے کہ اِس مرتبے جہاز ایک سو نو دن میں اِنگلنڈ سے کلکتے پہنچا - چونتیس دن مقرری میعاد سے بڑھ گئے - اُس کا سبب یہ ہے کہ کوئلا جہاز میں کم ہو گیا - جتنا کوئلا درکار تھا اتنا راہ میں نہ ملا - آخر جس قدر کوئلا میسر ہوا اُسی کو جلاتے ہوئے جہاز کلکتے میں لائے - ون مطابق جو بنانے والے نے تجویز کیا ہے، اگر کوئلا دن رات آتش خانے میں جلتا، دھواں اُس انداز پر نکلتا کہ اُس کے زور سے جہاز پچھتر دن میں کلکتے پہنچتا - اس کے سوا جہاز کی بناوٹ میں کچھ فتور نہیں ہے - اب جہاز کے کپتان نے جگہ جگہ جزیروں میں کوئلے کا بندوبست کیا ہے - آیندہ جہاں درکار ہوگا وہاں سے کوئلا ملے گا اور جہاز پچھتر دن میں بے شک اِنگلنڈ سے کلکتے اور کلکتے سے انگلنڈ آیا جایا کرے گا - اور اِنگلنڈ کے بہت سے امیر، جن کو ہندوستان دیکھنے کی آرزو ہے، کم فرصتی کے سبب ایسا دراز سفر نہیں کر سکتے ہیں کہ صرف آمد و رفت میں ایک برس گذر جاتا، سیر کے دن ایک برس سے زیادہ ہوئے - اب یقین ہے کہ اِس جہاز کے وسیلے سے ہندوستان دیکھیں گے، کس واسطے کہ آمد و رفت کی مدت پانچ مہینے سے زیادہ نہیں - ۲۸ دسمبر ۱۸۲۵ء

(باقی آئندہ)

مولانا محمد حسین آزاد اور دیوان ذوق

از پروفیسر محمود خاں شیرانی

(بسلسلۂ هندستاني، اکتوبر ۴۴ء)

اُستاد ذوق کي غزل میں ارکان ذیل کام کر رهے هیں -

(۱) مستف | علتن -- جو فعلن مسکن اور غیر مسکن سے مرکب هے -

(۲) مفعو | لاتن، جو دو فعلن مسکن سے مل کر بنا هے -

(۳) متفا | عیلن - جو فعلن غیر مسکن اور مسکن سے مل کر بنتا هے -

اِن ارکان میں اِس قدر مناسبت هے کہ اِن کو آگے پیچھے یا اِدھر اُدھر سرکا دینے سے مصرع کي موزونیت میں کوئي فرق نهیں پڑتا - اُستاد ذوق کي غزل میں اکثر و بیشتر مستفعلتن (فعلن فعلن) آیا هے - اُس کے بعد مفعولاتن (فعلن فعلن) اور اُس کے بعد متفاعیلن (فعلن فعلن)، جو نسبتاً بہت کم لایا گیا هے - کبھي پورے مصرع میں مستفعلتن چاربار آگیا - کبھي مفعولاتن آیا - مگر ایسے مصرعے بہت هیں جن میں دو یا تینوں رکن کارفرما هیں - مصرعوں میں اِن ارکان کي ترتیب یا مساوات کا کوئي اِلتزام نهیں - میں اِن تینوں رکنوں کي ترتیب دکھانے کے لیے ذوق کی غزل کے اشعار کا علاحدہ جائزہ لیتا هوں - جس میں بجاے رکن کے اُس رکن کا هندسۂ شمار درج کر دیا هے - یعني مستفعلتن = ۱، مفعولاتن = ۲، متفاعیلن = ۳ - مجھے اشعار نقل کرنے کي ضرورت نهیں - دیوان میں یہ غزل صفحات ۱۵۶ و ۱۵۷ پر ملتي هے -

	مصرع اول	مصرع دوم
شعر اول :—	۱، ۱، ۲، ۲،	۱، ۲، ۲، ۳،
„ دوم :—	۲، ۳، ۱، ۲،	۲، ۱، ۱، ۲،
„ سوم :—	۱، ۲، ۲، ۳،	۲، ۳، ۲، ۲،
„ چهارم :—	۱، ۱، ۱، ۲،	۱، ۳، ۱، ۲،
„ پنجم :—	۲، ۲، ۲، ۲،	۱، ۱، ۲، ۲،
„ ششم :—	۱، ۱، ۲، ۲،	۱، ۳، ۱، ۳،

,, هفتم :	۱، ۱، ۱، ۱،	۱، ۱، ۱، ۲،
,, هشتم . —	۲، ۲ ۱، ۲،	۲، ۳، ۱، ۲،
. نہم :—	۱، ۱، ۱، ۱،	۱، ۲، ۱، ۳،
,, دہم :—	۲ ۳، ۱، ۱	۱، ۱، ۱، ۳،
,, یازدہم :-	۱، ۲ ۱، ۲،	۱، ۱، ۲، ۲،
,, دوازدہم : —	۱، ۱ ۲ ۳،	۲، ۳، ۱، ۲،
,, سیزدہم : —	۱ ۲، ۱ ۱،	۱، ۱، ۲، ۳،
,, چہاردہم :—	۱ ۱، ۱، ۲،	۲، ۳، ۱ ۲،

گویا ان چودہ شعروں میں مستفعلتن ۵۴ بار، مفعولاتن ۳۳ بار اور متفاعلن ۱۵ بار استعمال ہوئے ہیں - الغرض فارسی عروض کی رو سے شعر یا مصرع کے ارکان میں اِس قسم کی بے ترتیبی قانون شکنی اور بے ضابطگی میں داخل ہے - لیکن اساتذہ نے جو اِس وزن میں اشعار لکھے ہیں اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے اِس وزن کو ہندی پنگل سے لیا ہے جس میں حرکات و سکنات کی ترتیب میں مساوات کا لحاظ نہیں رکھا جاتا -

ہندی سے مسلمانوں نے کئی ایسے اوزان اِختیار کر لیے ہیں جو اُن کی طبیعت کے مناسب تھے مثلاً دوہرا جو قدما میں بلکہ متاخرین میں بھی مقبول تھا - متاخرین نے اِس میں مثنویاں تک لکھی ہیں - اِسی طرح تیس مت والا وزن ہے جس کے ہر ہر مصرع میں ۳۰ حروف متحرک و غیر متحرک شمار میں آتے ہیں -

مثال :— اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اِس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

یہ وزن میر تقی میر، اُن کے معاصرین و متبعین میں بہت عام تھا - میر صاحب تو خصوصیت کے ساتھ اِس کے دلدادہ تھے - اب وزن زیر بحث کی باری آتی ہے - جو ۳۲ مت پر شامل ہے - ہندی میں اِس کی کئی تقسیمیں ہیں لیکن ہمارے وزن کے موافق دو ہیں - پہلی لیلاوتی جس میں فی مصرع ۲۸ ماترا (حروف) آخر میں دو سبب خفیف ہوں - پھر ۱۸ پر وقفہ، ۱۴ پر تمام - مثال :—

سیھہ سلدر مو | رت شیامر صو | رت اندر مد | در سکھہ داتا
سر مور پکھو | نا کاتن کد | دل بھال تلک | گن کھانا

اِن میں پہلا مصرع ذوق کی غزل کے شعر پنجم کے مصرع اول اور دوسرا مصرع اسی غزل کے شعر سیزدھم کے مصرع اول کے مطابق ھیں - غزل کے دونوں شعر بالترتیب یہاں مرقوم ھیں :—

۲ ۲ ۲ ۲
تم وہ زخ م دل پر مید | رے کرتے ھو | دکھلانے کو

۱ ۱ ۲ ۲
پر برش تیغ ناز سے اپ لیے دل میں کر | تو عش عش ھو

۱ ۲ ۱ ۱
بس چھوڑو دا | من قاتل کا | لو ھاتھ بہا | ئے خون سے اُتھا

۱ ۱ ۲ ۳
جب اپنا بہا | خون پالو پہ اُس | کے دل کہوں اس | کا مشوش ھو

دوسری پدماوتی' ۲۹ ماترا آخر میں وتد مجموع - - ۱۰ پر پھر ۸ پر وقفہ' ۱۳ پر تمام - مثال :

۲ ۲ ۱ ۱
دیکھو اک با | ما چوب اوبرا | ما - رسک رسیو | امی مان بھری"

۲ ۱ ۱ ۱
سندر ال بیو | لمی تول نوی | لمی کلب للا | سے جان بری

اِن دونوں وزنوں میں باعتبار وقفہ و سبب خفیف و وتد مجموع جزئی فرق نظر آتا ھے ورنہ دونوں ایک ھیں - بھر حال، اُستاد ذوق کے جدید وزن کی یہ اصل ھیں -

ص ۱۵۴ - ”آغاز عمر - اِبتداے مشق کوئی تقویت دینے والا ساتھ نہیں - گھبرا گئے - مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب اُن دنوں زندہ تھے - اِن سے جاکر حال بیان کیا - انہوں نے فرمایا کہ معترض بے خبر ھیں - فارسی میں مرزا بیدل نے اکثر غزلیں نئی بحروں میں لکھی ھیں - اور خوش آیند

بحر کا نکالنا حسن طبع ہے نہ کہ عیب - اُستاد نے کلیات بیدل دیکھا تو بہت غزلیں نئی نئی بحروں میں نکلیں - اُنہیں دیکھہ کر دل قوی ہوا -"

یہاں مولانا نے اِن نو ایجاد بحروں کی تفصیل نہیں دی - لیکن سخندان فارس میں اِن کی مثالیں دی ہیں - فرماتے ہیں :

"مرزا بیدل نے نکات بیدل میں اکثر غزلیں نئی بحروں میں لکھی ہیں- حقیقت میں نہایت پسندیدہ ہیں اور دل کو خوش آواز معلوم ہوتی ہیں :

(۱) سر طرۂ بہوا فشان - خللی ز مشک سر آفرین
نگہے بآئنہ بار کن - گل عالم دگر آفرین

(۲) چہ بود سر و کار غلط سبقان در علم و عمل بفسانہ زدن
بہ قبول دلائل بی‌خبری ہمہ تیر خطا بہ نشانہ زدن

(۳) بہ تماشاے این چمن - در مژگان فراز کن
ز خمستان عافیت قدحی گیر و ناز کن

(۴) شور جلوں در قفسی با ہمہ بیگانہ بر آ
یک دو نفس نالہ شود از دل دیوانہ بر آ

(۵) اگر بہ گلشن ز ناز گردد قد بلند تو جلوہ فرما
ز پیکر سرو موج خجلت بروں تراود چو مے ز مینا"

(سخندان فارس ص ۲۶۲ - مفید عام ۱۹۰۷ع)

اِس تازہ وزن کی "ایجاد" شاہ عبدالعزیز کی وفات سے ایک دو سال پہلے کا واقعہ معلوم ہوتا ہے- اِس ذریعے سے اِس زمانے کی تعیین کی جا سکتی ہے - شاہ صاحب ممدوح‌الذکر ۱۲۳۹ھ میں وفات پاتے ہیں - اِس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ذوق نے یہ غزل ۱۲۳۷ھ میں یا اُس سے کچھہ قبل، جب اُن کی عمر بتیس تینتیس سال کی ہوگی، لکھی ہوگی - اب اِس کے ساتھہ "آغاز عمر" اور "ابتداے مشق" وغیرہ الفاظ لانا، اور گھبرانا بالکل غیر ضروری ہیں - یا یہ ماننا پڑے گا کہ ذوق کو اپنی صحیح عمر کا اندازہ نہیں تھا - ذوق کی روایت میں شاہ عبدالعزیز کا ذکر تیسری مرتبہ آیا ہے ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شعر و شاعری کے مسائل پر شاہ صاحب

کو سند نہیں مانا جا سکتا - نہ اُن کے جواب سے ہماری تسلی ہوتی ہے، کیونکہ اُن کا جواب صحت سے بہت دور ہے - مرزا بیدل نے کوئی نئی بحر ایجاد نہیں کی - یہ بحریں اُن سے پہلے سے معلوم و موجود تھیں - پہلی بحر کا نام بحر کامل مثمن سالم (متفاعلن ۴ بار) ہے - معیارالاشعار میں محقق طوسی اِس بحر کے واسطے کہتے ہیں :

"هم از تازیانست... امابپارسی برین بحر بتکلف گفته اند" - ۱

تاہم محقق نے اِس کے مسدس اور مربع کی مثالیں دی ہیں -

میر شمس‌الدین فقیر اِس وزن میں شعر نگاری کا سہرا جامی کے سر باندھتے ہیں اور قدما خسرو کو اِس خصوص میں منفرد جانتے ہیں :

"قدمای شعرای عجم درین بحر اصلا شعر نگفته اند مگر از قدما امیر خسرو دهلوی و از متاخرین اول مولوی جامی در بحر کامل شعر فارسی گفته و از آن باز این بحر در شعراے عجم شیوع یافته" - ۲

لیکن خسرو کے همعصر امیر حسن سجزی بھی اِس بحر کے سیاح ہیں :

مه من چه باشد اگر گهی سوے دوستان نظری کلی
به مراد ما نفسی زنی به نیاز ما نظری کلی
چو به پیش تیغ تو سر نهم غلطست گر بے کشتنم
زخط سیه سپهی کشی ز صف مژه حشری کلی - ۳

شاہ صاحب کو، جو عربی کے جید فاضل ہیں، کیا معلوم نہ تھا کہ بحر کامل عربی میں قدیم سے ہے - اِس کو فارسی میں منتقل کرنا جدید دریافت نہیں کہا جا سکتا -

شعر (۲) چه بود سر و کار غلط سبقان بر عام و عمل بفسانه زدن الخ -

اِس کے وزن (متفاعلتن مثمن سالم) کے واسطے شمس‌الدین فقیر کہتے ہیں :

"و یکی از معاصران امیر خسرو دهلوی که عاشق صادق نام داشت رسالهٔ در عروض و صنائع تالیف نموده و آن را جامع‌الصنایع نام کرده و در آنجا

۱ معیارالاشعار ص۴۳ مطبع علوی علی بخش خاں ۱۲۹۴ھ -
۲ حدائق البلاغت ص ۱۳۲ نولکشور ۱۸۸۷ع و دبدبهٔ احمدی ص ۱۱۲ -
۳ دیوان حسن سنجری (شاد ایڈیشن) ص ۳۵۷ -

سه بحر دیگر اختراع نموده باعتقاد خود دو رکن تازه پیدا ساخته و این سه بحر از ترکیب آن بهم رسانیده، اول متفاعلاتن دوم مفعولاتن - و چون غور کرده شود متفاعلاتن دو فعلن بکسر عین است و مفعولاتن دو فعلن بسکون عین و اول بحر متدارک مخبون است و دوم مقطوع"[1] - ا

شعر (۳) به تماشاے این چمن در مژگان فراز کن الخ -

یه بحر خفیف مثمن مخبون هے، جس کا وزن فعلاتن مفاعلن فعلاتن مفاعلن هے - اس کی مثال میں محقق طوسی نے یه شعر دیا هے

صنم آن کس که تا بفرق همی سوزم از قدم

ز غم عشق آن صنم که نه بیلی چنو دگر

المعجم میں اس کی مثال میں رودکی کا بیت ذیل نقل کیا هے :

گر کند یارے مرا بغم عشق آن صنم

بتواند زدود زین دل غمخوارم زنگ غم

شعر (۴) شور جلوں در قدسی با همه بیگانه در آ الخ -

رجز مثمن مطوی هے اور وزن مفتعلن چار بار هے - محقق طوسی کے هاں اس کی مثال میں یه شعر درج هے :

تا سمری شد ست من جان و دام شد سنی

روز و شب از وقت او بعشق من اوحد کی

محقق لکھتے هیں که حکیم سنائی نے اس وزن میں ایک قصیده بهی لکها هے

شعر (۵) اگر بہ لمشن ز ناز گردد قد بلند تو جلوہ فرما الخ -

محقق طوسی معیارالشعار میں اس وزن کے متعلق لکھتے هیں :

"بنادر در لغت پارسی رکنے ثمانی یافته می شود مولف از دو وتد و سببی بر وزن مفاعلاتن و شعری دیده ام از تکرار این رکن چهار بار که عین آن شعر یاد ندارم، اما بوزن مطوال بوده" —

(بیت) اگر بدانی که بے تو چونم

مرا دریں غم روا نداری

المعجم فی معاییر اشعارالعجم میں اس کی مثال میں رودکی کا یه شعر مربع تحریر کیا هے :

---

۱ حدائق البلاغت، ص ۱۵۰ -

گل بہاری بت تتاری نبیذ داری چرا نہاری
نبیذ روشن چو ابر بہمن بنزد گلشن چرا نہاری (۱)

عام روایت، ایک ریختہ جو اِس کے وزن مثمن میں ہے امیر خسرو کی طرف منسوب کرتی ہے چنانچہ زحال مسکین مکن تغافل دورائے نیناں بنائے بتیاں الخ - لیکن میں اِس اِعتقاد میں شریک نہیں - میرے نزدیک امیر کی طرف اِس کا اِنتساب بہت کچھ مشتبہ ہے - البتہ عصمت بخاری پہلے شخص ہیں جو اِس وزن میں لکھتے ہیں :—

زہے دو چشمت بخون مردم کشادہ تیر و کشیدہ خنجر
رخ چو ماہت صباح دولت خط سیاہت شب معنبر

مولانا جامی اِن کے مقلد ہیں :—

زہے جمال تو قبلۂ جان حریم کوی تو کعبۂ دل
فان سجدنا إلیک نسجد و اِن سعینا إلیک نسعی

قصہ مختصر اِن پانچوں اوزان میں ایک وزن بھی ایسا نہیں جس کی دریافت یا ایجاد میرزا بیدل کی طرف منسوب کی جا سکے -

اُستاد ذوق کی داستان میں شاہ عبدالعزیز کے ذکر کا ایراد میرے خیال میں تفنناً و تبرکاً ہوا -

ص ۱۵۷—شعر :

کہا رجز کو کر مقطوع و مرفل تم نے یہ غزل لکھی ہے
ذوق اسکی بحر کو سن کر شاداں روح خلیل واخفش ہو - (۲)

رجز بفتحتین ہے - شعر میں بسکون دوم آیا ہے - اسی مصرع میں بضرورت وزن یہ غزل کو "غزل یہ" پڑھنا ہوگا -

اُستاد ذوق کا یہ دعویٰ کہ اُنہوں نے بحر رجز میں زحافات قطع و ترفیل کے استعمال سے یہ وزن اِستخراج کیا ہے، ہمارے لیے ایک معما ہے -

---

(۱) المعجم (تالیف ۶۱۷ھ) گب اڈیشن ص۱۵۰ - (۲) مضمون لکھے جانے کے بعد حافظ ویران کا نسخہ جو دیکھا تو اُس میں یہ مقطع یوں نکلا :

اس بحر میں کیا برجستہ غزل اے ذوق یہ تم نے لکھی ہے
ہاں وزن کو جس کے سن کر شاداں روح خلیل و اخفش ہو (ص ۸۳)

مجھکو مطلق شبہہ نہ ہوا کہ یہاں حضرت آزاد کا اِصلاحی قلم کام کر رہا ہے -

مولانا آزاد کو چاہیے تھا کہ وہ اِس گتھی کو سلجھا دیتے کہ ہندی وزن، جس میں بے ترتیبی ترتیب کا حکم رکھتی ہے، اِن زحافوں کے ذریعے سے کس طرح برآمد ہوا ؟ ترفیل اور قطع دونوں ایسے زحاف ہیں جو عروض و ضرب یعنی اواخر مصاریع میں لائے جاتے ہیں- صدرو اِبتدا اور حشو میں اِن کا عمل نہیں ہو سکتا - خاص طور پر ترفیل تو زحاف نہیں ہے بلکہ ایک عارضہ ہے ، جو کسی ایک شعر پر وارد ہو سکتا ہے، اور ایک پورا سبب خفیف زائد از وزن بڑھا دیا جاتا ہے - ترفیل عروض و ضرب میں ایسے رکن میں جو وتد مجموع پر ختم ہو اِستعمال ہوتا ہے - قدر بلگرامی کہتے ہیں :

"ابوالحسن فاعلن اور متفاعلن اور اُس مستفعلن میں جو متفاعلن سے بنا ہو جائز سمجھتا ہے اور نصیرالدین طوسی فاعلن میں جائز نہیں سمجھتے بلکہ متفاعلن میں بھی وہ اُس وقت کہتے ہیں جبکہ بحر کامل مربع ہو - فارسی میں یہ زحاف نادرالوقوع ہے اور اُردو میں کہیں نام و نشان نہیں - غضب ہے یا نہیں کہ دو دو حرف اکٹھا بڑھا دیے جائیں اور وزن بیچارے سے کچھ مطلب نہ ہو" ۔

اِس عبارت سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ترفیل اُردو میں نہیں آتی اور بحر رجز میں اسکا عمل نہیں ہو سکتا - لیکن اُستاد ذوق ہیں کہ عروضی ضابطے کو پس پشت ڈال کر اس کو رجز میں داخل کر رہے ہیں رجز کا اصلی رکن مستفعلن ہے جو ترفیل کے آنے سے مستفعلاتن بن جائے گا -

اُدھر قطع بھی، جیسا کہ اِشارہ کر چکا ہوں، عروض و ضرب کے واسطے مخصوص ہے - یعنی عروض و ضرب میں ایسا رکن جو وتد مجموع پر ختم ہو اُسکے ساکن آخر کو گرا کر اُسکے قبل کے حرف متحرک کو ساکن کر دینا مثلاً- مستفعلن کے نون ساکن کو گرا کر ماقبل کے لام کو ساکن کیا تو مستفعل بن گیا اُس کو مفعولن سے بدل لیا -

---

(۲) قواعدالعروض ص ۳۸، مطبع شام اودھ -

آمدم بر سر مطلب - اِس مستفعلاتن مرفل اور مفعولن مقطوع سے وزن زیر بحث کا برآمد ہونا عروضی نقطۂ نظر سے ناممکن ہے - جو لوگ اِس وزن کو فارسی اوزان سے نکالتے ہیں وہ بحر متدارک شانزدہ رکنی سے نکالتے ہیں - یعنی متدارک کے رکن فاعلن کو بذریعۂ خبن فعلن (بحرکت عین) بنا لیا اور حسب ضرورت فعلن مخبون کے عین کو عمل تسکین سے مسکن کرلیا ؛ فعلن بن گیا - ان اوزان سے ذوق کی غزل کے مطلع کی تقطیع یوں ہوگی :

۱	۱	۲	۲
جس ھا ، تھ میں خا فعلن، فعلن	تم لع، ل کی ھے فعلن، فعلن	گراس ، میں زل فعلن، فعلن	ف سر، کش ھو فعلن، فعلن

۱	۲	۲	۳
پھر زل ، ف بلے فعلن، فعلن	وہ دس ، ت موسی فعان، فعلن	جس، میں اخ فعلن، فعلن	گر آ ، تش ھو فعلن، فعلن

وزن کا نام متدارک مخبون و مخبون مسکن شانزدہ‌گانی ہے - میں نے اِس شانزادہ‌گانی کی طوالت دیکھ کر اِس وزن کو مثمن کر لیا ہے یعنی مستفعلتن مفعولاتن اور متفاعیلن سے تقطیع کی ہے - ظاہر ہے کہ بڑا تھان بالشت کی بجائے گز کے ذریعے سے جلد ناپا جا سکتا ہے -

ص۱۸۶ - "حال مہر و وفا کہوں تو کہیں نہیں شوق اِن حکایتوں سے مجھے"

"مہر و وفا" مرکب عطفی ہے - مولانا آزاد نے اِس پر ذیل کا حاشیہ اضافہ کیا ہے :

مثنوی مہر و وفا فارسی میں ایک عمدہ مثنوی ہے - پہلے زلیخا بوستان - سکندر نامہ کی طرح تعلیم میں داخل تھی - اب اس کا رواج نہیں رہا - یہ اسی کی طرف اشارہ ہے - کون سمجھتا ہے اب ان اشاروں کو - خواجہ حافظ نے بھی کہا ہے -

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس" (ص ۱۸۷)

بدقسمتي سے مجھے اِس حاشیے کے متعلق مولانا سے اِختلاف ھے - "مہر و وفا" ایسي مشہور مثنوي نہیں جس قدر مولانا کا خیال ھے - وہ اُس کو داخل درس بتاتے ھیں - ایک بات ھے کہ داخل درس مثنویوں کے مخطوطے بکثرت ملتے ھیں - مولانا کي بیان کردہ مثنوي کسي کتب‌خانے میں موجود نہیں - میں نے اپنے استقصا پر اِعتماد نہ کرکے مخدوم گرامي جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایم - اے ' پي - ایچ - ڈی پروفیسر پنجاب ونیورسٹي سے اِستفسار کیا - جواب میں ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا کہ :—

اِس نام کي چار مثنویوں کا ذکر ملتا ہے -

(۱) مثنوي مہر و وفا ' از عارف لاھوري' بحوالۂ تذکرۂ مخزن‌الغرائب -

(۲) مثنوی مہر و وفا از محمود بیگ سالم ' بحوالۂ تذکرۂ مخزن‌الغرائب -

(۳) مثنوی مہر و وفا ' از مولانا محمد مومن بن میر عبداللہ مشکین قلم متخلص بہ عرشي متوفي ۱۰۹۱ھجری - تصوف پر بحر ھزج میں لکھي گئي ھے اور شاھجہاں کے نام پر معنون ھے - (فہرست کتب‌خانہ ایشیاٹک سوسائٹي بنگال) -

(۴) مہر و وفا از رشیدي سمرقندي (معاصر ملک شاہ سلجوقي) - صرف آتشکدۂ آذر میں بذیل رشیدی اِس مثنوی کا نام ملتا ھے - یہ نہیں بتایا کہ اِس کا موضوع کیا ھے - رشیدي کا ذکر اِس تذکرے میں حسب ذیل ھے :--

"از حالش چیزے معلوم نیست مگر مجملے کہ در معارضہ عمعق ملاحظہ شد و صورت آن را نوشت کہ مداح سلطان ملک شاہ و قدر خان و ممدوح غزنوي و مسعود سعد سلمان‌است ' مثنوی مہر وفا (کذا) با این قطعہ از منظومات [او] ست - ولہ ' ایضاً

تو وزیری و منت مدحت گوي   مدحت بے عطا روا بیني
تو وزارت بمن سپر و مرا   مدحتے گوی تا عطا بیني"

پہلي تينوں مثنویاں ہندوستان کي پیداوار ہیں - ان سے قطع نظر کرکے میں رشیدي کي مثنوي کو لیتا ہوں - یہ مثنوي اِس قدر گمنام ہے کہ آتشکدہ کے سواے کسي اور تذکرے میں اِس کا ذکر نہیں آتا : نہ یورپ کے مشہور کتب خانوں میں اِس کا کوئي نسخہ موجود ہے- ایک کتاب جس کے لیے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ داخل درس رہي ہے کیوں ممکن ہوسکتا ہے اِس قدر نایاب و نامعلوم ہو جاے کہ آج اُس کے کسي مخطوطے تک کا پتا نہ چل سکے -

اِدھر حضرت مولانا فرماتے ہیں کہ ' مہر و وفا ' گلستاں بوستاں کي طرح نہایت معروف ہے - مگر یہ دعویٰ ہي دعویٰ ہے -

" مہر و وفا " ذوق کے ہاں بظاہر کسي مثنوی کي طرف تلمیح نہیں - اور خواجہ حافظ کے شعر میں تو مشکل سے قابل یقین ہے - مشکل یہ ہے کہ اگر خواجہ کے مصرع دوم میں مہر و وفا کو کوئي مثنوی مانا جاتا ہے تو پہلے مصرع میں قصۂ سکندر و دارا ' کو مثنوی ماننا پڑے گا - لیکن قصۂ سکندر و دارا کوئي مثنوی نہیں - حافظ اپنے محبوب سے جو تاریخي واقعات و حکایات کا مشتاق معلوم ہوتا ہے کہتے ہیں کہ سکندر و دارا کے قصے ہم سے کیا پوچھتے ہو - ہم تو تمہارے عاشق ہیں - اس لیے ہم سے سواے ہمارے عشق و محبت اور مہر و وفا کي حکایت کے کچھہ نہ پوچھو -

ص ۱۷۹ —" فرماتے تھے کہ جواني کا عالم تھا اور طبیعت میں جوش - وہي دن تھے کہ مدرسہ غازی‌الدین خاں کے وسیع کوٹھے پر مشاعرے ہوتے تھے - نواب امیر خاں سرکار انگریز سے عہدنامے کے لیے دھلي میں آئے - شہر کے لوگ دیکھنے کو دوڑے کہ باہر پنڈارے کا لشکر پڑا ہے - ہم بھي مدرسے میں گئے- تمہارے والد وہیں تھے - کوٹھے پر جا بیٹھے - دور تک خیمے هي خیمے نظر آتے تھے - ہم نے حسب حال غزل کہي - کئي دن کے بعد مشاعرہ ہوا - لشکر کے لوگ مسجد مدرسہ میں نماز پڑھنے آیا کرتے تھے - اُنھیں بھي مشاعرہ کي خبر ہوئي کہ رات کو جلسہ ہے- سب آئے- دوستوں کي فرمایش سے ہم نے یہ غزل بھي پڑھي بیچارے برسوں صحرانوردی میں تھے اور اسلام کے نام سے ہر کام کرتے تھے - اب خط صلح

میں آ کر اسے چھوڑنا تھا - سب دل شکستہ تھے - اکثر اشعار غزل کے ان کی صورت حال دکھاتے تھے - بڑی تعریفیں ہوئیں اور ۳ والے شعر پر تو اللہ اللہ خوب غلغلے اور ولولے ہوئے بات نہ سنائی دیتی تھی -

موے سر ماران سیہ کا ایک سراسر لشکر ہے
مانگ جو ہے اک مار سفید اس لشکر کا سر لشکر ہے
آبلہ‌ہائے سیلہ جو خیمے سے دکھائی دیتے ہیں
مزرع دل پر مورے پڑا کیا غم کا آ کر لشکر ہے
مورے دل مظلوم ہمارا کیوں نہ شہید دشت بلا
درپے اس کے شامیوں کا وہ زلف معنبر لشکر ہے
دیویں موذی زحمت کش کو کیونکہ نہ ایذا جمع ضعیف
دشمن مار رحم رسیدہ مور کا اکثر لشکر ہے
کعبہ تو بہ خدا ہی رکھے آج کہ جوش ابر نہیں
ایک اصحاب‌الفیل کا سایہ دوش ہوا پر لشکر ہے
میں وہ شاہ کشور غم ہوں یارو جس کے ساتھ سدا
فوجیں اشک کی موجیں ہیں اور بہتا سمندر لشکر ہے
گاہ ہجوم یاس میں دل ہے گاہ ہجوم حسرت میں
ہے یہ مرد سپاہی پیشہ پھرتا لشکر لشکر ہے
خال چشم جاناں کا مژگاں سے دجمل دیکھو تو
اُترا پشت پہ ماشی کے کیا لے کے سکندر لشکر ہے
مورے امام برحق پیدا ذوق اگر تو دیکھے ابھی
ہوتا گرد اسلامیوں کا جوں سبحۂ گوہر لشکر ہے؟؟

نواب امیرالدولہ امیر خاں سرکار انگریزی کے ساتھ عہدنامہ کرنے کے واسطے دہلی نہیں گئے - اُنہوں نے جو عہدنامہ کمپنی کے ساتھ کیا ہے وہ ۹ نومبر ۱۸۱۷ع کو نرنجن لال وکیل نواب اور سرچارلس میٹکاف کے درمیان ہوا ہے اور ۱۲ دسمبر سنہ مذکور کو نواب نے منظور کیا ہے - عہدنامے کے لیے نہ نواب دہلی گئے اور نہ اُن کا لشکر گیا - نواب نے بدرجۂ مجبوری اِس عہدنامے

پر دستخط کیے تھے - اِس غرض سے جنرل اختر لونی اور نواب کے درمیان موضع رسوان علاقۂ جیپور میں جو سانگانیر اور ٹھمابیرے کے درمیان واقع ھے ملاقات ھوئی ' اور صلح کی بات چیت ھوئی - نواب مصر تھے کہ جب تک کمپنی اپنے وعدوں کا ایفا نہ کرےگی ' میں صلح نہیں کروںگا - آخر اختر لونی کی ترغیب سے تصفیۂ اِقرارات کے واسطے نواب نے اپنا وکیل میتکاف کے پاس دھلی بھیجا اور جیسا کہ کہا جاچکا ھے عہدنامے کی صورت پیدا ھوگئی - سنہ ۱۸۱۷ع ' ۱۲۳۳ھجری کے برابر ھے - اُستاد ذوق کی عمر ' جو ۱۲۰۴ھجری میں پیدا ھوتے ھیں' اُس وقت ۲۹ سال کی ھوگی -

نواب امیرالدولہ بہادر ۱۲۴۲ھجری میں (جو ۷-۱۸۲۶ع کے مطابق ھے) لارڈ امہرسٹ گورنر جنرل کی ملاقات کے واسطے دھلی جاتے ھیں - یہ معلوم نہیں اُن کے ساتھہ کس‌قدر لشکر تھا لیکن جب ۱۸۳۲ع میں نواب موصوف لارڈ ولیم بینٹنگ گورنر جنرل ھندوستان کی ملاقات کے واسطے اجمیر جاتے ھیں اُس وقت اُن کے ھمراہ دس ھزار فوج تھی - اِس سے قیاس کیا جاسکتا ھے کہ جب ۱۲۴۲ھ میں نواب دھلی گئے ھیں تقریباً اتنا ھی لشکر اُن کے ساتھہ ھوگا - اِس سے لشکر کا موجود ھونا تو صاف ھے مگر یہ بیان کہ نواب عہدنامے کے واسطے آئے تھے صحیح نہیں - کیونکہ یہ عہدنامہ اِس عہد سے تقریباً آٹھہ نو سال قبل مرتب ھوچکا ھے - اِس لیے اگر نواب کا لشکر اِس عہدنامے سے اپنی دل شکستگی تصور کر رھا تھا تو اِس وقت تک اُس کی کدورت زائل ھو جانی چاھیے -

وھی غزل جس کے لیے دعویٰ کیا گیا ھے کہ اس کے اکثر اشعار ان صحرانوردوں کے مناسب حال تھے - ھم حیران ھیں کہ نواب کے سپاھیوں نے اس کا سننا کیونکر گوارا کیا - وہ تو صاف صاف اُن کی ھجو ملیح ھے - اکثر شعروں میں تعریض و تشنیع ھے - کیا امیرخانی لشکر میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو اِس غزل کی تہ تک پہنچتا - مطلع ھی کو لیجیے - ماران سیاہ کا لشکر جمع ھے جس کا سردار ایک سفید سانپ ھے - نواب امیرالدولہ کی فوج میں کالی وردی کا زیادہ رواج تھا بلکہ ٹونک میں ایک مشہور محلے کا نام کالی پلٹن ھے- اور مار سفید میں نواب کے سفید لباس کی طرف اِشارہ

ھے - سیلے کے آبلوں کے ڈیرے میں غم کے لشکر کا پڑاؤ ھے - دل شہید دشت کربلا ھے اور زلف عنبریں شامیوں کا لشکر ھے - جماعت ضعیف موئی زحمت کش کو ایذا دے رھی گویا مار زخم رسیدہ پر چیونٹیوں کا دل پل رھا ھے - کعبہ کا بچنا محال ھے کیونکہ ابر کا سایہ اصحاب‌الفیل کا لشکر بن رھا ھے - یہاں سوال ھوسکتا ھے کہ یہ مار'ن سیاہ ، مار سفید اور مار زخم رسیدہ اِس غزل میں کیا کر رہے ھیں- شامیوں کے لشکر اور اصحاب‌الفیل کا ذکر کیوں لایا گیا ؟ میں کہتا ھوں کہ اِس غزل میں نواب امیرالدولہ کے پٹھانوں کے واسطے غلط‌فہمی کا کافی سامان موجود ھے- اگر واقعات اُسی طرح عمل میں آئے جیسا کہ مولانا نے بیان فرمائے ھیں تو اُستاد ذوق کے لیے ایسی ذلت آمیز رسوائی سے دوچار ھونا بہت کچھ قرین قیاس ھے جو مرزا سودا نے ایک پٹھان کے ھاتھ سے اپنی نظم کا جواب نذر میں سن کر اٹھائی تھی -

اِس غزل کا مقطع بھی قابل غور ھے - جس میں اِمام برحق کی طرف اِشارہ ہے - یہ اِشارہ ھے سید احمد صاحب شہید کی اِمامت کے اِعلان کی طرف جو اِسی سال (سرحد پر اکورہ کی جنگ کے بعد جو سکھوں اور مجاھدین کے درمیان ھوئی تھی) ۱۲ جمادی‌الثانی ۱۲۴۲ھجری کو سیاسی ضرورت کی بنا پر مجاھدین کے ایک جلسۂ عام میں کیا گیا تھا اور سید صاحب کو اِمام تسلیم کیا گیا تھا - نواب کے لشکر میں سید صاحب کے سینکڑوں نہیں ھزاروں مرید تھے- اُستاد ذوق کو اُن سے پیچھا چھڑانا مشکل ھوجاتا - اور اپنے اُستاد شاہ نصیر کے ساتھ مل کر بڑھتے *.

---

* "مولوی اسمعیل صاحب نے جب جہاد میں شکست کھائی اور دلی میں خبر آئی تو اُنھوں [شاہ نصیر] نے اس موقع پر ایک طولانی قصیدہ کہا :

کلام‌اللہ کی صورت ھوا دل اُن کا سیپارہ
نہ یاد آئی حدیث اُن کو نہ کوئی نص قرآنی
ھرن کی طرح میدان وغا میں چوکڑی بھولے
اگرچہ تھے دم شملہ سے وہ شیر نیستانی

مولوی صاحب کے طرفدار مجاھدوں کا دلی میں لشکر تھا - بہت سے بہادروں نے آکر شاہ صاحب کا گھر گھیر لیا - مرزا خانی کوتوال شہر تھے - وہ سنتے ھی دوڑے اور آ کر بچایا " - (آبحیات ص ۴۱۲)

نصیرالدین بیچارہ تو رستہ طوس کا لیتا
نہ ہوتے شحنۂ دھلی اگر یاں میرزا خانی

حضرت مولانا ، امیر خاں کو پلندارہ بھی کہہ رہے ہیں - ساتھ ہی اُن کے سپاہیوں کے ساتھ ہمدردی اور عنایت کی بھی نمایش کررہے ہیں کہ بیچارے مدتوں دشت پیمائی میں رہے اور ہر کام اسلام کے نام پر کرتے رہے- (آخری فقرہ قابل غور ہے-) یہ اُسی قسم کی عنایت اور خوش خلقی ہے جو مولانا نے آبحیات کے صفحات میں میرزا جانجاں مظہر کے ساتھ جتائی ہے -

ص ۲۰۸—"(۱) سمند وحشت اپنا شاخ گل کے تازیانہ سے
جلوں کی شاہراہوں میں سدا شہ گام چلتا ہے "

اور حاشیہ (۱) " پہلے فرمایا تھا - سمند وحشت اپنا چوب گل کے تازیانہ سے - پھر فرمایا ہر شخص نہ سمجھیگا - عام لوگوں کو کیا خبر ہے کہ ایران میں جیسے موسم بہار میں جنوں ہوجاتا ہے اُس پر یہ ٹوٹکا کرتے ہیں تو اچھا ہوجاتا ہے اور اِسے چوب گل زدن کہتے ہیں"-

لیکن یہ کوئی ایسا نا معلوم محاورہ نہیں ہے - فرہنگوں میں مل جاتا ہے . چنانچہ :

" چوب گل ، شاخ گل ، گویند سودا را نافع بود

غنیمت : جنونم کردہ گل از گردش چشم دلارامے
ز چوب گل نمی آید علاجم چوب بادامے

صائب : نہ اِمروزاست سودائے جنون را ریشہ در جانم
بچوب گل ادب کردے معلم در دبستانم

سلیم : آنکہ بر من گل نمی زد پیش ازین از دوستی
می زند اکنون بچوب گل من دیوانہ را " (بہار عجم)

اُردو میں بھی بہت مشہور ہے :

سودا : عہد میں تجھ حسن کے ماریں ہیں اُن کو چوب گل
پھولوں کی جن پر کبھو چھوتی نہ چھڑیاں دیکھیاں

دیگر : دوانا اِن لٹوں کا ہوں قسم ہے روح مجنوں کی
نہ مارو چوب گل مجھکو بغیر از بید کی چھڑیاں

مہر : جلوس میرے کی باتیں دشت اور گلشن میں جب چلیاں
نہ چوب گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں

بہرحال یہ کوئی نادر محاورہ نہیں ہے۔ ادنیٰ تلاش سے اور مثالیں مل سکتی ہیں - اور پھول کی چھڑی یا پھول کی چھڑی چھوانا بیحد معروف ہے -

ص ۲۲۷ــ " خط بھی لکھتے ہیں تو لیتے ہیں خطائی کاغذ (ا)
دیکھیے کبتک انہیں میری خطا یاد رہے

اور حاشیہ (ا) : " اس وقت خطائی کاغذ بھی عمدہ کاغذوں میں تھا - غنیمت ہے اب کشمیری تو باقی ہے - ۷۰-۸۰ برس کی عمر میں دنیا کی حالت ایسی بدل گئی ہے - "

ذوق نے خطا کی رعایت سے خطائی کاغذ باندھ دیا - اِس سے یہ سمجھنا کہ ستر اسی سال پہلے ہندوستان میں خطائی کاغذ کا رواج تھا شدید قسم کی غلطفہمی ہے- خطا سے مراد چین ہے اور خطائی کاغذ چینی کاغذ ہے - چونکہ چین و ہندوستان میں تجارتی تعلقات قائم نہ تھے اِس واسطے اِس کی درآمد ہندوستان میں نہیں ہوئی - تیموریوں کے دور میں یہ کاغذ توران و ایران میں بےحد مقبول ہے اور اِسی عہد کے فارسی ادبیات میں اُس کا مذکور آتا ہے- مولانا سلطان علی مشہدی جو سلطان حسین بایقرا کے عہد کے مشہور خطاط ہیں اپنے رسالۂ آداب الخط مالیف ۹۲۰ھجری میں لکھتے ہیں - مصرع :
کاغذے بہتر از خطائی نیست

دسویں گیارھویں صدی ہجری میں چین کے دارالسلطنت خان بالغ (پیکن) کے نام پر اِس کاغذ کو خان بالغ کہنے لگے - ذوق کی واقفیت خطائی کاغذ سے فارسی ادبیات سے آشنائی کی بنا پر ہے جس میں کم و بیش اُس کا چرچا آتا رہا ہے - باقی حضرت مولانا کی حاشیہ آرائی ہے -

(باقی آئندہ)

بنیادی هندستانی

[از مولوی محمد اجمل خاں ایم' اے]

هندوستان بہت بڑا ملک هے ' اِسي لیے اُس کے الگ الگ حصوں میں بہت سي بولیاں اور زبانیں بولي جاتي هیں - جو حصے ایک دوسرے سے قریب هیں ' وهاں کے رهنے والے کسي حد تک ایک دوسرے کي بولي سمجھ لیتے هیں - لیکن دور دور کے رهنے والے ایک دوسرے کي بات چیت بالکل نہیں سمجھتے - یہاں تک کہ کچھ مقاموں پر تو یہ حال هے کہ ایک هي زبان جغرافیائي رکاوٹوں کي وجہ سے کئي کئی بولیوں میں تقسیم هوگئي هے - بولنے کا طریقہ بدل گیا هے ' اور کہیں کہیں گرامر یا زبان کا ڈھانچا بھي دوسري طرح کا هوگیا هے - پہاڑوں نے پشتو کو "پشاوري پشتو" اور "یوسف زئي پشتو" میں تقسیم کردیا هے - اور پراني دکھني زبان کو تامل ' تلنگي ' ملایلم اور کنڑي بنا دیا هے - دریاؤں نے پنجابي کی کئي قسمیں کردي هیں ' اور بنگالي کو پوربي بنگلا اور پچھمي بنگلا میں بانٹ دیا هے - اِس کا یہ نتیجہ هوا کہ ایک هي دیس کے رهنے والے ایک دوسرے کو الگ الگ دیسوں کے رهنے والے معلوم هونے لگے - لیکن میل ملاپ اور اتفاق کے لیے همیں "مدھ دیس" نے بچا لیا - اور اس ملک کی میٹھي بولي اور "کلچر" نے پورے هندوستان پر سکہ جما دیا -

همالیا کے دکھن میں ' گنگا اور جمنا کے پانیوں سے جو میدان هرا بھرا هو رها هے ' وهی مدھ دیس یا هندوستان کا درمیاني ملک هے - پرانے زمانے میں رام اور کرشن کي تعلیم یہیں سے هندوستان کے کونے کونے تک پہنچي - اور سنسکرت کے بعد اِس دیس کي بولیاں اودھي اور برج بھي مذهبي تعلیم کے ساتھ ساتھ هر جگہ پھیل گئیں - قریب قریب هزار سال سے عربي ' فارسي ' ترکي اور پشتو بولنے والے مسلمان بھی هندوستان آنے جانے لگے اور اُن میں سے بہت سے یہاں رہ پڑے - اِس کا یہ نتیجہ هوا ' کہ برج' کھڑي بولي اور اودھي

سے نہ صرف فارسی عربی ترکی کے لفظ آ ملے ، بلکہ ہندوستان کی دوسری بولیوں ، جیسے پشتو ، گجراتی ، مرہٹی ، دکنی ، اور بنگالی بولیوں سے بھی لفظوں اور ''محاوروں'' کا (پھیلے ہوئے یا خاص معنی جو کئی لفظ مل کر بناتے ہیں) لین دین ہونے لگا - اور کھڑی بولی کی گرامر (زبان کے ڈھانچے) اور بولنے کے طریقے (تلفظ ، کی بنیادوں پر وہ زبان ہندوستان کے ہر شہر میں بولی اور سمجھی جاتی ہے - اور ہندوستان کے باہر بھی اُن ملکوں میں سمجھی جاتی ہے ، جہاں ہندوستانی اپنے تجارتی یا مذہبی کاموں کے لیے آیا جایا کرتے ہیں -

''بنیادی ہندستانی'' اِسی عام ہندوستانی سے بنائی گئی ہے - کافی سوچنے سمجھنے اور کئی سال کی محنت کے بعد نیچے لکھے ہوئے لفظوں کو چنا گیا ہے - اِن لفظوں اور اِن کے ''محاوروں'' سے پندرہ بیس ہزار ہندستانی لفظوں کا کام چل سکتا ہے -

لفظوں کی ترتیب زبانوں کے جاننے والے بتاتے ہیں کہ آدمی نے جب بولنا شروع کیا تو پہلے ، نام ، (Nouns) بنے ، اُس کے بعد صفتیں اور آپس کا رشتہ بتانے والے بول بنے- اِسی لیے ہم نے لفظوں کی ترتیب میں پہلے وہ نام دیے ہیں جن کی تصویریں آسانی سے بن سکتی ہیں - اُس کے بعد عام ناموں کی فہرست ہے - جن ناموں سے ''کام'' (Verbs) بن جاتے ہیں اُن کے آگے بریکٹوں کے اندر (نا) لکھ دیا گیا ہے ، لیکن جو نام بریکٹوں میں ہیں ، وہ ''کاموں'' یا صفتوں سے بنے ہیں -

ناموں کے بعد صفتیں ہیں - بہت سی صفتیں ایسی ہیں جن کی مخالف صفتیں بھی پائی جاتی ہیں - اِس لیے اُنھیں بھی لکھ دیا گیا ہے - اِس سے پڑھنے والوں کو مخالف صفت ڈھونڈھنے میں مدد ملےگی -

اِس کے بعد کاموں (Verbs) کی فہرست ہے - اور سب کے بعد وہ لفظ ہیں جو زمانہ ، جگہ ، اِشارے اور دوسرے رشتوں کو بتاتے ہیں -

بنيادي کتابوں سے یہ سب لفظ سکھائے جا سکتے ہیں - عام کتابوں میں بار بار اِستعمال کرکے ان کو زباني یاد کیا جا سکتا ہے - پھر عام هندستاني کا سیکھنا بہت ہي آسان ہو جاتا ہے - ہر هندستاني "بنيادي هندستاني" کو تین چار ہفتوں کے اندر اندر سیکھ سکتا ہے اور دوسرے ملکوں کے رہنے والے اگر چاہیں تو چھ سات ہفتوں میں بنيادي زبان میں بولنا اور لکھنا سیکھ سکتے ہیں -

[نوٹ :- هندستاني کے بہت سے لفظ یورپ کي زبانوں میں اور یورپ کي زبانوں کے هندستاني میں مل جل گئے ہیں ؛ ایسے لفظوں کے سامنے (E) بنا دیا گیا ہے]

بنيادي لفظوں کي فہرست

تصویر والے نام

(لمبا الف)
آئینہ
آستین
آفس (E)
آلو
آم
(چھوٹا الف)
اخروٹ
الماري (E)
امرود
انجن
انگلی
انگور

انگوٹھا
انگوٹھی -
اونٹ
اِینٹ
(ب)
بادام
بادل
بازو
باغ
بال
بالٹي
بانہہ
بتي

بٹن (E)
برتن
برش (E)
بریک (E)
بستہ
بطخ
بکرا
بکس (E)
بلي
بندر (گاہ)
بندوق
بوتل (E)
بوٹ (E) ناو

بوٽ (E) جوتا
بوند
بهمر
بهينس
بهيج
(پ)
پاجامه (E)
پارسل (E)
پاڪٽ (E)
پال (نا)
پان
پاوں
پايه
پتا
پتها
پر
پل
پلوٽ (E)
پمپ (E)
پن (E)
پنسل (E)
پنکها
پهيا
پهاوڙا

پهل (نا)
پهول (نا)
پياله
پيٽ
پيٽهه
پيچ
پيڙ
پهڙ
پيمانه
(ت)
تار
تارا
تاگا
تالا
تخت
تختا
ترازو
تصوير
تنا
تنور
تهال
تهيلا
(ٽ)
ٽانگ (نا)

ٽڪٽ (نا)
ٽوپي
ٽوڪرا
ٽهڏي
(ج)
جال
جڙ
جوتا
جهاز
جهاڙو
جهنڊا
جهولا
جيب
(چ)
(چارپائي)
چاقو
چاند
چڙيا
چمچا
چولها
چوها
چهرا
چهاتي
چهت

چهتری
چهرا
چهڑی
چیونٹا
(ح)
حقه
(خ)
خربوزه
خوبانی
(د)
دانت
دائره
در
دراز
درانتی
درخت
دروازه
دفتر
دکان
دل
دم
دماغ
دوات
دهوتی

دیوار
دیا
(ڈ)
ڈنڈا
(ر)
راه
رسا
رسته
رگ
روٹی
ریل (E)
(ز)
زبان
زنجیر
زیور
(س)
ساڑی
سانپ
ستارا (E)
سٹامپ (E)
سٹیشن (E)
سر
سڑک
سوئی

سورج
سیپ
سیٹی
سینگ
سینه
سینی
(ش)
شاخ
شلف (E)
شهر
شیشا
(ص)
صراحی
صندوق
(ط)
طوطا
(غ)
(غسل‌خانه)
(ف)
فٹبال
فوج
(ق)
قلم
قمیص (E)

کہلچی
(ک)
کارڈ (E)
کالر (E)
کان
کانٹا
کبوتر
کتا
کتاب
کدو
کرتا
کشتی
کمان
(کمانی)
کنجی
کنگھی
کوا
کواں
کوٹ (E)
کونا
کھال
کھڑکی
کھٹلی (E)
کھڑا

کیک (E)
کیل
کیلا
کیمرا (E)
(گ)
گاڑی (E)
گاوں
گاے (E)
گدا
گرجا
گردن
گلا
گلاس (E)
گھٹنا
گھر
گھڑا
گھڑی
گھلتا
گھوڑا
گھیر (نا)
(ل)
لائن (E)
لب
لباس

لڑکا
لفافہ
لکھر
لوٹا
لیمو (E)
(م)
مچھلی
مربع
مرغا
مسجد
مکھی
مندر
منہہ
مور
موزہ
میخ
میز
(ن)
ناخن
نارنگی
ناک
نالا
نقشا
نل

(و)

ورق

(ه)

هاته

هتوڑا

هڈی

هک (E)

هل

هونٹ

عام نام

(لمبا الف)

آب

آبرو

آپریشن (E)

آٹا

آداب

آدمی

آرام

آڑ نا

(آزادی)

آزمائش

آس

آسمان

آگ

آگا

آله

آمدنی

آندهی

آنسو

آواز

(چهوٹا الف)

اُبال (نا)

اُتار نا

اِتفاق

اثر

اُجالا

اچمبها

(اخبار)

ادب

اُدهار

(اُڑان)

اسکول

اشارا

اِشتهار

اسپتال (E)

افسوس

اقرار

امن

اندهیرا

اِنتظار

اِنصاف

اِنعام

اِنکار

اون

(ب)

باپ

بات

باجا

بارش

بازار (E)

باورچی

بچاو

(بچت)

بچا

بحث

(بدلا)

(بدلی)

بدن

برس

برف

بستر

(بکری)

بگاڑ نا

بل (E)
(بلاوا)
(بناو)
(بناوٹ)
(بنائي)
بند
بنیاد
بو
بول (نا)
بهار
(بهاو)
بهن
بهاگ (نا)
بهائي
(بهاو)
بیاج
بیان
بیاه (نا)
بیما
(پ)
پالش (E)
پاني
پتا
پتهر
پچهم

پردا
پروا
(پڑاو)
(پڑهائي)
پسند
پکڑ (نا)
پلنگ
پنیر
پودا
پورب
پهاڑ
پهلو
(پهیلاو)
پهیر (نا)
پیاس
پیار
پیتل
پیچها
(پیدائش)
(ت)
تال
تجارت
تجربه
تجویز
تربیت

ترتیب
ترکیب
تعلیم
تعریف
تفصیل
تقسیم
تلاش
تماشا
تمباکو (E)
تمیز
تن
توجه
تول (نا)
تهکن (آ)
(تیزاب)
تیل
(ٹ)
(ٹانکا)
ٹکڑا
ٹهوکر
(ٹهیراو)
ٹیکس (E)
(ج)
جا
جاڑا

جان
(جانور)
جرم
جزیرہ
جستا
جسم
جگائی
جگر
(جلن)
جمع
جلس
جنگ
جنگل
جو
جواب
جوان
جوت (نا)
جوڑ (نا)
جوش
جی (نا)
جیت (نا)
(چ)
(چال)
چاہ (نا)
چاندی
چاول

چٹنی (E)
(چڑھاو)
(چڑھائی)
چکر
چلن
چمڑا
چمک (نا)
چنا
(چناؤ)
چوٹ
چوٹی
چوکھٹ
چھاپ (نا)
چھال
چھلکا
چھوٹ
چھید (نا)
چھینک (نا)
چیخ
چیز
(ح)
حال
حد
حرف
حرکت
حس
حساب

حصہ
حفاظت
حق
حکم
حکومت
حملہ
حواس
(خ)
خاصیت
خاطر
خاک
خانہ
خاندان
خواہش
خبر
ختم
خدا
خدمت
خرچ
خرید (نا)
خزاں
خط
خوراک
(خوشی)
خون
خیال

(د)
دال
دام
دانہ
دائرہ
(دباو)
درجہ
درخواست
درد
دریا
دریافت
دشمن
دکن
دکھ
(دکھاوا)
دلیل
دم
دین
دنیا
دوا
دوپٹا
دوپہر
دودھ
دوڑ (نا)
دوست
دولت

دھات
دھرم
دھکا
(دھلائی)
دھن
دھواں
(دھوبی)
دھیان
دیس
دین
دیہات
(ڈ)
ڈال (نا)
ڈر (نا)
ڈور
ڈھانچا
ڈھیر
(ذ)
ذات
ذکر
ذلت
ذمہ
(ر)
رات
راج
راجا

راز
راگ
رانگا
رانی
رائے
رجحان
رخ
رسم
رسید (E)
رشتہ
رقم
رکارڈ (E)
رکاو
(رکاوٹ)
رنج
رنگ
رواج
روح
روز
روشنی
روک (نا)
روٹی
ریت
ریشم
(ز)
زخم

زمانہ
زمین
زندگی
زور
زہر
(س)
سامنا
سائنس
سائیس
سایہ
سبب
سبزی
سبق
سبھا
سچ
سزا
سطح
سفر
سکت
سکرٹری (E)
سکنڈ
سلام
سلامتی
(سلائی)
سماج
سمجھ (نا)

سمندر
سوار
سوال
سوت
سوچ (نا)
سوسائٹی (E)
سونا
(ش)
شادی
شخص
شرارت
شرافت
شرم (آنا)
شروع
شعر
شعلہ
شک
شکایت
شکر
شکریہ
شکل
شمال
شور
شوربا
(ص)
صابن

صبح
صفت
صفحہ
صورت
(ض)
ضرورت
(ط)
طب
طرف
طریقہ
طے
(ظ)
ظلم
(ع)
عزت
عزیز
عقل
عقیدہ
علم
عمارت
عمر
عمل
عورت
(غ)
غسل
غصہ

(ف)
فاصله
فائده
فرش (E)
(فرمائش)
فسانه (E)
فکر
فن
فهرست
فیصله
(ق)
قابو
قاعده
قانون
قبضه
قدرت
قدم
قرض
قسم
قسم
قوم
قید
(قیدخانه)
قیمت
(ک)
کاپي (E)

کات (نا)
کار
کاربار
کاغذ
کاک (E)
کام
کبڈي
کپڑا
(کتائی)
(کرتوت)
کرن
(کرسی)
کسان
(کشش)
کف (E)
(کمائي)
کمیڈي (E)
کمرا
کمیٹی (E)
کنارا
کنبا
کوٹھا
کوشش
کوئلا
(کهانی)
(کهاوت)

کهانسي
(کهدائي)
(کهنچاو)
کهیل نا
کهیت .
(گ)
گانٹهر (E)
گٹهلي
گرفت (E)
گروه (E)
گڑھا
گذر
گلا
گنتی
گورنمنٹ (E)
گوشت
(گهاٹا)
گهاس
گهن
گهی
گهیر (نا)
گیت
گیهوں
(ل)
لاکهه
(لاگ)

(لاگت)
لچک (نا)
(لڑائی)
لسٹ (E)
لکڑی
(لگاو)
(لگاوٹ)
(لگن)
لو
لوگ
لوہا
لہر (آنا)
لیڈی
(م)
مادہ (E)
مار (نا)
مال
(مالا)
ماں
مالک
مانگ (نا)
متھائی
مٹی
مثال
مجلس
محبت
محصول
مدد
مذاق
مذہب
مربا
مرد
مرن (آ)
مروت
مزا
مزاج
مزدور
مشرق
مشین (E)
مطلب
معدہ
مغرب
مفت
مقدار
مقابلہ
مقام
مکھن
ملک
ملکیت
من (نا)
مدت (E)
منزل
منشی
منظر
موافق
موت
موج
موڑ (نا)
موسم (E)
موقع
موم
مہر
مہینا
میٹنگ (E)
میدان
(میل)
میل (E)
مینیجر (E)
(ن)
ناپ (نا)
ناچ (نا)
(ناری) (ص)
نام (E)
نتیجہ
نثر
نچوڑ (نا)
ندی
نشان (E)

نشست
نظام
نظر
نظم
نفرت
نفع
نقش
نقصان
نقطہ
نقل
نکال نا
نمائندہ
نمبر (E)
نمک
نوٹ (E)
نوک
نوکر
نہان (آ)
نہند
(و)
واقعہ
وجہ
وزن
وطن
وفا
وقت

(ہ)
ہار
ہاضمہ
ہتھیار
ہڈّی
ہستی
ہنر
ہمت
ہنسی
ہوا
ہوش
(ی)
یاد
یار
یقین

صفتیں

(الف)
اُجلا - میلا
آزاد - غلام
آسان - مشکل
آسمانی
اچھا - برا
ادھورا - پورا
اصلی - نقلی

اکیلا
امیر - غریب
اونچا - نیچا
(ب)
باریک - موٹا
باطنی - ظاہری
باقی - فانی
بایاں - دایاں
بد - خوش
برا - اچھا
برابر
بڑا
بس
بھاری - ہلکا
بھرا - خالی
بھلا - برا
بے عقل - عقلمند
بیمار
(پ)
پاس - دور
پتلا - موٹا ، گاڑھا
پرانا - نیا
پہلا - پچھلا
پورا - ادھورا
پوشیدہ - علانیہ
پھیکا

پیارا
پیدا (ظاہر)
(ت)
تاریک (E) - روشن
تر - خشک
ترچھا - سیدھا
تنگ ڈھیلا
تھوڑا - بہت
تیز - سست
(ٹ)
ٹھنڈا - گرم
ٹھوس
ٹھیک - غلط
ٹیڑھا - سیدھا
(ج)
جدا - ملا
جلدی
(چ)
چپ
چپٹا
چکنا - کھردرا
چوڑا - لمبا
چوکور - (مربع)
چھوٹا - بڑا
(خ)
خاص - عام

خاکی (E)
خالص
خالی - بھرا
خاموش
خراب - اچھا
خشک - تر
خفیہ - علانیہ
خوب - تھوڑا
خوش
(د)
دایاں - بایاں
دبلا - موٹا
دلیر
دوبارا
دور - نزدیک
(ڈ)
ڈھلوان - برابر
ڈھیلا - تنگ
(ر)
روشن - تاریک
(ز)
زرد
(س)
سادا
سب - کچھ
سدا

سخت - نرم
سرخ
سست - تیز
سستا - مہنگا
سفید - کالا
سلامت
سنجیدہ
سیاہ
سیدھا
(ص)
صاف - میلا
صحیح - غلط
(ض)
ضروری
(ط)
(طبی)
طبعی
(ظ)
ظاہر - باطن
(ع)
عام - خاص
عجیب
عقلمند - (بےعقل)
علانیہ - خفیہ
(غ)
غریب - امیر

فلام - آزاد
غلط - صحیح
(ف)
فاني - باقي
(ق)
قابل
قریب - دور
(ک)
کافي
کالا - سفید
کچھ
کڑوا
کل - کچھ
کم - زیادہ
(کمزور - مضبوط
کنوارا - (بیاها)
کھٹا
کھرا - کھوٹا
کھلا - بند
کھوٹا - کھرا
(گ)
گاڑھا - پتلا
گرم - سرد
گول
(ل)
لال
لمبا

(م)
مادہ - نر
مخالف - موافق
مشکل - آسان
مضبوط - (کمزور)
معمولي
ممکن
موافق - مخالف
موٹا دبلا
مهربان
مهنگا - سستا
میٹھا
میلا - اُجلا - صاف
(ن)
نارنجي
نازک
نجی
(نڈر)
نر - مادہ
نرم - سخت
نزدیک - دور
نقلي - اصلي
نو - پرانا
نیا - پرانا
نیچا - اونچا
نیلا

(ہ)
ہرا
ہلکا - بھاری

وہ لفظ جن سے کام معلوم هوتے هیں

(الف)
آزمانا
آنا
اُبلنا
اُترنا
اُٹھنا
اُچھلنا
اُڑنا
(ب)
بانٹنا
بتانا
بجنا
بچھنا
بدلنا
بڑھنا
بننا
بولنا
بونا
بھاگنا
بھرنا
بھیجنا

بھیگنا
بیٹھنا
بیچنا
(پ)
پانا
پڑنا
پڑھنا
پکڑنا
پکنا
پلٹنا
پھٹنا
پھرنا
پھینکنا
پھیلنا
پیسنا
پینا
(ت)
توڑنا
تولنا
تھرنا
(ٹ)
ٹانکنا
ٹوٹنا
ٹھیرنا
(ج)
جانا

جاننا
جگنا
جلنا
جمنا
جھکنا
جینا
(چ)
چڑھنا
چکنا
چننا
چھوٹنا
چھوڑنا
چھونا
چھینا
(ر)
رکنا
رکھنا
رونا
رہنا
(س)
سکنا
سمجھنا
سننا
سوچنا
سونا
سہنا

سیکھنا
سینا
(ش)
شرمانا
(ک)
کاٹنا
کاتنا
کچلنا
کرنا
کمانا
کہنا
کھانا
کھلنا
کھودنا
کھونا
کھینچنا
(گ)
گانا
گرنا
گننا
گھٹنا
(ل)
لانا
لڑنا
لگنا
لیٹنا
لینا

(م)
ماننا
مرنا
ملنا
ملانا
(ن)
نہانا (غسل کرنا)

زمانہ ، جگہ بتانے والے
اور ملانے والے حرف ،
اور اشارے وغیرہ

(الف)
آپ
آج
(آج کل)
آخر
آس پاس
آگے
آہ !
آہا !
آیا
(آئے دن)
اب
اب ھي (ابھي)
اپنا
اِتنا
(اِتنا سا)
اُتنا
(اُتنا سا)
اچانک
اِدھر اُدھر
اِس
(اِس لیے)
اِسے
اُس
اُسے
اُف
(اکیلے)
اگر
ارے
البتہ
اِن
اُن
اندر
اِنھیں
اُنھیں
اوپر
اور
اے
ایسا
(ب)
بار
بارے میں
با وجود
باہر
بس
بعد
بالکل
بلکہ
بہرحال
بھر
بھي
بے
بیچ
(پ)
پار
پر
پرسوں
پہ
پھر
پیچھے
(ت)
تب
تک
تو

تو
تم
تمہارا
تمہیں
تیرا
(ج)
جب
جتنا
جدھر
جس
جسے
جن
جنہیں
جو
جوں
(جوں ہی)
جوں کا توں
جہاں
جی
جیسا
(چ)
چاہے
چوں کہ
(ح)
حضور

(خ)
(خاص کر)
خود
(د)
دار
(ذ)
ذرا
(ر)
رہے
(س)
سا
سوائے
سہی
سے
(ش)
شاید
(ص)
صرف
(ض)
ضرور
(ط)
طرح
طرف
(ع)
علاوہ

(ف)
فوراً
(ک)
کا
کب
(کبھی)
کتنا
کچھ
کدھر
کر (کے)
کس
کسی
کن
کو
کون
کوئی
کہ
کہاں
کہیں
کیا
کیسا
کیوں
(کیوں کر)
(ل)
لہذا

لیے
لیکن
(م)
مارے
مجھ
مجھے
مگر
میرا
میں
میں
(ن)
نا
نہ
نہیں

(نہیں تو)
(و)
واسطے
والا
واہ
وو (وہ)
وہاں
وہیں
ویسا
(ہ)
ہاں
ہر
ہم

ہمارا
ہمیشہ
ہمیں
ہي
(ي)
یا
یعني
یوں
(یوں ہي)
یہ (یے)
یہاں
یہي
یہیں
(یے یہ)

ناپ ، تول ، گنتي ، سکے اور جنتري

اِن بنیادي لفظوں کے ساتھ ساتھ، اور بہت سے لفظ ہیں جو سیکھنے والے کو آساني سے یاد ہوسکتے ہیں - وہ یہ ہیں :—

ناپ | ہندوستان میں ہر جگہ ناپنے تولنے کے قاعدے الگ الگ ہیں جب سے یورپ والے یہاں آنے جانے لگے اور ہندوستان کي تجارت بڑھي ، ناپ تول میں یورپین اور انگریزي لفظ چل نکلے - وہي بنیادي ہندستاني میں بھي کام آ سکتے ہیں - زمین اور کھیتوں کي ناپ کے لیے بیگھا بسوا اور لمبائي ناپنے کے لیے اُنگل ، بالشت ، ہاتھ اور گز بھي کام میں آتا ہے - بہنے والي چیزوں کي ناپ میں بھي یورپین ناپ ہي کا اِستعمال ہوتا ہے -

تول — اِسي طرح تولنے میں کہیں مقامي تول سے کام چلتا هے اور کہیں انگریزي تول استعمال هوتي هے - عام چلن تولہ ' چھٹانک پاو ' سیر ' پنسیری ' اور من کا هے - تولے کا وزن ایک روپئے کے برابر هوتا هے - قیمتي چیزوں کے تولنے کے لیے دوسرے وزن هیں - جیسے چاول' رتي' ماشہ'

گنتي — عام طریقے پر سارے هندوستان میں گنتي ایک هي هے - اگر اِسے رومن (یا لیٹن) خط میں لکھیں' تو سب سمجھ سکتے هیں لیکن بولنے کا طریقہ هر جگہ الگ هے- هندستاني طریقہ یہ هے ؛

ایک ' دو ' تین ' چار ' پانچ ' چھ ' سات ' آٹھ ' نو ' دس - گیارہ ' بارہ ' تیرہ ' چودہ ' پندرہ ' سولہ ' سترہ ' اٹھارہ اُنیس' بیس - اِکیس' بائیس تیئیس' چوبیس ' پچیس ' چھبیس ' ستائیس ' اٹھائیس ' اُنتیس ' تیس- اِکتیس' بتیس' تینتیس' چونتیس' پینتیس' چھتیس' سینتیس' اڑتیس اُنتالیس' چالیس - اِکتالیس' بیالیس' تینتالیس' چوالیس' پینتالیس ' چھیالیس' سینتالیس' اڑتالیس' اُنچاس' پچاس - اِکاون' باون' ترپن' چوون' پچپن' چھپن' ستاون' اٹھاون' اُنسٹھ' ساٹھ - اِکسٹھ' باسٹھ' ترسٹھ' چونسٹھ' پینسٹھ' چھیاسٹھ' سرسٹھ' اڑسٹھ' اُنہتر' ستر - اِکہتر' بہتر' تہتر' چوہتر' پچھتر' چھہتر' ستتر' اٹھتر' اُناسي' اسي - اِکاسي' بیاسي' تراسي' چوراسي' پچاسي' چھیاسي' ستاسي' اٹھاسي' نواسي' نوے - اِکانوے' بانوے' ترانوے' چورانوے' پچانوے' چھیانوے' ستانوے' اٹھانوے' ننانوے' سو - هزار - دس هزار - لاکھ - دس لاکھ (ملین) - کرور - دس کرور -

سکے — هندوستان میں کرنسي (نوٹ اور دھاتوں کے سکے چلتے هیں - سب سے چھوٹا تانبے کا سکہ پائي هے - تین پائي کا ایک پیسہ ' دو پیسوں کا ایک ادھنا ' جو نکل کا هوتا هے - اِکنّي چار پیسے کي هوتي هے - چار پیسوں کو ایک آنہ کہتے هیں - دونّي میں دو آنے' چونّی میں چار آنے اور اَٹھنّي میں آٹھ آنے ملتے هیں - دو اٹھنیوں کا ایک روپیہ هوتا هے یعنی ایک روپیہ سولہ آنے کا هوتا هے - کاغذی نوٹ ایک روپے' دو روپے' پانچ روپے' دس روپے ' سو روپے اور اُس سے زیادہ کے هوتے هیں -

جنتری | عام طریقے پر انگریزي کلنڈر (جنتری ' کا رواج ھے - وقت بھي انگریزی ھے - لیکن دنوں کے نام ھندستاني ھیں' اور انگریزی مہینوں کے بولنے کا طریقہ بھي ھندستانی ھے - ھندستاني دن یہ ھیں : پیر ' منگل ' بدھ' جمعرات' جمعہ' سنیچر' اِتوار -

---

کل صوبائی لفظ

بنیادی ھندستاني کے سو میں ستر لفظ ھندستان کے ھر صوبے میں سمجھے جاتے ھیں - یہی نہیں بلکہ ھزاروں ھندستاني لفظ اور محاورے ھر صوبے میں بولے جاتے ھیں - اگر وھاں کے رھنے والے یہ جان لیں کہ اِن لفظوں کے "بولنے کا ھندستانی طریقہ" کیا ھے' تو وہ بہت آسانی سے نہ صرف بنیادي بلکہ معمولي ھندستاني زبان کو سمجھ سکتے ھیں - ھم ایسے لفظوں کي فہرستیں جمع کر رھے ھیں -

البتہ لکھي ھوئي کتابوں کے پڑھنے میں اُنھیں مشکل کا سامنا ھوگا - اِس لیے کہ ھر جگہ اُردو اور دیوناگری خطوں کا رواج نہیں ھے - لیکن لیٹن خط ھر جگہ پھیلا ھوا ھے' اور ھندستان کے باھر بھي یہی خط کام دیتا ھے- اِس لیے اگر ھماری عام کتابیں لیٹن خط میں چھپوا دی جائیں' تو ھندستان اور ھندستان سے باھر کے لوگ بہت جلد ھندستاني زبان بولنے اور لکھنے لگیں -

مثال کے لیے ھم ھندستان کي تین زبانوں کے کچھ کچھ لفظ نیچے لکھتے ھیں - اِس سے معلوم ھو جائے گا کہ ھندستاني زبان ھندوستان کي دور دور کي بولیوں پر کس طرح قبضہ کیے ھوئے ھے - ھم تین زبانوں کو چنتے ھیں - (۱) پشتو' جو منجھم دیس سے بہت دور مغرب میں ھے (۲) بنگلہ' جو منجھم دیس سے اُتنی ھي دور پورب میں بولي جاتي ھے (۳) تلنگي (یا تلگو) جو نہ صرف دراوڑ زبان ھے' بلکہ اپنے قریب کي بولیوں سے بھي بالکل الگ تھلگ ھے ' اور دکھن میں بولي جاتي ھے -

بنگله زبان کا هندستاني سے گہرا رشته هے- رسالهٔ اُردو (جنوري ۱۹۲۸ع) میں هم اِس پر بہت کچھہ لکھہ چکے هیں - هماري درخواست پر ڈاکٹر پٹھابي سیتا رمیه ، ممبر کانگرس ورکنگ کمیٹي نے بہت دنوں کی محنت کے بعد تلنگی زبان سے هندستانی لفظ چن لیے تھے - اِس کي ایک لمبي فہرست همارے پاس موجود هے - جو بنیادی ڈکشنری ، لفظ کي کتاب کے پچھلے حصے میں ملا دی جاوے گي -

پشتو کے کچھہ هندستاني لفظ | زور - توپ - آزاد - چھٹي - خبر - مور (ماں) - برور (برادر) - نام - غوا (گاے) - مخ (مکھہ - منہ) کار - اے (هے) - سور (سرخ) - سخر (خسر) - مذ (مجھہ، هم) - قلم - دوات - دوه (دو) - درے (تین) - اتا (آٹھہ) - نه (نو - لس (دس) - سل (سو) - زر (هزار) - لک - کروڑ - نوکر - بس (کافي) - زمکا (زمین) - ڈز (گولي چلانا) - دالان - بل ڈل بالنا ، جلانا) - کول (کرنا) - منل (ماننا - پهچان ول (پہچاننا -

بنگله کے کچھہ هندستاني لفظ | بهنڈار - بابرچي کهانه - پیاله - چهوری چهت - دالان - دوات - کلم - پاجامه - پوشاک - جیب - چوڑي - بازی‌گر - جوهري - مجور (مزدور) - حلوهي کار - بدیشی - بهاڑا گاڑی - بندوک - کهر - کاگذ - شرط - سارنگ - کارتوج - موٹا - میلا - گلت ودیا - حساب - لمبا - اُستاد - افسوس - پاپوش - پیرهن - جانور - جاگهر - چشمه - حاضر - حضور حکیم - خرگوش - خیال - سوال - سردار - ضرور - طاق - الادا (علاحده) - درکار - نیلام - نرم - هجم (هضم) -

تلنگي کے کچھہ هندستاني لفظ | سوا - پاو - پچیس - نوجوان - اصلي - تالا - نمونه - اُلٹا - برابر - بس - برآمد - حاضر - حضور - امانت - سوال - ڈول - سڈول - عوض (آمدنی - محکمه - دفتر - برباد - ویاپار (بیوپار - کهجانا (خزانه) - کهرا - کهوٹي (کهوٹا) - جهگڑا - منصب - خاطر - دکان - چهاتي - تیار - نگدو (نقد - پهوڑا (پهڑا) - دهوان - بات چیت - چسچہ - پیشگہ -

---

کل‌قومي لفظ

هندستان کے آس پاس تین بڑی بڑي زبانوں کے بولنے والے آباد هیں - ایراني، عربي، اور مغلئي - مغلئی زبانوں میں ملاءی، برمي، چیني، تبتی زبانیں هیں - هندستان کے لیے کل‌قومي (International) لفظ وهي هوں گے، جو ایشیاءی قوموں میں سب قومیں سمجھتي هوں - لیکن افسوس یہ هے کہ همارا بہت کچھ تجارتي یا حکومتي کام یورپ سے هے - اِسي لیے ایشیاءی، خاص‌کر مغلئي زبانوں کے نئے لفظ همارے سامنے نہیں آتے، اور کل‌قومي نہیں بنتے -

یورپ اور امریکا کے ملکوں میں جو لوگ آتے جاتے هیں، وہ ایک دوسرے کے بہت سے لفظ سمجھنے لگتے هیں - بنیادي انگریزي والوں نے اُنھیں کل قومي مانا هے - اُن میں سے بہت سے لفظ هندستان میں بھي سمجھے جاتے هیں - اُن کي فہرست نیچے دی جاتي هے، اگر ضرورت هو تو هم اُنھیں بھي هندستاني زبان میں ملا لیں :- -

الکحل، الومي‌نیم، آٹوموبائل، بینک، بار، بیف، بیئر، کلنڈر، کیمسٹ، چیک، چاکلیٹ، شوکولا)، کورس، سگرٹ، کلب، کافي، کالوني، ڈانس، اِنجنیر، گیس (گاز)، هوٹل - اِن فلوائنزا، لاوا، مادام، نکل، آوپرا، آرکسٹرا (ارقسطرا) پارافین، پارک، پاس پورٹ، پےٹنٹ، گراموفون، پیانو، پولیس، پوسٹ، پروگرام، پروپاگنڈا، ریڈیو، رستوران - سر (سري جناب)، اِسپورٹ، ٹیکسي، ٹي ٹیلیگرام، ٹیلیفون، ٹیریس، تھیٹر، تمباکو، یونی‌ورسٹي، سکي، زنک (جستا) - (کل گنتي پچاس) -

اِنھیں کے ساتھ ساتھ بارہ سائنسوں کے نام هیں : الجبرا، ارتھمیٹک بیالوجي، کیمسٹری، جغرافیا، جیالوجي، جیومٹري، میتھے مے ٹکس، فزکس، فزي‌آلوجي، سائي‌کالوجي، زوآلوجي - هندستاني زبان میں، اِن میں سے کئي کي هندستاني بنالي گئي هے - اِن کے علاوہ بارہ لفظ اور هیں جو ایک حد تک کل‌قومي مانے گئے هیں : کالج، ڈومنین، اِم بیسي (سفارت خانہ)،

امپائر (سام راج) امپیریل، کنگ ، میوزیم ، پریزیڈنٹ ، پرنس، پرنسس کوئن، رائل -

پچاس کل‌قومی لفظ ایسے هیں جو خاص خاص موقعوں پر کام میں لائے جاسکتے هیں - اور انگریزی کی بنیادی کتابوں میں بھی کہیں کہیں پائے جاتے هیں - پہلی چار بنیادی کتابیں جو هم نے لکھی هیں ان میں یہ لفظ بالکل استعمال نہیں کئے گئے - وہ یہ هیں :-

امونیا ، اسبستاس ، بیلے، کیفے، شمپین ، شوفر ، سرکس، سگرون ، کاک‌ٹیل ، کوناک ، ڈائی‌ناماٹٹ ، انسائکلوپیڈیا ، گلیسرین، هامی‌نا ، های‌جین، هسٹیریا ، ایلفرنو، جاز، لکر، مکارونی، ملیریا، میے‌نیا، نکوٹین، آلو، اوم‌لیٹ، اوپیم، پیراڈائز ، پن‌گوئن، پلیٹی‌نم، پوٹاش، پیجاماز، پرامڈ، کونین، ریڈیم، ریفےرن‌ڈم، رهیومےٹزم، رم‌سلاد، ساردن، تاپی‌اوکا، ٹوسٹ، ٹارپیڈو، ونلاوایولن، ویزا، ووڈکا، وولٹ، زیرا -

سائنس کے بنیادی لفظ

عام اور کل‌قومی لفظوں سے هر طرح کا کام لیا جاسکتا هے - ریڈیو کی بات چیت، ڈراما، کہانی، تاریخ (قوموں کی کہانی)، بچوں اور بوڑھوں کی تعلیم، کھیل کود اور سوشل یا سماجی کاموں، تجارت اور سائنس کے بیانوں کے لیے اوپر لکھے هوئے لفظ بالکل کافی هیں - لیکن خاص خاص سائنسوں کے لیے سو دو سو لفظوں کو بڑھانا ضروری هوگا - بنیادی انگریزی میں یہ کام اس طرح کیا گیا هے کہ صرف سو لفظ بڑھائے هیں - یہ عام سائنس کے لفظ هیں، جو هر سائنس میں کام میں لائے جاسکتے هیں، جیسے: کاربن، سل (خانہ)، چارج، سرکٹ، کاٹل، ڈیسی‌مل، آکسی‌جن، سوڈا، سلفر، ویلو، وج (پچر)، یی س ٹ (خمیر)، زیرو (صفر) - ان میں سے بہت سے لفظوں کی هندستانی بن سکتی هے لیکن جو لوگ سائنس کی دن دونی رات چوگنی ترقی کو جانتے هیں وہ کہتے هیں کہ سائنس کے یوروپین لفظوں کو جوں کا توں لے لینا چاهیے - هندستانی نہ بنانا چاهیے - ورنہ هم بہت پیچھے رہ جائیں گے - هم اس خیال سے اتفاق کرتے هیں -

ان سو لفظوں کے علاوہ هر خاص سائنس کے لیے پچاس پچاس لفظ اور بڑھا لیے جاتے هیں - اِس پر امریکا میں خاص طور پر کام هو رها هے -

بنیادی گرامر

هندستانی زبان کی گرامر (زبان کے قاعدے) هندوستان والوں کے لیے بہت آسان هے - هندستانی زبان اِس طرح بنی هے کہ دوسرے ملکوں کے لوگ تھوڑی سی محنت میں اسے سیکھہ سکتے هیں - یہ قاعدے هم نے ایک کتاب میں الگ لکھہ دیے هیں - ان میں سے خاص خاص یہ هیں :-

(۱) هندستانی میں کچھہ نام اور صفتیں نر هوتی هیں اور کچھہ ناری مادہ -

(۲) اگر ایک (واحد) کو کئی (جمع) بنانا چاهیں تو اُس کے بھی خاص قاعدے هیں -

(۳) "کام" (فعل) اور ناموں کی جگہ جو لفظ لائے جاتے هیں "(یعنی ضمیریں)" اُن کا پورا "پھیر" یعنی "گردان" سیکھنا چاهیے

بنیادی محاورے

محاورے (پھیلے هوئے معنی یا خاص معنی) دو طرح کے هوتے هیں- ایک تو وہ جو لفظوں کے ملانے سے بنتے هیں اور اُن کے معنی بھی صاف هوتے هیں، سمجھانے کی ضرورت نہیں هوتی جیسے، هاتھہ سے :—همارے هاتھہ میں هے (همارے قبضے میں هے) - همارے هاتھہ لگا (همیں ملا) - هاتھہ سے جاتا رها (نقصان هوگیا) - لیکن کچھہ ایسے محاورے بھی هیں جو هندستانی نہ جاننے والے کو سمجھانے پڑیں گے، جیسے : هاتھہ پتھر کے نیچے دبنا، هاتھہ اُٹھانا ، هاتھہ چھوڑنا، هاتھہ رکھنا، هاتھہ پر هاتھہ رکھے هوئے بیٹھنا - هاتھہ صاف کرنا، هاتھہ ملنا، هاتھوں هاتھہ لینا، هاتھہ کا سچا- ایسے محاوروں کو عام کتابوں میں اِستعمال کرکے سکھایا جاتا هے - اور اُن کو پڑھنے اور بولنے سے اُن کا مطلب دل میں جم جاتا هے -

بنیادی هندستانی کے فائدے

لکھنا بہت هے، لیکن جگہ کم هے- اِس لیے صرف تھوڑی سی باتوں پر یہ بیان ختم کیا جاتا هے -

(۱) اگر هم بنیادي هندستانی کو عام تعلیم کے لیے مان لیں تو همارے اسکول کے بچوں اور عام پڑھنے والوں کے دماغوں سے پانچ لاکھ لفظوں کا بوجھ هٹ جائے گا اور صرف بارہ تیرہ سو لفظوں کے اُلٹ پھیر سے پوری هندستانی زبان کا کام چل جائے گا - اور هر ایک سائنس یا علم و فن کے لیے صرف ایک سو عام' اور پچاس خاص لفظ بڑھانے پڑیں گے -

(۲) هندوستان کے دور دور کے صوبے ملجھہ دیس کی زبان بہت آسانی سے سیکھہ لیں گے - اور ان کے لیے لیٹن یا اُن هی کے صوبے کا خط کام میں لایا جائے' تو هندي اُردو کا جھگڑا بھي بے معني هوجائے گا -

(۳) هندستاني ایک کل‌قومی زبان هے - اگر "بنیادي هندستاني" کو لیٹن خط میں لکھا جائے' تو یہ زبان یورپ اور امریکا میں بھي آساني سے پھیل سکتی هے -

(۴) جو لوگ معمولي یا عام هندستاني سیکھنا چاهیں گے اُن کے لیے بنیادي هندستاني سے زیادہ اچھا اور کوئي طریقہ نہیں هوسکتا -

مداوا

مداوا از فرقت کاکوروی، بی اے - یوسفی پریس لکھنئو، جنوری ۱۹۴۴ع
قیمت چار روپیہ

جناب مولف نے (جن کا اسم گرامی، تخلص سامی سے عیاں ہے) اس کتاب کو "ان ناترقی پسندوں کے نام" سے معنون کیا ہے "جو ترقی پسندوں کو بدنام کرتے ہیں" کتاب کے شروع میں مولانا عبدالماجد صاحب دریاآبادی کا پیش لفظ اور مولانا سید اختر علی صاحب تلہری کا ایک مقدمہ ہے - یہ دونوں ۱۲ صفحوں پر حاوی ہیں - اس کے بعد کتاب کی شان نزول ۱۲ صفحوں میں بیان ہوئی ہے - پھر ۲۷ سے ۷۰ تک ترقی پسند شاعروں کے متعلق مزاحیہ مضامین ہیں - ان "مضامین نو کا انبار" صفحہ ۲۱۲ تک لگایا گیا ہے، جن میں تاثیر، میراجی، راشد، فیض اور منصور جالندھری کے کلام کی نقل اور ان پر طنز یہ نقد کیا گیا ہے - پھر ۱۵ صفحوں میں چند اہل ادب بزرگوں کے "پیغامات" ہیں، اور سب سے آخر میں ان شعرا پر چند مشہور اور مہتمم بالشان بزرگوں کے "تنقیدی مضامین" ہیں، اور کتاب ۲۱۴ صفحوں میں ختم ہوئی ہے -

یہ تمام مجموعہ جمع "یوں ہوا" ہے کہ جناب مولف اور ان کے چند شعر و شاعری کے مبصر احباب کے مابین آج کل کے ترقی پسند افسانہ‌نگاروں اور شاعروں کے بارے میں کچھ مذاکرہ ہوا - اس مقالے کے ایک اہم رکن نے فی‌البدیہہ ایک نظم لکھ کر پیش کی، جسے وہ ترقی پسند شاعروں کے کلام کا نمونہ سمجھتے تھے اور جو لکھنئو کے روزنامۂ حقیقت میں شائع بھی ہوچکی ہے - اس مقالے کے بعد مولف صاحب کو "یہ خیال بھی ہوا کہ ترقی پسند اور آزاد شاعری کے بارے میں اردو کے کچھ مشہور و ممتاز ادیبوں کی رائے بھی حاصل" کرلیں - چنانچہ وہ "ان حضرات سے خود ملے یا انہیں خط لکھے، اور انہوں نے اپنے گراں‌مایہ خیالات قلمبند کردیے - ان کی قیمتی رائیں اس مجموعے میں درج" ہوئی ہیں -

حالیہ اردو شاعری میں ''ترقی پسندی'' کی یہ لہر ابھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ اٹھی ہے' اور اس کی عمر ابھی بارہ چودہ برس سے زیادہ نہیں ہے - لیکن جس سرعت اور شدت سے یہ اٹھی اور پھیلی ہے' اور جس خوبی کے ساتھ اس نے نوجوانوں کے ذہن و فکر کو اپنے سیلاب میں غرق کردیا ہے- وہ زمانۂ حال کے ہر شعبے کی ''ترقی'' کا ایک نمونہ ہے - یہ ایک جدید تحریک ہے' اور اس کے بانی اور محرک ہمارے یورپی' خاص کر روسی' اساتذۂکرام ہیں - لہذا اس تحریک پر لبیک کہنا اور اس کی علمبرداری اور رایتافرازی کرنا ہمارے ملک کے جوان طبقے کے لیے قریب قریب لازمی سا ہے - روس کی امامت سیاست ہی میں نہیں شعر و ادب میں بھی مسلم ہے - اس کے فکر و عمل کا خلاصہ لفظ ''انقلاب'' میں مرکوز ہے: اور یہ انقلاب اگر زندگی کے ہر شعبے میں اور قوم کے تمام حرکات و سکنات میں نہ ہوا تو انقلاب ہی کیا ہوا - جوانی خود ہی مترادف ہے آزادگی' آزادمشربی' آزادوضعی اور آزادخیالی کا - پھر اگر حال کے نوجوانوں نے اس آزادہروی کو ترقیپسندی کا نام دے کر اپنے افکار کی اشاعت ایک اس خاص جدید انداز پر شروع کی ہے' تو نہ جاےحیرت ہے نہ مقامافسوس - یہ ایک بالکل فطری امر ہے' اور اسی طرح ملک و قوم کے ''بزرگوں'' کا اس روش کو بے راہروی قرار دینا بھی عین تقاضاے فطرت ہے' اور یہ بھی نہ کسی طرح باعث حیرت ہے نہ قابلافسوس - جوانوں اور بزرگوں کی یہ روش اور یہ انداز سلوک لامحالہ مقابلے و مباهلے کی صورت اختیار کرلیتا ہے- چنانچہ اردو کے متعدد رسالے ترقیپسند ادیبوں اور شاعروں کے افکار و اقوال پر موافق اور مخالف دونوں قسم کے مقالات شائع کرتے رہتے ہیں - یہ اور اس قبیل کی بحثیں بھی وقت کے تقاضے اور ضرورت کے مطابق ہیں -

مداوا نے مزاح اور نقد دونوں کو جمع کیا ہے - مزاح' حریف کو زک دینے کا ایک اچھا حربہ ضرور ہے' لیکن سنجیدہ طبائع کی نگاہ میں خفیف اور اوچھا بھی ہے - مزاح کا سنجیدگی اور شائستگی کی حد سے نکل کر ابتذال اور هزل تک پہنچ جانا بہت آسان ہے لہذا نقد اور ایراد و اعتراض کے لیے یہ اسلوب مناسب و محمود نہیں قرار دیا جاسکتا نقد کے باب میں جن بزرگوں کی رائیں کتاب میں درج کی گئی ہیں وہ بلا شبہہ اهلرا ے ہیں اور لحاظ

کے مستحق ہیں - اِن سب کے مطالعے کے بعد یہ نتائج مترتب ہوتے ہیں : (۱) ترقي پسند شاعری کئي لحاظ سے قابل اعتراض اور سخیف ہے ، (۲) ترقي پسندوں کو اعتدال سے کام لینا چاہیے ؛ (۳) تماشائیوں کو مداهنت نہیں بلکہ رفق سے سلوک چاهیے -

اِس میں شک نہیں ہے کہ مداوا اب تک ابنی نوعیت کي واحد کتاب ہے، لیکن اچھا ہوتا کہ اس میں مزاح کا باب یا تو سرے سے ہی نہ ہوتا، یا اس میں طعن، طنز، تعلت اور تہکم کا جو طرز اختیار کیا گیا ہے اُس میں ادبي سنجیدگي اور شایستگي کا پورا پورا لحاظ رکھا جاتا - اسی طرح یہ بھي زیادہ مناسب ہوتا اگر "پیغامات" اور "تنقیدی مضامین" کے عنوانوں کے تحت چند اور اهل راے بزرگوں کي رائیں بھي شامل کردي جاتیں، خواہ وہ نقد محض مخالفین ہی کے قلم سے ہوتا، جیسا کہ اس کتاب کا مقصد عیاں طور پر نظر آتا ہے - موجودہ صورت میں بھي ان عنوانون کے مضامین ہر لحاظ سے قابل غور ہیں، اور فاضل مؤلف کي محنت قابل داد ضرور ہے -

کاش کہ "موسم جنگ" کا عذر موجود نہ ہوتا جس نے کتاب کی لکھائي چھپائی اور قیمت پر بجا اعتراض کي جگہ تنگ کردی ہے - معلوم نہیں یہ امور ترقي پسند شمار ہوں گے یا رجعت پسند، لیکن ان میں ترقي کی گنجائش ضرور باقي ہے -

مداوا ، دید کے قابل ضرور ہے، خواہ وہ "آخر شب میں بسمل کي تڑپ" هي کیوں نہ معلوم ہو -

(محمد نعیم الرحمان)

نہیر
لہکر
اس
کے ہر
اس
لہذا
ہمار
سیاس
خلاص
اور قر
خود ہ
اگر ح
اشاعت
مقام‌اف
"بزرگور
یہ بہی
یہ روش
ہے۔ چنا
پر موافق
قبول کی

کا ایک ا
اوچہا ہو
اور ہزل ؟
اسلوب م
کی رائق

اسوسی ایٹ ممبری هندستانی اکیڈمی یو-پی

الہ آباد کے قواعد

رکنیت : قاعدہ نمبر ۱۲ -- (الف) اسوسی ایٹ ممبر رکن رفیق بنلنے کے لیے یہ طریقہ ہوگا کہ کونسل کا کوئی ممبر ایسے شخص کا نام تجویز کرے گا اور دوسرا ممبر اس کی تائید کرے گا تجویز کا یہ فارم جنرل سکریٹری کے پاس بھیجا جائے گا اور وہ اسے اکزکیوتیو کمیٹی (مجلس عاملہ کے سامنے ضروری کارروائی کے لیے پیش کرے گا -

چندہ : قاعدہ نمبر ۱۲ -- ب' رکن رفیق (اسوسی ایٹ ممبر) سالانہ تین روپیے چندہ دیگا-اگر وہ یکمشت پچاس روپیہ چندہ اداکردے تو اسے آئندہ چندہ دینے کی ضرورت نہ ہوگی-

حقوق و مراعات : قاعدہ نمبر ۱۲- (ج) - رکن رفیق کو اکیڈمی کا رسالہ هندستانی (اردو یا هندی اڈیشن) بلا قیمت ملے گا اور دوسری مطبوعات اُن کو رعایتی قیمتوں پر ملیں گی جو اکزکیوتیو کمیٹی (مجلس عاملہ وقتاً فوقتاً متعین کرے گی -

(د) رکن رفیق کو کونسل کے جلسوں میں موجود رهنے کا حق هوگا' لیکن اُسے جلسے میں ووٹ دینے یا اُسے مخاطب کرنے کا حق نہ ہوگا -

(ہ) جب اسوسی ایٹ ممبروں کی تعداد سو تک پہنچ جائے گی تو اُن کو حق ہوگا - کہ وہ ایک ممبر کو کونسل کی پوری ممبری کے لیے اپنا نمائندہ چن سکیں گے - اور جب اُن کی تعداد دو سوتک پہنچ جائے گی - تو وہ دو نمائندے چن سکیں گے - جب اُن کی تعداد تین سو تک پہنچ جائے گی تو وہ تین نمائندے چن سکیں گے - اور جب اُن کی تعداد چار سو یا اس سے زیادہ ہوجائے گی تو وہ اپنی تعداد میں سے چار نمائندے چن سکیں گے -

ہندستانی اکیڈمی یو-پی کی اسوسی ایٹ ممبری

ہندستانی اکیڈمی کا نیا نظام قائم ہو گیا ہے اور جلد اپنا کام شروع کرنے والی ہے۔ غالباً اس کے نئے آئین کا نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس کی کونسل میں اس صوبے کی پانچ یونیورسٹیوں کے نمائندے بھی شریک ہوں گے اور اس صوبے کے ساتھ ساتھ دوسرے مقامات کی مشہور علمی مجلسوں کے ... بھی ... شریک کئے جائیں گے۔ اس ادارے کو حقیقی معنوں میں وسیع بنیادوں پر قائم کرنے اور علمی مجلسوں اور ... ان کی نمائندہ جماعت بنانے کے لئے یہ صورت ... کی گئی ہے کہ اس کی کونسل میں ان اصحاب کو بھی نمائندگی حاصل ہو ... اسوسی ایٹ ممبر (رکن رفیق) بن جائیں۔

مارچ ۱۹۴۳ء میں اکیڈمی کے صدر ڈاکٹر رائے راجیشور بلی نے فرمایا تھا کہ "میں عام پڑھنے والوں میں اکیڈمی کے لیے زیادہ جوش وخروش پیدا کرنا چاہتا ہوں اور نہ صرف یہ کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اس کے اغراض و مقاصد میں گرم جوشی سے دلچسپی لیں بلکہ اس کے پروگرام میں بھی عملی حصہ لیں اور اس کی نشو و نما میں رکن رفیق بن کر وہ بھی شریک ہوسکتے ہیں" پھر انہوں نے زور دے کر فرمایا کہ "میں آپ حضرات سے درخواست کروں گا کہ آپ اکیڈمی کے ایجنٹ بن جائیں اور جہاں تک ممکن ہو زیادہ سے زیادہ ممبر بنائیں۔ مجھے اس وقت تک اطمینان نہ ہوگا جب تک کہ کم از کم دو تین ہزار ممبر جلد نہ بنا لیے جائیں۔ اس طرح آپ اکیڈمی کی دوگونہ خدمت کریں گے۔ آپ ہندی اور اردو کے شیدائیوں کو محسوس کرادیں گے کہ اکیڈمی صرف تین چار درجن آدمیوں کا ادارہ نہیں ہے بلکہ ان سب کا ہے۔ اور اسی کے ساتھ ساتھ آپ اکیڈمی کے لیے ایک معقول مالی اساس بھی تیار کردیں گے۔ ایسے ادارے جو ہمارے مانند ہیں نہ تو زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ انہیں صرف حکومت کی ... یقینی اور دوامی طور پر ناکافی امداد کے بھروسے پر زندہ رہنا چاہیے۔"

میں امید ہے کہ اس صوبے اور ... سے باہر کے وہ سب حضرات جو ... ادبیات سے دلچسپی رکھتے ہیں جناب ... کی اس اپیل پر توجہ فرمائیں اور ہندستانی اکیڈمی کے اسوسی ای... ... بن گے۔

... سالانہ چندہ صرف تین روپے ... ہے ... مخصوص ... حاصل ہیں۔ (گذشتہ صفحے پر اس کی تفصیلات درج ہو چکی ہیں)

پرنٹر ظہور حسین - کراؤن پریس الہ آباد - پبلشر — ڈاکٹر ام - حفیظ سید
ہندستانی اکیڈمی الہ آباد

ہندستانی

ہندستانی اکیڈیمی کا تماہی رسالہ

جنوری ۱۹۳۶ء

ہندستانی اکیڈیمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

سالانہ چندہ چار روپے

هندستانی جنوری سنہ ۱۹۳۶ع

* اڈیٹر : پیرزادہ عبدالباسط ایم - اے - ایل ایل - بی *

فہرست مضامین

جنہ

معذرت

ھمیں افسوس ھے کہ اس سال کا پہلا پرچہ یعني جنوري نمبر بعض ناگزیر اسباب سے دیر میں شائع ھورھا ھے اور اسي لئے اپریل کا پرچہ بھي کچھ دیر میں نکل سکے گا -

آئندہ اشاعتوں کیلئے کوشش کیجائیگی کہ وقت پر شائع ھوں -

عبدالباسط

مدیر

ہندستانی

ہندستانی اکیڈیمی کا تماہی رسالہ

جنوری	نیا سلسلہ جلد ۳ حصہ ۱	۱۹۴۶

مولانا محمد حسین آزاد اور دیوان ذوق

از پروفیسر محمود خاں شیرانی

(بسلسلۂ ہندستانی' اکتوبر — ۱۹۴۵ء)

رکاوٹ دل کی اس قاتل کے وقت ذبح ظاہر ہے
کہ خنجر ہے مری گردن پہ رک رک کر رواں ہوتا [متن ''ویران'']
رکاوٹ دل کی قاتل کے بوقت ذبح ظاہر تھی
کہ خنجر تھا مری گردن پہ رک رک کر رواں ہوتا [اصلاح ''آزاد'']
آنکھیں مری تلووں سے وہ مل جائے تو اچھا
ہے حسرت پابوس نکل جائے تو اچھا [متن ''ویران'']
آنکھیں مری تلووں سے وہ مل جائے تو اچھا
یہ حسرت پابوس نکل جائے تو اچھا [اصلاح ''آزاد'']
کھلنچے دل انساں کو نہ وہ زلف سیہ فام
اژدر کوئی انساں کو نگل جائے تو اچھا [متن ''ویران'']
کھلنچے دل انساں کو نہ وہ زلف سیہ فام
سانپ اسکو اگر آکے نگل جائے تو اچھا [اصلاح ''آزاد'']

تاثیر محبت عجب اک حب کا عمل هے
لیکن یه عمل یار په چل جاے تو اچها [متن "ویران"]
تاثیر محبت تو عجب حب کا عمل هے
لیکن یه عمل یار په چل جاے تو اچها [اصلاح "آزاد"]
سدا ملائک ، تسبیح‌خواں کو آوے رشک
جو میکدے میں سنیں شور هاے و هو میرا [متن "ویران"]
مقام وجد میں آئیں ابهي ملائک عرش
جو میکدے میں سنیں شور هاے و هو میرا [اصلاح "آزاد"]
فلک کا رنگ جو ایک سیاہ هے اس پر
پڑا تها سایۂ بخت سیه کبهو میرا [متن "ویران"]
نظر جو آتا هے ایک فلک کا رنگ سیاہ
پڑا تها سایۂ بخت سیه کبهو میرا [اصلاح "آزاد"]
پانو کب نکلے (۱) رکاب حلقۂ زنجیر سے
توسن وحشت همارا گرم جولاں هي رها [متن "ویران"]
حلقۂ زنجیر میں بهی دل رها پا در رکاب
توسن وحشت همارا گرم جولاں هي رها [اصلاح "آزاد"]
وہ هوں ناکام سمجها نامرادي جو مراد اپني
مرے مرقد په چله اس نے آ کر دوستاں باندها [متن "ویران"]
وہ هوں ناکام سمجها نامرادي جو مراد اپني
مرے مرقد په چله دشمنوں نے دوستاں باندها [اصلاح "آزاد"]
جهاں میں عرصۂ عشرت سے سوا دہ چند هے غم کا
اگر هو عید کا اک دن تو عشرہ هو محرم کا [متن "ولی"]
جهاں میں عرصۂ عشرت سے سوا دہ چند هے غم کا
کہ هے گر عید کا اک دن تو عشرہ هے محرم کا [اصلاح "آزاد"]

---

(۱) گلشن بےخار ص ۱۱۶ (طبع اردو اخبار پریس ۱۲۵۹ھ) میں 'نکلے' کی جگه 'نکلا' تحریر هے۔

کیا جانے تیغ عشق کی لذت کو بوالہوس
گو جوں ملخ وہ حلق بریدوں میں مل گیا [متن "ویران"]

لذت کو تیغ عشق کی سن سن کے بوالہوس
آ کر ملخ سا حلق بریدوں میں مل گیا [اصلاح "آزاد"]

یوں لائے واں سے ہم دل صد پارہ ڈھونڈھ کر
دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا اٹھا لیا [متن "ویران"]

یوں لائے واں سے ہم دل صد پارہ کرکے جمع
دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا اٹھا لیا [اصلاح "آزاد"]

کیوں تکبر بولتا یہ بندہ محکوم القضا
گر بڑا بول اپنا قاضی کا پیادہ جانتا [متن "ویران"]

بولتا بڑھ بڑھکے اتنا کیوں بشر مست غرور
گر بڑا بول اپنا قاضی کا پیادہ جانتا [اصلاح "آزاد"]

سرمہ ہے سفاک شہرہ ہے نگاہ یار کا
سچ کہا ہے باڑ کاٹے نام ہو تلوار کا [متن "ویران"]

قتل کرتی ہے نگہ شہرہ نگاہ یار کا کذا)
سچ کہا ہے باڑ کاٹے نام ہو تلوار کا [اصلاح "آزاد"]

محتسب شعلۂ آواز سے جل جاویگا
گرچہ ٹوٹا دل آتش‌نفس جام شراب [متن "ویران"]

محتسب شعلۂ آواز سے جل جائے گا
ٹوٹا گر اک دل آتش‌نفس جام شراب [اصلاح "آزاد"]

ہو برسوں ہجر وصل ہو گر ایک دم نصیب
کم ہوگا کوئی مجھ سا محبت میں کم نصیب [متن "ویران"]

ہو ہجر مدتوں جو ہو وصل ایک دم نصیب
کم ہوگا کوئی ہمسا بھی الفت میں کم نصیب [اصلاح "آزاد"]

محضر خوں جو مرا سارا کتر کر پھینکا
دیکھی اس ظلم کی محشر میں گواہی مقراض [متن "ویران"]

محضر خوں مرا سارا ہے کتر کر پھینکا
دیکھی اس ظلم کی محشر میں گواہی مقراض [اِصلاح "آزاد"]

پھر کر ادھر ادھر نہ ہمارا گیا قلق
لفظ قلق کی طرح سے وہ ہی رہا قلق [متن "ویران"]

پھر کر ادھر اُدھر بھی نہ اپنا گیا قلق
لفظ قلق کی طرح سے یوں ہی رہا قلق [اِصلاح "آزاد"]

صفحۂ دھر پہ یکدل نہوا ایک سے ایک
دل کے دو حرف ہیں سو وہ بھی جدا ایک سے ایک [متن "ویران"]

صفحۂ دھر پہ یکدل نہوا ایک سے ایک
دل کے دو حرف ہیں سو بھی ہے جدا ایک سے ایک [اِصلاح "آزاد"]

برنگ غنچۂ پیکان و غنچۂ تصویر
ندیکھا اپنا شگفتہ کسی بہار میں دل [متن "ویران"]

برنگ غنچۂ پیکان و غنچۂ تصویر
ہوا شگفتہ نہ اپنا کسی بہار میں دل [اِصلاح "آزاد"]

نیشتر جلکے نہ جوں کشتۂ فولاد ہو خاک
نکلے ہے آتش سودا سے مری لوہو گرم [متن "ویران"]

نیشتر جلکے وہیں کشتۂ فولاد ہوا
نکلا یہ آتش سودا سے مرا لوہو گرم [اِصلاح "آزاد"]

شورابۂ سرشک سے دھوتا ہے زخم دل
تیزاب میرے حق میں یہ مرہم سے کم نہیں [متن "ویران"]

شورابۂ سرشک میں ڈوبا ہوا ہے دل
تیزاب میرے زخم پہ مرہم سے کم نہیں [اِصلاح "آزاد"]

ہم ان کے زور کے قائل ہیں ہیں وہی شہ‌زور
جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں [متن ''ویران'']

ہم ان کے زور کے قائل ہیں - زور بازو میں
جو عشق میں دل مضطر کو تھام لیتے ہیں [اصلاح ''آزاد'']

فقط قمر ہی نہ داغی غلام ہے ان کا
وہ مول ایسے ہزاروں غلام لیتے ہیں [متن ''ویران'']

قمر کا داغ بھلا آئے کس حساب میں واں
وہ مول ایسے ہزاروں غلام لیتے ہیں [اصلاح ''آزاد'']

عشق کو نشو و نما منظور کب ہے ورنہ سبز
تخم اشک شمع ہو خاکستر پروانہ میں [متن ''ویران'']

عشق کو اے حسن اگر نشو و نما منظور ہو
سبز نخل شمع ہو خاکستر پروانہ میں [اصلاح ''آزاد'']

خواہ پھرتا ہے فلک اور خواہ پھرتی ہے زمیں
پر ہمارے واسطے یاں منزل راحت نہیں [متن ''ویران'']

خواہ گردش ہے زمیں کو خواہ پھرتا ہے فلک
پر ہمیں زیر فلک سر منزل راحت نہیں [اصلاح ''آزاد'']

اُس کے گھر لے چلا مجھے دیکھو
دل خانہ خراب کی باتیں [متن ''ویران'']

پھر مجھے لے چلا اُدھر دیکھو
دل خانہ خراب کی باتیں [اصلاح ''آزاد'']

یاد ہیں مہ‌جبیں کہ بھول گئے
وہ شب ماہتاب کی باتیں [متن ''ویران'']

مہ‌جبیں یاد ہیں کہ بھول گئے
وہ شب ماہتاب کی باتیں [اصلاح ''آزاد'']

راہ جنوں میں جلد اٹھاؤں جو میں قدم
پائے رفیق و همت رهبر کو توڑدوں [متن "دیوان"]

دشت جنوں سیر میں جو اٹھایا ذرا قدم
پائے رفیق و همت رهبر کو توڑ دوں [اصلاح "آزاد"]

هم اپنے جذبۂ دل کے اثر کو دیکھتے هیں
وہ پہلے بزم میں دیکھیں کدھر کو دیکھتے هیں [متن "دیوان"]

وہ دیکھیں بزم میں پہلے کدھر کو دیکھتے هیں
محبت آج ترے هم اثر کو دیکھتے هیں [اصلاح "آزاد"]

وہ روز همکو گذرتا هے جیسے عید کا دن
کبھی جو شکل تمهاری سحر کو دیکھتے هیں [متن "دیوان"]

وہ دن تو عید کا هوتا هے دن همارے لیے
تمهارا اٹھ کے جو منہ هم سحر کو دیکھتے هیں [اصلاح "آزاد"]

سایۂ سرو چمن تجھ بن ڈراتا هے مجھے (۱)
اژدھا بن بن کے شب اے رشک گلشن آب میں [متن "دیوان"]

سایۂ سرو چمن نے کیا ڈرایا هے مجھے
اژدھا بن بن کے شب اے رشک گلشن آب میں [اصلاح "آزاد"]

خط کو هم لکھنے جو بیٹھے آنکھ سے امڈے یہ اشک (۲)
بہ گیا خط گھلتے لکھتے مشق من آب میں [متن "دیوان"]

شب جو هم لکھنے کو بیٹھے آنکھ سے امڈے یہ اشک
بہ گیا خط لکھتے لکھتے مشق من آب میں [اصلاح "آزاد"]

هوں وہ شگفتہ دل کہ نہ دوزخ میں تنگ هوں
آهن کی طرح آگ میں بھی لالہ رنگ هوں (۳) [متن "دیوان"]

---

(۱) ص۱۱۷ گلشن بےخار میں اسی طرح درج هے۔
(۲) ص۱۱۸ گلشن بےخار میں بھی اسی طرح مرقوم هے۔
(۳) گلشن بیخار ص۱۲۴ میں مصرع دوم اسی طرح مرقوم هے۔

ہوں وہ شگفتہ دل کہ نہ فیروخ میں تنگ ہوں
آہن تو آگ میں ہوں مگر لالہ رنگ ہوں [اصلاح "آزاد"]
جو ہے سو پہلے میرے اٹھانیکی فکر میں (۱)
محفل میں اس کی کیا کوئی چوسر کا رنگ ہوں [متن "دیوان"]
ہیں سب سے پہلے مہرے اٹھانے کی فکر میں
محفل میں ان کی میں- کسی چوسر کا رنگ ہوں [اصلاح "آزاد"]
تو سے کہا جاؤ کہ جاں اپنی نکلنے پاوے (۲)
ہو بشرطیکہ ترے آنے کا بھروسا ہمکو [متن "دیوان"]
دم میں اب دم رہا اپنے جو ٹھہریں کوئی دم
ہاں مگر ہو ترے انے کا بھروسا ہم کو [اصلاح "آزاد"]
اب زباں پر بھی نہیں آتا کبھی الفت کا نام
اگلے مکتوبوں میں کچھ رسم کتابت ہر تو ہو [متن "دیوان"]
اب زباں پر بھی نہیں آتا کہیں الفت کا نام
اگلے مکتوبوں میں کچھ اس سے کتابت ہو تو ہو [اصلاح "آزاد"]
کرو دونو آنکھونکے طبقے یہ روشن کہ ہو ایک رشک مہ چاردہ تم
سنا ہے کہ تم نور سے اپنے کرتے منور بہ یک جلوہ چودہ طبق ہو [متن "دیوان"]
کرو دونو آنکھونکے طبقے یہ روشن - کہ ہو جاؤ رشک مہ چاردہ تم
سنا ہے کہ تم نور سے اپنے کرتے ۔ منور بہ یک جلوہ چودہ طبق ہو [اصلاح "آزاد"]
اے قاتل حلق بریدہ سے - اک شعلۂ دل جو سرکش ہو
تو روشن حلقۂ جیب سے اپنے دیکھ تنور آتش ہو [متن "دیوان"]
اے قاتل حلق بریدہ سے اک شعلۂ دل گر سرکش ہو
تو روشن حلقۂ جیب کا میرے- مثل تنور آتش [اصلاح "آزاد"]
گو فلک آہ کو پہنچوں میں تو سرمۂ دود دل سے پھر
سب صفحۂ ماہ منور کا جوں سیلۂ باز منقش ہو [متن "دیوان"]

(۱ ص۳۴۳ ؛ گلشن بیخار میں بھی مصرع اول کا یہی متن درج ہے-
(۲ طبقات الشعراء کریم الدین (ص ۱ ۳۶) میں بھی یوں ہی ملتا ہے ۔

گر کلک آہ کو گردش دوں تو دودۂ شمع دل سے مرے
طاؤس فلک کا سینہ ابھی جوں سینۂ باز ملقش ہو [اصلاح "آزاد"]

جب ضعف سے مجھ کو غش آیا تو طنز سے کہا وہ کہتا ہے
بس غش نکرو معلوم ہوا کچھ مرنے پر تم حد غش ہو [متن "ویران"]

جب ضعف سے مجھ کو غش آیا تو طنز سے وہ کہا کہتا ہے
بس غش نکرو ہم جان گئے تم مرنے پر از حد غش ہو [اصلاح "آزاد"]

اک خون کا دریا جذب کیا ہے خاک کوے قاتل نے
ہاں دفن کو ایسے کشتوں کے ایسی ہی زمین دلکش ہو [متن "ویران"]

کیا خون کے دریا جذب کیے ہیں خاک کوچۂ قاتل نے
مدفن کو بھی * اُس کے ستم‌کش کے ایسی ہی زمین دلکش ہو [اصلاح "آزاد"]

اس بحر میں کیا برجستہ غزل اے ذوق یہ تملے لکھی ہے
ہاں وزن کو جس کے سنکر شاداں روح خلیل و اخفش ہو [متن "ویران"]

کیا رجز کو کر مقطوع و مرفل تملے یہ غزل لکھی ہے
ذوق اس کی بحر کو سنکر شاداں روح خلیل واخفش ہو [اصلاح "آزاد"]

اثر وہ ہے مری وحشت کا پتھر جس سے مضطر ہو
نگیں پر نام گر لکھ دوں نکل کر گھر سے باہر ہو [متن "ویران"]

مری تاثیر وحشت وہ ہے مضطر جس سے پتھر ہو
نگیں پر نام لکھ دوں تو نکل کے گھر سے باہر ہو [اصلاح "آزاد"]

ترا مجنون تفتہ دشت میں آتش قدم گر ہو
جلا دے زیر پا گر خار مژگاں سمندر ہو [متن "ویران"]

ترا دیوانۂ دل‌سوختہ آتش قدم گر ہو
جلا دے زیر پا گر خار مژگاں سمندر ہو [اصلاح "آزاد"]

رہائی قتل پر موقوف ہو گر ہم اسیروں کی
روانی تیغ کی پابستۂ زنجیر جوہر ہو [متن "ویران"]

رہائی قتل پر موقوف ہو گر ہم اسیروں کی
روانی تیغ میں وابستۂ زنجیر جوہر ہو [اصلاح "آزاد"]

---

* "بھی" زائد از وزن ہے۔

هستی تنکیے مایه نے کچھ پھونکا ہے ایسا
ابھرے ہے حباب لب یم اور زیادہ [متن "دیوان"]
هستی تنکے مایه جو پھونکے گی اسی طرح
ابھریگا حباب لب یم اور زیادہ [اصلاح "آزاد"]
ہے سوز محبت سے مری خاک میں گرمی
کھونکو نہ اٹھاوے وہ قدم اور زیادہ [متن "دیوان"]
کرتی ہے مری خاک جلاکر مجھے پامال
کھونکو نہ اٹھاوے وہ قدم اور زیادہ [اصلاح "آزاد"]
ہے رونق نظاره مرے گریہ میں لے چشم
بھڑکے ہے جو یوں آتش غم اور زیادہ [متن "دیوان"]
آخر مٹے عشق آنکھوں سے ٹپکائے کسی نے
بھڑکے ہے جو یوں آتش غم اور زیادہ [اصلاح "آزاد"]
چالیس قدم ساتھ وہ تابوت کے آئے
کیا ہو جو بڑھیں چند قدم اور زیادہ [متن "دیوان"]
جاتا ہے شہیدان محبت کا جنازہ
دو تم بھی اٹھا چند قدم اور زیادہ [اصلاح "آزاد"]
سرعت ہے ابھی نبض میں جوں موج دم برق
کیا ہوگا جو ہوگی تپ غم اور زیادہ [متن "دیوان"]
یارب یہ مری نبض ہے یا موج دم برق
کیا ہوگا جو ہوگی تپ غم اور زیادہ [اصلاح "آزاد"]
اے شمع ایک چور ہے بادی نسیم صبح
مارے ہے کوئی دم میں ترے تاج زر پہ ہاتھ [متن "دیوان"]
اے شمع دیکھ بزم فنا میں سنبھل کے بیٹھ
مارے گی دم میں صبح ترے تاج زر پہ ہاتھ [اصلاح "آزاد"]
قاتل کبھی نہ تو نے اٹھائے ہزار حیف
آ کر مزار کشتۂ تیغ نظر پہ ہاتھ [متن "دیوان"]

قاتل ہے کیا ستم کہ اٹھاتا نہیں کوئی
آکر مزار کشتۂ تیغ نظر پہ ہاتھ [اصلاح "آزاد"]
جو دیکھے اس کو تھام کے دل بیٹھ جائے ذوق
جب ناز سے کھڑا ہو وہ رکھ کر کمر پہ ہاتھ [متن "ویران"]
اے ذوق میں تو بیٹھ گیا دل کو تھام کر
اس ناز سے کھڑے تھے وہ رکھے کمر پہ ہاتھ [اصلاح "آزاد"]
روز آفتیں نئی ہیں دل پر محن کے ساتھ
جب دیکھو زخم تازہ ہے زخم کہن کے ساتھ [متن "ویران"]
روز آفتیں نئی ہیں دل پر محن کے ساتھ
اک زخم تازہ روز ہے زخم کہن کے ساتھ [اصلاح "آزاد"]
ناخن ندے خدا تجھے اے پنجۂ جنوں
ٹکڑے اڑا دے مجسم کے تو پیرہن کے ساتھ [متن "ویران"]
دست جنوں نہ دے تجھے ناخن خدا کہ تو
ٹکڑے اڑا دے تن کے مرے پیرہن کے ساتھ [اصلاح "آزاد"]
پایا دز اثر نہ کہیں رات بھر پھری
سر مارتی یہ آہ سپہر کہن کے ساتھ [متن "ویران"]
پایا در اثر نہ پھر شب کو آہ نے
سر مارتی پھری ہے سپہر کہن کے ساتھ [اصلاح "آزاد"]
اللہ رے تاب حسن کہ اس کا دز بلاق
چشمک زنی کرے ہے سہیل یمن کے ساتھ [متن "ویران"]
لب پر ترے چسپیدے کنی بوند اے عقیق لب
چشمک زنی کرے ہے سہیل یمن کے ساتھ [اصلاح "آزاد"]
تورے پلاکیں اژدر دوزخ کو کھینچ لیں
اک آتشیں کمند دل شعلہ زن کے ساتھ [متن "ویران"]
دل وہ بلا ہے اژدر دوزخ کو کھینچ لے
مارے اگر کمند دم شعلہ زن کے ساتھ [اصلاح "آزاد"]
ممکن نہیں ہے ذوق علائق سے چھوٹنا
جب تک کہ روح کو ہے تعلق بدن کے ساتھ [متن "ویران"]

مشکل ہے ذوق دام علائق سے چھوٹنا
جب تک کہ روح کو ہے علاقہ بدن کے ساتھ [اصلاح "آزاد"]

ملا جو پھر نے عطر اُسکو واں تو رشک سے یاں
لکھریں مٹکئیں ہاتوں کی ملتے ملتے ہاتھ [متن "دیوان"]

ملا جو پھر نے عطر اُسکو واں تو یاں میری
لکھریں مٹ گئیں ہاتھوں کی ملتے ملتے ہاتھ [اصلاح "آزاد"]

جو چھیڑے برق کے شعلے کو تیرا سوختہ جاں
تو وہ کہے کہ لگا تو نہ جلتے جلتے ہاتھ [متن "دیوان"]

جو چھیڑے برق کو یہ تفتہ جاں تو کہتی ہے
کہ دیکھو مجکو لگانا نہ جلتے جلتے ہاتھ [اصلاح "آزاد"]

فقیر وجد میں گر ہاتھ اٹھائے عالم سے
تو پونچھے عرش پہ وہ کودتے اچھلتے ہاتھ [متن "دیوان"]

اٹھائے وجد میں جب ہاتھ ہم نے عالم سے
تو پہنچے عرش تلک کودتے اچھلتے ہاتھ [اصلاح "آزاد"]

رواں ہوتا ہے اس بستاں سرا سے کارواں گل
چٹکنے کو صبا غنچے کے آواز درا سمجھے [متن "دیوان"]

کہو بلبل سے چلتا کارواں ہے نکہت گل کا
چمن باد صبا سمجھے کہ آواز درا سمجھے [اصلاح "آزاد"]

ندی رخصت نظر کو میری جانب کیوں تغافل سے
اسے بھی آپ کیا میرا ہی بخت نارسا سمجھے (۱) [متن "دیوان"]

نگاہ لطف ان کی جب نہ باز آئی تغافل سے
ہم اس کی نارسائی اپنا بخت نارسا سمجھے [اصلاح "آزاد"]

محبت سے ذرا گر موم ہو اس دل شکن کا دل
دل شکستہ میرا اپنے حق میں کیمیا سمجھے [متن "دیوان"]

---

(۱) یہ شعر گلشن بیخار (ص۱۱۵) میں اسی طرح ملتا ہے۔ کریم الدین نے (ص۳۶۰) مصرع اول میں "کیوں مری جانب" لکھا ہے۔

ہوا جب گرمی الفت سے موم اس دلشکن کا دل
تو اس نے دل شکستہ اپنے حق میں کیمیا سمجھے [اصلاح "آزاد"]

بجھیگا سوز دل اے گریہ پل میں آب تو دے
وگر ہے آگ میں دینا یوں ہی عذاب تو دے [متن "ویران"]

بجھاتا گریہ ہے گر سوز دل کو آب تو دے
اور آگ میں یونہی دینا ہے گر عذاب تو دے [اصلاح "آزاد"]

گزرنے گریہ مرے سر سے اتنا آب تو دے
کہ سر پہ چرخ بھی دکھلائی جوں حباب تو دے [متن "ویران"]

الٰہی چشم کے چشمے کو اتنا آب تو دے
کہ سر پہ چرخ بھی دکھلائی جوں حباب تو دے [اصلاح "آزاد"]

رکھے ہے حوصلہ دریا کب اہل نعمت کا
نہیں یہ اتنا کہ بھر کاسۂ حباب تو دے (۱) [متن "ویران"]

ہماری آنکھ سے ہم چشم ہوگا کیا دریا
کسی کو بھرکے ذرا کاسۂ حباب تو دے [اصلاح "آزاد"]

شوخ قاتل کو مرے کیا چاہیے رنگ پان
خون اعجاز مسیحا سے لب اس کا لال ہے (۲) [متن "ویران"]

شوخی قاتل کرے آلودہ کیوں منہ پان سے
خون اعجاز مسیحا سے لب اس کا لال ہے [اصلاح "آزاد"]

کھل گیا مضمون شکست دل کا بن خط کے پڑھے
نامہ بر کا اس قدر اپنے شکستہ حال ہے (۳) [متن "ویران"]

پوچھتے کیا ہو شکست دل کو صورت دیکھ لو
نامہ ہے چیں برجبیں قاصد شکستہ حال ہے

کھل گیا مضمون شکست دل کا بے خط کے کھلے
نامہ بر کا اس قدر اپنے شکستہ حال ہے [اصلاح "آزاد"]

---

(۱) یہ شعر گلشن بیخار (ص ۱۱۹) میں بھی اسی طرح آیا ہے۔
(۲) شعر هذا گلشن بےخار میں (ص ۱۲۱) بالکل انہی الفاظ میں آیا ہے۔
(۳) گلشن بے خار (ص ۱۲۲) میں بھی الفاظ ہیں۔

مری خاکستر اڑی تھی جس سے گردوں سب جلے
اس میں کچھ اخگر جو باقی تھے سو وہ کوکب بنے [متن "دیوان"]
مری خاکستر اڑی تھی اس سے گردوں سب جلے
اس میں کچھ اخگر بھی باقی تھے سو وہ کوکب بنے [اصلاح "آزاد"]

خال اے خورشید رو رخ پر تمہارے جب بنے
تیرہ بختان محبت سوختہ کوکب بنے [متن "دیوان"]
خال اے خورشید رو رخ پر تمہارے کب بنے
تیرہ رو آکر افق پر سوختہ کوکب بنے [اصلاح "آزاد"]

عشق تعلیم نیاز و ناز یک جا کیونکہ ہو
گر نہ مجنوں آن کر لیلی کا ہم مکتب بنے [متن "دیوان"]
کیونکہ تعلیم نیاز و ناز ہو یک جا بہم
گر نہ مجنوں آن کر لیلی کا ہم مکتب بنے [اصلاح "آزاد"]

جو نہوں عقدے کبھی جوں غنچۂ تصویر وا
وائے قسمت وہ ہمارے عقدۂ مطلب بنے [متن "دیوان"]
غنچۂ تصویر بھی کھل کر جو عقدے وا نہوں
ہائے قسمت وہ ہمارے عقدۂ مطلب بنے [اصلاح "آزاد"]

ترے سجدۂ در سے جبیں ہو خاک آلودہ
نہ پونچھیں حور جس کو اے پری رخسار دامن سے [متن "دیوان"]
تمہارے جلوۂ رخ کے جو بسمل خاک پر لوٹیں
تو پریاں آکے پونچھیں اے پری رخسار دامن سے [اصلاح "آزاد"]

ہوا بے پردہ بھی ہم سے تو اس نے یوں کیا پردہ
بنایا درمیاں اک پردۂ دیوار دامن سے [متن "دیوان"]
ہوا بے پردہ وہ پردہ نشیں تو یوں کیا پردہ
بنایا درمیاں اک پردۂ دیوار دامن سے [اصلاح "آزاد"]

وہی زیبا ہے اس کے واسطے جو قطع ہے جس کی
نکل سکتا ہے کوئی آستیں کا کار دامن سے [متن "دیوان"]
وہی زیبا ہے جس کے واسطے جو قطع ہے اس پر
نکل سکتا ہے کوئی آستیں کا کار دامن سے [اصلاح "آزاد"]

پھروں کھلتے ہوئے کوسوں میں اپنے زور وحشت سے
اگر بلدلا جائے میرے دامن کہسار دامن سے [متن "ویران"]

پھروں کھلتے ہوئے کوسوں میں اپنے زور وحشت میں
ذرا تم باندھ دیکھو دامن کہسار دامن سے [اصلاح "آزاد"]

جلھنگے آتش رنگ حنائے پا سے گھر کتنے
ملا پلکھا جو وقت گرمی رفتار دامن سے [متن "ویران"]

جلھنگے آتش رنگ حنائے پا سے گھر کتنے
دکھائینگے ادا جب گرمی رفتار دامن سے [اصلاح "آزاد"]

دکھائے صدمۂ زنجیر نے یہ پانو مجنوں کے
کہ اک صدمہ سا پہنچے ہے دم رفتار دامن سے [متن "ویران"]

دکھائے صدمۂ زنجیر نے یہ پانو مجنوں کے
کہ صدمہ دل پہ ہوتا ہے دم رفتار دامن سے [اصلاح "آزاد"]

ہوا پلکھے کی خواب آور ہے یہ کیا ایک جنبش میں
کرے سو فتنۂ خوابیدہ وہ بیدار دامن سے [متن "ویران"]

ہوا پلکھے کی خواب آور ہے پر وہ ایک جنبش میں
کریں سو فتنۂ خوابیدہ کو بیدار دامن سے [اصلاح "آزاد"]

نگاہ بوالہوس آندھی ہے تیری خاک اڑانیکو
چھپا لے تو چراغ شعلۂ رخسار دامن سے [متن "ویران"]

نگاہ بوالہوس آندھی ہے تیری خاک اڑانیکو
چھپا لے اے پریرو شعلۂ رخسار دامن سے [اصلاح "آزاد"]

اشکوں میں بہے جاتے ہیں ہم سوے در یار
مقصود رہ کعبہ ہے دریا کے سفر سے [متن "ویران"]

اشکوں میں جو ہیں بہ کے چلے ہم بہ سوے دوست
مقصود رہ کعبہ ہے دریا کے سفر سے [اصلاح "آزاد"]

اف گرمی وحشت کہ مری ٹھوکروں ہی میں
پتھر ہیں پہاڑوں سکے اڑے جاتے شرر سے [متن "ویران"]

اللہ رے وحشت کہ مری ٹھوکروں ہی میں
پتھر ہیں پہاڑوں کے اڑے جاتے شرر سے [اصلاح "آزاد"]

کشتہ ہوں میں کس چشم سیہ مست کا یارب
ٹپکے ہے جو مستی مری تربت کے شجر سے [متن "ویران"]

کشتہ ہوں میں کس چشم سیہ مست کا یارب
مستی ہے ٹپکتی مری تربت کے شجر سے [اصلاح "آزاد"]

اے ذوق کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا
بہتر ہے ملاقات مسیحا و خضر سے [متن "ویران"]

اے ذوق رہ عشق میں ہے خضر و مسیحا
ہمدم جو نکل آئے کوئی گرد سفر سے [اصلاح "آزاد"]

کہئے کیا کیا ہیں دیکھ تو اظہار
یار تیری حکایتوں سے مجھے [متن "ویران"]

کیا کہوں کم رہے ہیں کیا کیا کچھ
پھر تیری حکایتوں سے مجھے [اصلاح "آزاد"]

یہ بھی تقدیر کا لکھا کہ لکھے
خط وہ کن کن کنایتوں سے مجھے [متن "ویران"]

بات قسمت کی ہے کہ لکھتے ہیں
خط وہ کن کن کنایتوں سے مجھے [اصلاح "آزاد"]

کر نہ گریہ میں تو کمی اے چشم
شوق کہتا ہے کنایتوں سے مجھے [متن "ویران"]

کہدو اشکوں سے کیوں ہو کرتے کمی
شوق کہتا ہے کنایتوں سے مجھے [اصلاح "آزاد"]

شعلہ بھڑکے نہ کیونکہ محفل میں
شمع تجھ بن ہوا سے لڑتی ہے [متن "ویران"]

شعلہ بھڑکے کا کیا بھلا سوز بزم
شمع تجھ بن ہوا سے لڑتی ہے [اصلاح "آزاد"]

نہیں مژگاں کی دو صفیں گویا
اک بلا اک بلا سے لڑتی ہے [متن "ویران"]

صف مژگاں تری خدا کی پناہ
اک بلا اک بلا سے لڑتی ہے [اصلاح "آزاد"]

واہ کیا کیا طبیعت اپنی بھی
عشق میں ابتدا سے لڑتی ہے [متن "ویران"]

آپ کہتے ہو کیا طبیعت کو
عشق میں ابتدا سے لڑتی ہے [اصلاح "آزاد"]

سچ ہے الحرب خدعة اے ذوق
نگہ اُس کی دغا سے لڑتی ہے [متن "ویران"]

ذوق دنیا ہے مکر کا میداں
نگہ اس کی دغا سے لڑتی ہے [اصلاح "آزاد"]

اس بت‌کدے میں کون ہے کافر ترے سوا
تو آپھی بت پرست و بت و بت تراش ہے [متن "ویران"]

اس بتکدے میں کون ہے کافر ترے سوا
تو بت‌پرست بت بھی ہے اور بت تراش ہے [اصلاح "آزاد"]

ہوتے وہاں دوش نہیں کشتگان عشق
اُڑ جاتی ٹھوکروں ہی میں عاشق کی لاش ہے [متن "ویران"]

ہوتی وہاں دوش نہیں عاشقوں کی خاک
اُڑ جاتی ٹھوکروں میں تری اُن کی لاش ہے [اصلاح "آزاد"]

لبریز صد نشاط برنگ ہلال عید
سینے میں میرے ناخن غم کی خراش ہے [متن "ویران"]

لبریز صد نشاط ہے مثل ہلال عید
سینے میں وہ جو ناخن غم کی خراش ہے [اصلاح "آزاد"]

برندہ ایک تیغ معروف سے بھی سوا
اس کج‌ادا نے اور نکالی تراش ہے [متن "دیوان"]

برش میں اب تو خنجر خمدار سے بھی تیز
اس شوخ کج‌ادا نے نکالی تراش ہے [اِصلاح "آزاد"]

عیسیٰ بھی گر ہے پاس تو ممکن نہیں شفا
خورشید کو وہ تپ ہے فلک پر لگی ہوئی [متن "دیوان"]

عیسیٰ بھی پاس ہے نہیں ممکن مگر شفا
خورشید کو وہ تپ ہے فلک پر لگی ہوئی [اِصلاح "آزاد"]

دیکھکر اس کو گیا عالم حیرت میں تو میں
لیک میں کیا کہوں اس عالم حیرت کے مزے [متن "دیوان"]

دیکھکر اس کو گیا عالم حیرت میں تو میں
پر بیاں کیا کروں اس عالم حیرت کے مزے [اِصلاح "آزاد"]

غنچہ خنداں ہو نہ کیوں کرکے زر اپنا برباد
کہ اڑانے ہی میں دولت کے ہیں دولت کے مزے [متن "دیوان"]

پھول گلشن میں ہنسے کرکے زر اپنا برباد
کہ اڑانے ہی میں دولت کے ہیں دولت کے مزے [اِصلاح "آزاد"]

ابر و باراں کے نہ کیوں لطف اٹھائیں میخوار
کہ اڑاتے ہیں گنہگار ہی رحمت کے مزے [متن "دیوان"]

ابر و باراں کے مزے کیونکہ نہ لوٹیں مے خوار
کہ اڑاتے ہیں گنہگار ہی رحمت کے مزے [اِصلاح "آزاد"]

بےمزاجی کو کریں لاکھ ترے ظلم و ستم
بھولنے کے نہیں وہ پہلی عنایت کے مزے [متن "دیوان"]

بےمزاجی کو کریں لاکھ ترے ظلم و ستم
پر نہیں بھولتے وہ پہلی عنایت کے مزے [اِصلاح "آزاد"]

ھے جوھر کمال پہ ننگا اگر فقیر
ھے تیغ تیز ننگ ھے اس کو غلاف سے [متن ''ویران'']
ھو جوھر کمال پہ ننگا جو خاکسار
اک تیغ ھے کہ ننگ ھے اس کو غلاف سے [اِصلاح ''آزاد'']

گذری ھے مشق سینۂ‌شگافی میں عمر چرخ
اس کلک تیر نالۂ گردوں شگاف سے [متن ''ویران'']
گذری ھے مشق سینۂ‌شگافی میں اے قلم
عاشق کی عمر نالۂ گردوں شگاف سے [اِصلاح ''آزاد'']

کیا تماشا ھے کہ مثل مہ نو اپنا فروغ
جانتے اپنی حقارت کو ھیں شہرت والے [متن ''ویران'']
کیا تماشا ھے کہ مثل مہ نو دے کے فروغ
خودنمائی کو ھیں چمکا رھے شہرت والے [اِصلاح ''آزاد'']

چھوڑ دیتے ھیں قلم جوں قلم آتش باز
میری شرح تپش دل کی کتابت والے [متن ''ویران'']
چھوڑ دیتے ھیں قلم جوں قلم آتش بار
لکھ کے میری تپش دل کو کتابت والے [اِصلاح ''آزاد'']

جو ھے ستم و کینہ و بیداد غضب ھے
سر تا بقدم وہ ستم‌ایجاد غضب ھے [متن ''ویران'']
ھر ناز میں کرتا ستم‌ایجاد غضب ھے
سر تا بقدم وہ بت بیداد غضب ھے [اِصلاح ''آزاد'']

بلبل یہ ترے واسطے فریاد غضب ھے
فریاد نکر دیکھ کہ صیاد غضب ھے [متن ''ویران'']

اے بلبل نالاں تری فریاد غضب ھے
کر بات بھی آھستہ کہ صیاد غضب ھے [اِصلاح ''آزاد'']

کیوں غنچہ پریشاں ہو نہ ہوتے ہي شگفتہ
اس باغ میں ہونا ہی دل شاد غضب ہے [متن ''ویران'']
گلشن میں ابھي ہنس کے پریشاں ہوے اے گل
اس باغ میں آنا بہ دل شاد غضب ہے [اِصلاح ''آزاد'']
ہم چاہتے ہي تم کو گرے سب کي نظر سے
پہلے ہي سے اس چاہ کی افتاد غضب ہے [متن ''ویران'']
دل حسن کے یوسف سے جو ہونے لگا روشن
ہم سمجھے کہ اس چاہ کي افتاد غضب ہے [اِصلاح ''آزاد'']
اخوان شیاطیں ہیں یہ مست میء پندار
کیا حضرت آدم کی بھی اولاد غضب ہے [متن ''ویران'']
شیطاں بھي اماں مانگتا ہے ان کے عمل سے
کیا حضرت آدم کی بھی اولاد غضب ہے [اِصلاح ''آزاد'']
مرتے نہیں حوروں پہ تري طرح سے واعظ
ہم جسپہ ہیں عاشق وہ پریزاد غضب ہے [متن ''ویران'']
پریوں پہ تری طرح سے مرتے نہیں ہمدم
ہم جس پہ ہیں عاشق وہ پریزاد غضب ہے [اِصلاح ''آزاد'']
انجم سے رخ چرخ پہ بوندیں ہیں عرق کي
عاشق کی ترے گرمي فریاد غضب ہے [متن ''ویران'']
تارے یہ فلک پر ہیں کہ اڑتے ہیں شرارے
عاشق کي ترے گرمي فریاد غضب ہے [اِصلاح ''آزاد'']
قامت تو ترا کیا ہے سر سرو قیامت
طرہ بھي سر طرۂ شمشاد غضب ہے [متن ''ویران'']
قامت تو ترا سرو کے سر پر تھا قیامت
پر طرہ سر طرۂ شمشاد غضب ہے [اِصلاح ''آزاد'']
اگرچہ میں مر بھي جاؤنگا تو کھینگے جیتا ہے دم چرایا
وہ جب تلک اپنے آستانہ پہ میری تربت ندیکھ لیںگے [متن ''ویران'']
گذر بھی جاؤں گر اپنے جي سے کہینگے جیتا ہے جي چرایا
وہ جب تلک اپنے آستانے پہ میری تربت ندیکھ لیںگے [اِصلاح ''آزاد'']

کیا کہتے ہو آئینگے سر خاک شہیداں
کچھ فتنے اٹھانے ہوں مزاروں سے تو کہئے [متن "ویران"]
کیا کہئے گا اب اور سر خاک شہیداں
کچھ فتنے اٹھاتے ہوں مزاروں سے تو کہئے [اِصلاح "آزاد"]
ان دانتوں کو کیا موتیوں سے کہتے ہو ہم‌تاب
موتی نہیں کچھ مال ستاروں سے تو کہئے [متن "ویران"]
اس گوہر دنداں پہ اگر سوجھے کوئی بات
موتی تو ہیں کیا مال ستاروں سے تو کہئے [اِصلاح "آزاد"]
شانے کا دل چاک پسند آپکو آیا
کس واسطے ان سینہ‌فگاروں سے تو کہئے [متن "ویران"]
جس راہ سے شانہ ہے گیا زلف رسا میں
اس رستہ کو ان سینہ‌فگاروں سے تو کہئے [اِصلاح "آزاد"]
بڑھتی جاتی ہے جو مشق ستم اس ظالم کی
کچھ محبت مری اصلاح مگر دیتی ہے [متن "ویران"]
ناز و انداز تو ہیں اکرچکے سب مشق ستم
کچھ محبت مری اصلاح مگر دیتی ہے [اِصلاح "آزاد"]
دمبدم زخم پہ اک زخم ہے دم لینے کی
مجھکو فرصت تری کب تیغ نظر دیتی ہے [متن "ویران"]
کیا کرے حسرت دیدار کہ دم لینے کی
دل کو فرصت نہیں وہ تیغ نظر دیتی ہے [اِصلاح "آزاد"]
تپ دل شمع کی جب کم نہیں ہوتی ناچار
اس کو کافور سفیدی سحر دیتی ہے [متن "ویران"]
شمع گھبرا نہ تپ غم سے کہ اک دم میں ابھی
آکے کافور سفیدی سحر دیتی ہے
رات بھاری تھی سر شمع پہ سو ہو گذری
کیا طباشیر سفیدی سحر دیتی ہے [اِصلاح "آزاد"]
خانہ خرابیاں دل بیمار غم کی دیکھ
وہ ہی دوا خراب ہے جو خانہ‌ساز ہے [متن "ویران"]

خانہ خرابیاں دل بیمار غم کی ہائے
ہے وہ دوا خراب کہ جو خانہ‌ساز ہے [اِصلاح "آزاد"]

ڈرتا ہوں خنجر اُس کا نہ بہ جائے ہو کے آب
میرے گلے میں نالۂ آہن‌گداز ہے [متن "ویران"]

خنجر کہیں نہ یار کا بہ جاے ہو کے آب
میرے گلے میں نالۂ آہن‌گداز ہے [اِصلاح "آزاد"]

پہنچا ہے شب کمند لگا کر وہاں رقیب
سچ ہے حرامزادے کی رسی دراز ہے [متن "ویران"]

پہنچا ہے شب کمند لگا کر کہاں رقیب
دیکھو حرامزادے کی رسی دراز ہے [اِصلاح "آزاد"]

مداح خال روی بتاں ہوں مجھے خدا
بخشے تو کیا عجب کہ وہ نکتہ‌نواز ہے [متن "ویران"]

نقطے پہ خال روے بتاں کے مجھے خدا
بخشے تو کیا عجب کہ وہ نکتہ نواز ہے [اِصلاح "آزاد"]

اے ذوق اپنا سب پہ کھلے کیوں نہ راز عشق
ہر نالہ اک کلید در گنج راز ہے [متن "ویران"]

اے ذوق کیوں نہ سب پہ کھلے تیرا راز عشق
جو نالہ ہے کلید در گنج راز ہے [اِصلاح "آزاد"]

نہیں پرویں کہ یہ ہیں حقۂ پرویں میں ملک
لائے اُس عارض روشن سے پسینا بھر کے [متن "ویران"]

عقد پرویں یہ نہیں حقۂ پرویں میں ملک
لائے ہیں اس رخ روشن کا پسینا بھر کے [اِصلاح "آزاد"]

روز اُس گلشن رخسار سے لے جاتے ہیں گل
اپنے دامان نگہ مردم بینا بھرکے [متن "ویران"]

روز اس گلشن رخسار سے لے جاتے ہیں
اپنے دامان نظر مردم بینا بھر کے [اِصلاح "آزاد"]

تصور اس لب شیریں کا آجاوے اگر دل میں
تو آنسو ہو کے شربت خون ہو کر انکھیں نکلے [متن "ویران"]

رلائے گر تصور اس لب شیریں کا آنکھوں کو
تو آنسو هو کے شربت خون هو کر انگبیں نکلے [اِصلاح "آزاد"]

نهیں مژگاں پرخوں خار غم تھے دل نشیں نکلے
چلوں یہ نیشتر کیسے کہیں ڈوبے کہیں نکلے [متن "ویران"]

جو تھے مژگاں پرخوں سب وہ خار دل نشیں نکلے
چلوں یہ کیسے نشتر تھے کہیں ڈوبے کہیں نکلے [اِصلاح "آزاد"]

کیوں هم نے دیا دل تجھے او سنگ‌دل اپنا
کم بخت هم اس سخت گھڑی کو نهیں پاتے [متن "ویران"]

کیا وقت تھا وہ تجھ کو دیا دل تھا جو هم نے
اے سنگ دل اس سخت گھڑي کو نهیں پاتے [اِصلاح "آزاد"]

لیتے هیں شب وصل میں هم ان کے جو بوسے
وہ لب پہ سحر رنگ مسي کو نهیں پاتے [متن "ویران"]

لیتے هیں شب وصل میں اس لب کے یہ بوسے
هم لب پہ سحر رنگ مسي کو نهیں پاتے [اِصلاح "آزاد"]

میں ایسا کہیں گم هوں کہ یاران عدم بھي
گم هو کے مری گم‌شدگي کو نهیں پاتے [متن "ویران"]

میں ایسا هوا گم کہ عزیزان عدم بھي
گم هو کے مري گم‌شدگي کو نهیں پاتے [اِصلاح "آزاد"]

کھول دے آنکھیں دم ذبح ندیکھونگا تجھے
پر چھری اپني تو گردن پہ میں دیکھوں چلتي [متن "ویران"]

کھول دو آنکھوں سے پٹي نهیں دیکھونگا تمھیں
پر چھری اپني تو گردن پہ میں دیکھوں چلتي [اِصلاح "آزاد"]

جب میں دنیا سے چلا سر پہ یہ بولي حسرت
تو اکیلا نهیں همرہ ترے میں هوں چلتي [متن "ویران"]

جب میں دنیا سے چلا سر پہ یہ بولي حسرت
تو اکیلا نهیں میں ساتھ ترے هوں چلتي [اِصلاح "آزاد"]

چلتے گو دیکھے هے ساحل کو سوار کشتي
پر حقیقت میں هے کشتي سر جیحوں چلتي [متن "ویران"]

سمجھے ہے راکب کشتی کہ ہے ساحل چلتا
پر حقیقت میں ہے کشتی سر جوہوں چلتی [اِصلاح ''آزاد'']
تیر و پیکاں جتنے تھے دل میں دئیے ہم نے نکال
اپنے ہاتھوں گھر لٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے [متن ''ویران'']
تیر و پیکاں جتنے دل میں تھے دئیے اس کو نکال
اپنے ہاتھوں گھر لٹانا کوئی ہم سے سیکھ جائے [اِصلاح ''آزاد'']
کیونکر نہ سخن سے ہوں گرفتار تفکر
ہاں قید قفس مرغ خوش‌الحاں کے لئے ہے [متن ''ویران'']
بیٹھا ہے سخن‌ور جو گرفتار تفکر
زیبا یہ قفس مرغ خوش‌الحاں کے لئے ہے [اِصلاح ''آزاد'']
ہے بادہ کشوں کے لئے اک غیب سے تائید
زاہد جو دعا مانگتا باراں کے لئے ہے [متن ''ویران'']
مستوں کے لئے رحمت باری کے ہیں آثار
زاہد جو دعا مانگتا باراں کے لئے ہے۔ [اِصلاح ''آزاد'']
نچھوڑے گی جیتا مجھے چشم قاتل
یقیں ہے یقیں بلکہ عین الیقیں ہے [متن ''ویران'']
صنم میرے دل کو خدائی کا تیری
یقیں ہے یقیں بلکہ عین‌الیقیں ہے [اِصلاح ''آزاد'']
کیا خاک تجھپہ جان کوئی جاں‌نثار دے
مٹی تلک نہ جب ترے دل کا غبار دے [متن ''ویران'']
کیا خاک تجھ پہ جان کوئی جاں‌نثار دے
مٹی بھی جس کو تیرے نہ دل کا غبار دے [اِصلاح ''آزاد'']
بےفیض گر ہے چشمۂ آب بقا تو کیا
مانگو تو ایک قطرہ نہ آئینہ‌وار دے [متن ''ویران'']
بےفیض چشمہ آب مصفا کا ہے تو کیا
مانگوں تو ایک قطرہ نہ آئینہ‌وار دے [اِصلاح ''آزاد'']
دم کو ہمارے سینے میں اک دم نہیں قرار
یہ وہ غریب ہے کہ مسافر وطن میں ہے [متن ''ویران'']

دم کو نہیں ہے سینے میں آرام ایک دم
یہ وہ فریب ہے کہ مسافر وطن میں ہے [اِصلاح "آزاد"]

ابتو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائینگے
مر کے بھی چین نپایا تو کدھر جائینگے [متن "ویران"]

اب تو گھبراکے یہ کہتے ہیں کہ مرجائینگے
مرگئے پر نہ لگا جی تو کدھر جائینگے [اِصلاح "آزاد"]

قفس کو لے اڑے اُس پر اسیر مضطرب تیرے
خبر گل کی سنے (۱) اُڑتی سی گر باد بہاری سے [متن "ویران"]

قفس کو لے اُڑیں صیاد اسیر مضطرب تیرے
خبر گل کی اگر اُڑتی سنیں باد بہاری سے [اِصلاح "آزاد"]

نہیں جاتے اٹھائے ناز کاش اُن کی عوض ہوتے
مری چھاتی پہ پتھر سنگدل دو چار بھاری سے [متن "ویران"]

اُٹھائے جاؤں کب تک داغ-کاش ان کے عوض ہوتے
مری چھاتی پہ پتھر سنگدل دو چار بھاری سے [اِصلاح "آزاد"]

لگی بھی گر زمیں سے پیٹھ تیرے تفتہ جانوں کی
تو مثل برق اٹھ بھاگیں گے پھر وہ بیقراری سے [متن "ویران"]

لگی بھی گر زمیں کو پیٹھ تیرے تفتہ جانوں کی
تو مثل برق اُٹھ بھاگے وہیں پھر بیقراری سے [اِصلاح "آزاد"]

ترے مجنوں کے تن پر لاغری کا قطع ہے جامہ
کرے ہے پیرہن دو ایک برگ بید مجنوں سے [متن "ویران"]

ترے مجنوں کے تن پر لاغری کا قطع ہے جامہ
بناتا پیرہن ہے ایک برگ بید مجنوں سے [اِصلاح "آزاد"]

پتلی سیاہ دیکھیو اس چشم مست کی
بھونرا عجب ہے یوں گل عبہر میں گھر کرے [متن "ویران"]

چشم سیہ تمہاری نظر بھر کے دیکھے جب
لالے میں داغ دے - گل عبہر میں گھر کرے . [اِصلاح "آزاد"]

بلبل کا آشیانہ ہے گلشن میں کیا عجب
اس رخ پہ دل جو زلف معنبر میں گھر کرے [متن "ویران"]

---

(۱) یہاں "سنے" کاتب کی غلطی ہے- "سنی" صحیح ہوگا.

گل‌گشت چمن نہیں کہ گئے صبح شام آئے
دل ہو کہ اس کی زلف معنبر میں گھر کرے [اِصلاح "آزاد"]

آنکھ اپنی اس کے لب پہ عجب گھر پکڑ گئی
جوں عنکبوت برگ گل‌تر میں گھر کرے [متن "دیوان"]

یوں رنگ رخ پہ اس کے جما ہے مرا خیال
جس طرح رنگ برگ گل‌تر میں گھر کرے [اِصلاح "آزاد"]

قاتل مرے لہو کو شتابی سے دھو کہیں
جوں مورچہ نہ یہ ترے خنجر میں گھر کرے [متن "دیوان"]

خون شہید ناز کو دھونا تھا کیا بھلا
یہ زنگ وہ نہیں ہے جو خنجر میں گھر کرے [اِصلاح "آزاد"]

ہنگام بوسہ گرم جو مجھ پر ذری ہوے
شکر تھے لب پسینے سے شکرتری ہوے [متن "دیوان"]

ہنگام بوسہ گرم جو وہ اک ذری ہوے
شکر تو تھے پسینے سے شکرتری ہوے [اِصلاح "آزاد"]

یک خال زیر زلف سے ظاہر مرے لیے
اے ماہ سو طریقۂ بداختری ہوے [متن "دیوان"]

اک خال زیر زلف سے ظاہر مرے لیے
اے یار سو طریقۂ بداختری ہوے [اِصلاح "آزاد"]

اڑائے خوب گلچھرے نکل مجنوں نے زنداں سے
کہ ہر سو گل‌فشانی ہے شرار سنگ طفلاں سے [متن "دیوان"]

اڑائے خوب گلچھرے نکل مجنوں نے زنداں سے
برستے پھول ہیں سر پر شرار سنگ طفلاں سے [اِصلاح "آزاد"]

شرارے متصل نکلے یہاں تک سنگ طفلاں سے
کہ چمکے ہے سر مجنوں پہ بجلی سنگ باراں سے [متن "دیوان"]

چمکتی ہے سر مجنوں پہ بجلی سنگ باراں سے
لگی ہے ابر رحمت کی جھڑی اب چشم گریاں سے [اِصلاح "آزاد"]

گھر سے باہر نہ نکلتا کبھی اپنے خورشید
ہوس گرمی بازار لئے پھرتی ہے [متن "دیوان"]

{پھرتا سرگشتہ زمانہ میں بھلا کیوں خورشید
{(ن) دربدر پھرنا نہ سرگشتہ جہاں میں خورشید

ہوس گرمي بازار لئے پھرتي ہے [اصلاح ''آزاد''

گرچہ ہوں وادے عنقا سے پرے لاکھوں کوس
لیک ہے گم‌شدگی کی ابھی منزل آگے [متن ''ویران''

گرچہ ہے وادے عنقا سے پرے سو سو قاف
لیک ہے گم‌شدگی کي ابھي منزل آگے [اِصلاح ''آزاد''

قطرہ قطرہ آنسو جس کي طوفاں شدت ہے (۱)
پارہ پارہ دل ہے جس میں تودہ تودہ حسرت ہے [متن ''ویران''

قطرہ قطرہ آنسو جس کي طوفاں طوفاں شدت ہے
ٹکڑے ٹکڑے دل جو ہوا ہے تودہ تودہ حسرت ہے [اِصلاح ''آزاد''

ہوس میں کعبے کي کیوں شیخ بتخانے سے گمرہ ہے
یہاں تو کوئی صورت بھي ہے واں اللہ ہي اللہ ہے [متن ''ویران''

کرے کعبہ میں کیا جو سر بتخانہ سے آگہ ہے
یہاں تو کوئي صورت بھي ہے واں اللہ ہی اللہ ہے [اصلاح ''آزاد''

ہمیشہ کام تھا مجنوں کو بو صحرانوردی سے
بسایا خانۂ زنجیر ہم بے پائمردي سے [متن ''ویران''

ہمیشہ کام مجنوں کو رہا صحرانوردي سے
بسایا خانۂ زنجیر ہم نے پائمردي سے [اصلاح ''آزاد''

خاک اڑاتا دشت میں گر تیرا سودائي پھرے
پھر بگولا ہے تو کیا آندھي بھي بولائي پھرے [متن ''ویران''

خاک اڑاتا دشت میں جب تیرا سودائی پھرے
پھر بگولا تو ہے کیا آندھي بھي بولائی پھرے [اِصلاح ''آزاد''

مقدم صدق پر ہے کذب گرچہ صدق فائق ہے
کہ پہلے صبح کاذب یاں ہے پیچھے صبح صادق ہے۔ [متن ''ویران''

---

(۱) گلشن بیخار (ص۱۱۳) میں بھي اِسي طرح منقول ہے۔ اور آثارالصنادید میں بھي (ص۲۱۹)

جہاں دنیا میں دیکھا سچ کے اوپر جھوٹ فائق ہے
کہ پہلے صبح کاذب ہے تو پیچھے صبح صادق ہے [اصلاح ”آزاد“]

فہرست ہذا اکثر اصلاحی اشعار پر حاوی ہے- یہ دعوی نہیں کیا جاتا کہ ہر شعر اس میں شامل ہے- اس فہرست سے میں نے ایسے ابیات ترک کر دیے ہیں جن میں ایک لفظ کی تبدیلی یا الٹ پھیر پائی گئی - میں نے ایک سے زیادہ لفظوں کی تبدیلی والے اشعار کا انتخاب کیا ہے-

اِن اصلاحوں کی ایک سے زیادہ خصوصیت ہے- سب میں اہم جیسا کہ سابق میں عرض کر چکا ہوں وہی ہے کہ اِن کی صفائی اور روانی کے اعتبار پر ان کی زبان کو ذوق کے وقت کی زبان نہیں مانا جاسکتا - کیونکہ ان سے ایسے محاورے اور الفاظ جو ذوق کے زبان زد ہیں مثلاً بلاہلے ' صل علی ' واہوا ' رحمت ہے' ہائے رے' سیلی مارنا ' بیشوا لیلے کو جانا ' تیوڑھ کی لینا ' اپھرنا کیا جان' یاروں' حراروں' لون(نمک)' بے اضافت فارسی جمع جیسے دوستاں ع- مرے مرقد پہ چلہ اس نے آکر دوستاں باندھا ' اور عزیزاں (ع- درہائے مقفل سے عزیزاں نکل آیا یا ذوق کے عہد کے بعض الفاظ کا لہجہ جیسے بوھیں یوں ہی' لوہو لہو) کولا (کوئلا)' پھسلنا (پھلسلنا ہسنا (ہنسنا)' سونچنا (سوچنا)' جبھائی (جلبھانی) وغیرہ وغیرہ مطلق غیر حاضر ہیں -

اِصلاح زیادہ تر ایک ہی مصرع پر شامل ہے- دوسرے مصرع میں قلت کے ساتھ تصرف کیا گیا ہے-(۱) زبان کے علاوہ بعض اوقات مضمون میں دقت

---

(۱) البتہ ایسے شعر بھی ملتے ہیں جن کے ایک مصرع میں اُستاد کا صرف ایک آدھ لفظ باقی رہا ہے اور دوسرے میں بھی قافیے اور ردیف کے سوائے مشکل ہی سے اصل کا کوئی لفظ سلامت رہ گیا ہے- مثلاً ”ویران“ کے متن میں ایک شعر ہے :

رکھے ہے حوصلہ دریا کب اہل ہمت کا
نہیں یہ اتنا کہ بھر کاسۂ حباب تو دے

مولانا اِسے یوں بدلتے ہیں :

ہماری آنکھ سے ہم چشم ہوگا کیا دریا
کسی کو بھرکے ذرا کاسۂ حباب تو دے

”کاسہ“ کو ”کانسہ“ بولنا اُردو والوں کا لہجہ ہے جو قدیم زمانے میں عام تھا' مگر قرین قیاس نہیں کہ ذوق نے ”کانسہ“ لکھا ہو' خاص کر جب کہ اُس پر فارسی اِضافت بھی داخل ہوئی ہے- غالباً مولانا نے اِسے کاتب کی غلطی جان کر بدل دیا اور یہ بیجا نہیں - باقی تیرہ لفظوں میں سے اُستاد کے گیارہ لفظ قلمزد ہوئے !

پیدا کرنے کي کوشش بھي دیکھي جاتي ھے- اِصلاح کا چس کا خال خال موقعوں پر ایک شعر کي خاطر دو دو شعر کے وجود میں لائے جانے کا ذمہ‌دار ھے اگرچہ دونوں کا مرکزي تخیل ایک ھی ھے-

اِصلاحي ترمیم و تنسیخ اکثر موقعوں پر مناسب اور درست ھے- اگرچہ ایسي مثالیں بھي موجود ھیں جن میں یہ کوشش ناکام ثابت ھوئي ھے-

کہا جا سکتا ھے کہ شاید یہ اِصلاحیں مولانا نے اُس جنگ سے حاصل کي ھوں جو اُنھوں نے ظفریاب لشکر کے داخلۂ دھلي کے موقعے پر اپنا بھرا گھر چھوڑتے وقت اُٹھا لیا تھا - لیکن یہ جنگ اُن اِصلاحوں کا حامل نہیں ھوسکتا کیونکہ اگر ھم یہ مان لیں تو ھمیں یہ بھي ماننا پڑے گا کہ وہ جنگ نہیں تھا بلکہ ذوق کا دیوان تھا جو بالکل مرتب اور اِصلاح‌یافتہ شکل میں موجود تھا - مگر خود مولانا ایسا دعویٰ نہیں کرتے- بیشک اُن کو قیمتی اِمداد ملي ھے اور ذوق کي غزلوں کي تعداد کثیر' مع جدید قصائد کے' جو حافظ ویران کے مرتبے میں داخل نہ تھی حاصل ھوئي -

لوگ کہیں گے کہ مولانا نے بڑي جسارت کي بلکہ بےادبي کی جو اُستاد کے کلام پر اِصلاح دي- توبہ‌توبہ لیکن ایک نقطۂ نظر اور بھی ھے کہ دنیا میں ھزاروں اُستاد اور لاکھوں شاگرد گزرے ھیں - اُن میں کتنے ایسے شاگرد ھیں جن کو اُستاد کے کلام پر اِصلاح دینے کی سعادت حاصل ھوئی ھو ؟

ھمارے اِس عقیدے کي' کہ حضرت مولانا اِن اِصلاحات کے مصنف ھیں' اِس مقالے کي آیندہ‌اِقسط اور بھي موید و' معاون ثابت ھوگي -

یہ قسط لالہ سري رام کے ایک مختصر بیان پر' جو محترمي قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹر ایٹ لا' پٹنہ' نے عنایت فرمایا ھے' ختم کرتا ھوں - آزاد کے بیان میں لکھا ھے:

"ذوق کا ایک دیوان خاص اپنے اِھتمام سے مرتب کیا ھے- بعض لوگوں کا اسکی نسبت خیال ھے کہ آپنے اس میں جا بہ جا تصرف کیا ھے" (خم‌خانۂ جاوید' ج ۱ ص۳۷)-

---

''اقبال''

ضیاءالاسلام، پی سی ایس -

کسی ملک میں کسی شاعر نے معاصرین کے کلام کو اِقبال کی طرح متاثر نہیں کیا ھے- کم از کم اُردو ادب میں اِس میدان میں اُس کا کوئی حریف نہیں - وہ ایک سر بفلک پہاڑ ھے جسے تولے اور پہاڑیاں گردن اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے ھیں - اُردو کے تمام موجودہ شاعر دانستہ یا نادانستہ اُس کے گرد طواف کر رھے ھیں - جو راگنی اقبال نے چھیڑی ھے اُسی کی تال پر شاعری کی دیوی رقص کر رھی ھے اِقبال نے ھمارہ شاعری کو اُن تنگناؤں سے آزاد کردیا جن میں وہ اپنے ھاتھوں جا پھنسی تھی - اِقبال کے عروضی تجربات نے ھمارے اصناف سخن کو بیکراں کردیا - اُس نے غزل کو ردیف کی قید سے ایک بار پھر آزاد کردیا - ''بال جبریل'' اور ''ضرب کلیم'' کی غزلیات شاھد ھیں کہ غزل میں مضمون اور طرز دونوں کے لحاظ سے تبدیلیاں ھوسکتی ھیں اور تنوع اور ترقی کی گنجایش کم نہیں - مسدس کو خلعت قبول بخشنے کے علاوہ اِقبال نے ترکیب بند سے زیادہ سے زیادہ کام لیا - کم اصناف ایسی بکارآمد ھوں گی، کیونکہ اِس میں ایک طرف مثنوی کی سی آزادی ھے دوسری طرف غزل کا ترنم اور تنوع - ''خضر راہ'' - ''طلوع اسلام'' - ''شمع و شاعر'' - ''تصویر درد'' وغیرہ اِس صنف کی اچھی مثالیں ھیں -

مثنوی کی بےکیف یکرنگی کا اِزالہ اِقبال نے اِس طرح کیا کہ اول تو خود مثنوی میں نئی نئی طرزوں سے کام لیا اور پھر نظم کو بندوں میں تقسیم کیا (... مثلاً ''والدۂ مرحومہ کی یاد میں'') - اِس ذیل میں اِقبال کے تتبع کی مثالیں اِس قدر کثیر اور اِس قدر نمایاں ھیں کہ یہاں اُن کے نام گنانا بےضرورت ھوگا - آج ھمارا ھر نو مشق بھی ترکیب بند (یا منقسم مثنوی) پر طبع آزمائی کرتا ھے- یہاں یہ واضح کردینا بے محل نہ ھوگا کہ آج کل آزاد نظم میں جو تجربات ھماری زبان میں کیے جا رھے ھیں اُن کی ناکامیابی کی بڑی وجہ یہ ھے کہ شاعروں کے اِس نئے گروہ کی پشت پر اِقبال کے پائے کا کوئی قادرالکلام ماھر فن نہیں ھے- اِقبال کی اولیات میں یک موضوعی طویل نظمیں بھی بہت

اهم هیں - اِن سے پہلے منظم اور مسلسل فکر کے لیے هماري شاعري میں کوئی سانچا نہ تھا - علاوہ بریں اِقبال هي نے هماری شاعري کو اسکولوں کے استبداد سے نجات دی هے :

اِقبال، لکھنئو سے نہ دلي سے هے غرض
هم تو اسیر هیں خم زلف کمال کے

اُس نے الفاظ سے زیادہ معاني پر زور دیا، اور زبان اور اسالیب کو مضمون کا باج‌گزار بنایا - اِقبال کے اِن اِجتہادات کي بدولت اُردو شاعری اِس قابل هوگئی کہ نکتہ‌چین کي آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکے - اور جہاں تک شاعری کي زبان (Diction) کا تعلق هے معترض کو نکتہ‌چینی کا ذراسا بھي حق نہیں - اِس میدان میں اِقبال نے جو اُنقلاب برپا کیا وہ اُتنا هي اهم هے جتنا وہ اِنقلاب جو انگریزي شاعری کي زبان میں ورڈسورتھ (Wordsworth) سے ظہور پذیر هوا - لیکن اِقبال ورڈسورتھ کي بے اِعتدالیوں سے مجتنب رہا شاعری کي روایتي زبان کو بہ یک‌قلم ترک کردینے کے بجاے اِقبال نے اُس کو نئي حیات اور نئي طاقت عطا کي - دیہاتیوں کي زبان میں سے لفظ تلاش کرنے کے بجاے اُس نے بھولے هوے ادبي‌لفظوں کو پھر زندہ کیا- مستعمل الفاظ کو نئے مفہوموں میں استعمال کیا اور بےشمار نئي ترکیبیں اِختراع کیں - هر صفحے پر اِن کا ایک شاندار سلسلہ ملتا هے:

آئینہ‌پوش، حیرت فروش، پیغام‌فروش، نغمہ‌پیرا، رم شبنم، سرود بربط عالم، جوهر آئینۂ ایام، طلسم هیچ مقداری، شوق بے پروا، منت کش تاب شنیدن، چراغ لالۂ صحرا، وغیرہ -

خود غالب کے یہاں جدید اور معني‌خیز تراکیب کي یہ کثرت نہ هوگی- اِقبال نے اُردو شاعري کے ذخیرۂ الفاظ کو نہ صرف وسیع کیا بلکہ اُسے تازگي اور طاقت بخشي- اِقبال سے پہلے هماري شاعری کي زبان کا مقصد محض یہ تھا کہ عشقي جذبات کو اور وہ بھي مصنوعي طور سے ادا کرے - ظاهر هے کہ جدید شعرا ذخیرۂ الفاظ کے لیے اِقبال کے مرهون منت هیں، اِقبال کے دواوین سے بڑھ کر اِس امر کا کوئي ثبوت نہ هوگا کہ هر خیال، هر اِحساس، هر بیان اور داستان، هر قسم کے حکیمانہ سیاسي اور سماجی مسائل هماري شاعري میں ادا کیے جاسکتے هیں - اِقبال پر یہ اِعتراض کیا جاسکتا هے

کہ اس نے ہماری شاعری کی زبان میں فارسی عنصر کو اور غالب کردیا - کاش وہ دیسی الفاظ زیادہ استعمال کرتا اور "دُئے شوالے" قسم کی اور بھی بہت سی نظمیں، جن میں فارسی اور ہندی باہم بغلگیر ہیں، لکھتا - تاہم اس سمت میں آرزو، ساغر، حفیظ، مقبول احمد وغیرہ جو کوششیں کر رہے ہیں ان کا ماخذ حالی اور نظیر کے علاوہ اقبال کا کلام بھی ہے -

عربی کہاوت ہے: دشمن جس کی شہادت دے خوبیٔ تو وہ ہے- خود وہ شاعر جنھوں نے اقبال کہ فلسفے کے خلاف بغاوت کی ہے اپنے احتجاج کو اقبال کی زبان اور اسالیب میں ادا کر رہے ہیں - سب سے نمایاں مثال جوش کی ہے- اگر دونوں کے کلام کا مقابلہ کیا جاءے تو نہ صرف ذخیرۂ الفاظ بلکہ اصناف سخن میں تتبع، نظر اءے گا - جوش نے بعض نظموں میں بحر قافیے اور ردیف میں بھی اقبال کی تقلید کا التزام کیا ہے- اور شعرا میں مجاز، ساغر، روش، احسان، ماہر وغیرہ کے نام لیے جاسکتے ہیں -

ہمارے ادب پر اقبال کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اُس نے اُردو شاعر کے تخیل کو بیکراں وسعتیں عطا کیں - تکوین کے دائرے کو واقعی کائنات سے ہمکنار کردیا - اُردو شاعروں کی طویل فہرست میں اقبال پہلا مفکر ہے- اُس کے پیشرو شعر کہتے وقت یا تو جذبات کے سیلاب میں بہ جاتے تھے یا پھر اُن کی ساری توجہ الفاظ اور ظاہری تزئین پر رہتی - حتی کہ میر اور غالب جیسے اساتذہ بھی "کبھی کبھی نازکخیالی" اور ایہام‌گوئی کے دلدل میں جا پھنستے ہیں - اقبال لفظوں کی خاطر خیال‌آرائی نہیں کرتا اُس کے ہاں لفظ مضمون کے تابع ہیں مضمون لفظوں کا تابع نہیں - یہ اقبال ہی کے کلام کا اثر ہے کہ آج غزل تک میں مضمون کا تسلسل اور موضوع کی یگانگت کارفرما نظر آنے لگی ہے- نظم کی دوسری اصناف جنھیں اقبال نے رائج کیا زمانے کے قدم بہ قدم چل رہی ہیں - ہمارے جدید شعرا کا دماغی اُفق اقبال کی بدولت اپنے دامن میں آفاق کی وسعتیں لیے ہوئے ہے- ہماری شاعری میں اشتراکیت کا پہلا علمبردار اقبال ہے:

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روٹی
اُس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات
دست دولت آفریں کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

جمہوریت کے خلاف اقبال نے جو کچھ کہا ہے وہ جمہوریت کے موجودہ مظاہر سے متعلق ہے' وہ جمہوریت جو سرمایہ داری کی نقاب ہے ور جس میں سرعت عمل کی گنجایش نہیں' جو ایک سرے پر چند اہل زر کی حکومت (Plutocracy) ہے اور دوسرے سرے پر جہل کی - اقبال کو جمہوریت کے نام سے انگریزی شاعر ڈرائڈن کی طرح نفرت ہرگز نہ تھی - اور عالمگیر انسانی برادری جس کا اقبال پرچار کرتا تھا خود اشتراکیت اور جمہوریت پر مبنی ہے- حاصل کلام جدید اُردو شاعری میں جو اشتراکی رجحان ملتا ہے یہ بھی اقبال کی اولیات میں سے ہے-

حالی' آزاد اور شبلی نے اُردو شاعری کو خانقاہ اور دربار کی دوہری غلامی سے آزاد کرنے کی طرف پہلا قدم اُٹھایا - اقبال نے اُس کی تکمیل کی - اُس نے شعر کی اہمیت' صلاحیت اور عظمت کا ایک نیا تصور ہمارے شاعروں کے سامنے پیش کیا - سرپرستوں سے بےنیاز رہ کر اُس نے ایسی زندگی گزار دی جو ہمارے شعرا کے لیے قابل تقلید ہے-

لیکن اِس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اقبال نے ہمارے ادب کو صرف نئے افکار اور نئے خیالات سے روشناس کیا بلکہ اُس نے ادب جدید کی روح کی تخلیق اور تشکیل کی- یہ روح آزادی اور تجسس کی روح ہے- ہمارے شاعر کا یقین اندھا یقین نہیں بلکہ وہ ایقان ہے جس کی جڑیں اضطراب اور دماغی خلفشار میں ملتی ہیں اقبال کی قدامت‌پسندی ماضی کی اندھا دھند تقلید نہیں بلکہ ماضی کی روشن‌خیال تجدید ہے جس کی آغوش تہذیب نو کی ہر خوبی کے لیے وا ہے- مسلمانان ہند کے دل و دماغ میں اقبال کے خیالات سرایت کر گئے ہیں - ادب کے اِس قدر شدید غیر ادبی اثرات' اقبال سے پہلے کسی اور کے یہاں نہیں ملتے -

اگرچہ ہمارے ادب میں منظر نگاری جوش کی اقلیم ہے لیکن اولیت کا سہرا یہاں بھی اقبال کے سر ہے- اقبال سے پہلے منظر نگاری معدوم نہ تھی لیکن ہمارے یہاں مناظر یا تو بالکل رسمی اور خیالی ہوتے تھے جیسے کہ

روق، سودا، انشا، کے قصائد میں یا ان میں محض عکاسی ملتی تھی جیسے ظہیر، آزاد، حالی، کی منظومات - مناظر فطرت کی شاعرانہ محاکات پہلے اقبال ہی کے یہاں ملتی ہے- خضر راہ کا پہلا بند اِس کی نمایاں مثال ہے- اِس میں فطرت صرف پس منظر ہی کا کام نہیں دیتی بلکہ اُن خیالات سے گھل مل گئی ہے جن کا نظم میں اِظہار ہوا ہے اور نظم کے ماحول سے ہمنوا ہے- اُس کی چھوٹی چھوٹی غنائی نظمیں "جگنو" "چاند اور تارے" وغیرہ ہمارے ادب کے لیے بالکل نئی چیز تھیں لیکن اب نہیں - تقلید سب سے بڑی ستایش ہے- یہ تو اِقبال کی بدقسمتی ہے کہ اُس کی غیرادبی خصوصیات کی طرف ناقدین کی توجہ بیشتر رہی اور اُس کے کلام کے خالص ادبی محاسن سے بے توجہی برتی گئی- ذیل کے شعر میں تخیل اورمشاہدے کا صحیح شاعرانہ امتزاج ملتا ہے :

سامنے مہر کے دل چیر کے رکھ دیتی ہے
کس قدر سینہ شگافی کے مزے لیتی ہے

یا گھٹا کےمتعلق چمن میں حکم نشاط مدام لائی ہے
قبائے گل میں گہر ٹانکنے کو آئی ہے

یا شفق کےمتعلق : سورج نے جاتے جاتے شام سیہ‌قبا کو
طشت اُفق سے لے کر لالے کے پھول مارے

اِقبال کے اشعار کی بنیاد کنایہ و علامات پر ہے- اُس نے ایک طرف تو پرانی علامتوں مثلاً جام، ساغر، میخانہ، بادہ، ساقی وغیرہ میں توسیع اِطلاق سے نئی جان ڈال دی :

انجمن سے وہ پرانے شعلہ‌آشام اُٹھ گئے
ساقیا محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا

دوسری طرف نئی علامتیں اِختراع کیں مثلاً محمود و ایاز، شاہین و کبوتر وغیرہ -

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر
مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

غالب کے مندرجۂ بالا اشعار کے مفہوم کو اقبال نے اور وسیع کردیا - اب تک ہمارے یہاں علامتیں صرف تصوف اور تعشق کے درپردہ اظہار کے لیے وقف تھیں - اقبال نے اُن سے سیاسی، اقتصادی، مذہبی، سماجی، اخلاقی، تعلیمی افکار کے اظہار کا کام لیا - اِس طرح بیک کرشمہ شاعری میں واقعیت بھی آگئی اور خشک مسائل میں طراوت علامات کے علاوہ بلکہ علامات کے دوش بدوش اور بعض اوقات علامات ہی میں اقبال کے یہاں تلمیحات ایک نئی شان سے ملتی ہیں - ان تلمیحات کا مقصد اظہار علم نہیں بلکہ اظہار خیال اظہار واقعہ یا اظہار کیفیت ہوتا ہے

جدید نظموں کی ایک خصوصیت مکالمے ہیں - یہاں بھی اقبال کو اولیت میں کلام نہیں- مکالموں سے خیال واضح اور روشن ہو جاتا ہے ہمارا شاعر کبھی کو شبنم کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے دیکھتا ہے اُس کے سامنے کتاب کا کیڑا جگنو سے ہم سخن ہوتا ہے اور شمع، شاعر کو سرزنش کرتی ہے اُس کے کان میں چاند اور تاروں کی سرگوشیوں کی آواز بھی آتی ہے وہ اِس بےجان اور بےزبان مخلوق کو حیات اور زبان بخشتا ہے- کبھی کبھی وہ غیرمرئی خصوصیات مثلاً عقل و عشق کو مجسم کر دیتا ہے لیکن اُس کے یہاں تجسیم کا عمل برخلاف انگریزی شاعر گرے (Gray) کے، نہ حد سے زیادہ ہے نہ صبر آزما - اقبال سے پہلے ہماری شاعری پر واہمے (Fancy) کا راج تھا اقبال نے اُسے ہمیشہ کے لیے معزول کر دیا اور متخیلہ (Imagination) کو گدی پر بٹھایا - اِسی کا نتیجہ ہے کہ جدید اُردو شاعر پامال خیالات کو نئے اُسلوب سے باندھنے کے بجاے نئے خیالات سوچنے لگا ہے-

یہ کہ دینا بہت آسان ہے اور اُس سے زیادہ مقبول کہ مقصدی شاعری شاعری نہیں، حالانکہ ادبی تنقید کی عظیم‌الشان اور دیرینہ روایات مقصدی شاعری کی پشت پر ہیں- ڈیوائن کومیڈی، فردوس گمشدہ اور رومی کی مثنوی، یہی نام اُن لوگوں کو خاموش کر دینے کے لیے کافی ہیں جو پیام اور رنگ کو شعریت سے متغائر اور متضاد سمجھتے ہیں- خشک مسائل کا تانبا جب متخیلہ کی کیمیا سے زر خالص بن جاتا ہے اور جذبے کی حدت سے چمک اُٹھتا ہے تو اُس سے عظیم‌الشان منظومات کی تخلیق ہوتی ہے- متخیلہ اور جذبات کی شدت کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لیے اقبال کے کلام کو مس

چھوڑ جاتي هے اور وہ منظوم فلسفه هوكر رہ جاتا هے ليكن اِس قسم كي ناهمواري سے كوئي بڑا شاعرمحفوظ نهيں - صوفي كي طرح شاعر كا بهي يهي حال هے:

گهے بر طارم اعلیٰ نشينم
گهے بر پشت پائے خود نه بينم

بلكه يه تو كسوٹي هے كهرے اور كهوٹے، سچے اور جهوٹے كو پركهنے كے ليے - ليكن پهلي ايلٹ ركهنےوالے كي ذمهداري بهي زياده هوتي هے- اقبال كے اِستدلال منظوم كے بےشمار مقلد پيدا هوگئے جنهوں نے منظوم پروپيگنڈے كے انبار لگا ديے اور جنهوں نے آرٹ اور خطابت كو مترادف سمجه ليا -

اِقبال اُردو كا پهلا شاعر هے جس نے مغرب كا" ايک طالبعلم كى آزادى اور ايک فلسفي كى تخيُّل كے ساته" مطالعه كيا - چهوٹے نگون كي ريزه كاري نے اِقبال كي نظر كو خيره نهيں كيا اور نه وه همارے تنگ نظر علما كى طرح يوروپ كي خوبى اور ترقيات سے بےبهره رها - اُس نے پهلي بار اُردو شاعرى ميں آفاقى آهنگ (Cosmic note) داخل كيا - اِس ميں موضوع كى نوعيت كے علاوه اُس نے ساكنان عالم بالا" روحانيوں اور ملائک فرض كه سارے مافوق الفطرت آلات سے مدد لي- رسمي شاعري كا چرخ كجرفتار اس كے يهاں ايک نئے لباس ميں جلوهگر هوا جسے تخئل كے خياط نے تيار كيا تها -

جديد شاعرى كي ايک خصوصيت يه بهي هے كه سائنس كي اِصلاحات تو شعر ميں كهپاتے هيں - اِس كي اولين مثالين بهى اِقبال كے يهاں مليں گى:

ٹكڑے ٹكڑے جس طرح پارے كو كرديتا هے گاز

اِقبال كے كلام ميں رومانی اور كلاسيكل خصوصيات كا ايک انوكها اِجتماع ملتا هے- اس نے رومانيوں كے جوهر و اِضطراب اور كلاسيكل شعرا كے ايقان و سكون كو يكجا جمع كرديا - اُس كي بعض نظميں انگريزي شعرا سے ماخوذ هيں - اُس نے اُن كے خيالات بهي مستعار ليے هيں - ويسے بهى اُس كا تمام كلام فلسفۂ مغرب كے افكار سے سيراب هے- با ايں همه اُس نے علوم مشرق كا حق بهي ادا كيا هے . اِس طرح اُس كي شاعرى مشرق اور مغرب كا دلفريب سنگم هے-

ابھي، ادب کی تاریخ میں اِقبال کي اهمیت کو جانچنا قبل از وقت هوگا، کیونکه وه همارے زمانے سے اِتنا قریب هے که هم اُس کي عظمت اور اس کے کلام کے اثرات کا صحیح اندازه نہیں کر سکتے - هر بڑے اور مجدد شاعر کی طرح اِقبال اُس مذاق کو پیدا کر رها هے جس کے ذریعے وه جانچا جائے گا - اغلب یه هے که اِمتداد زمانه کے ساتھ ساتھ اُس کی قامت اور قیمت برابر بڑھتي جائے گي -

---

اِفلاس

از ڈاکٹر انور اِقبال قریشي

اِفلاس سے کیا مراد ھے

اِفلاس ایک اِضافي چیز ھے جس کے بہت سے مدارج ھیں- حال ھي میں انگلستان کے مشہور ڈراما نویس جارج برناڈ شا نے اخبارات میں ایک بیان دیا ھے جس میں اُس نے یہ بتلایا ھے کہ اُس کی دولت اُسے مفلس بنا رھی ھے . اُس کی بیوی کے اِنتقال کے بعد بیوي کي جائداد بھي اُس کے قبضے میں آجانے سے اُس کي آمدنی میں معتدبہ اِضافہ ھوگیا - اور اِس بڑھي ھوئی آمدنی سے اُسے اِس قدر زیادہ محصول آمدني ادا کرنا پڑا کہ اُس کي خالص آمدنی پہلے کے مقابلے میں کہیں زیادہ کم ھوگئي -

اِس بیان میں ایک اِس لحاظ سے صداقت ضرور موجود ھے کہ اُس کي دولت میں کچھ کمي ضرور ھوگئی ھے- حالانکہ برناڈ شا ایک کروڑپتی آدمي ھے اور اُس کي آمدني میں صرف چند لاکھ کي کمي ھوئي ھوگی مگر وہ اپنے کو پہلے کے مقابلے میں مفلس خیال کرتا ھے- یہ مفلسي کی بہت ھي خوش‌گوار قسم ھے اور یہ باریکیاں اِنگلستان جیسے متمول ملک کے کروڑپتی ڈراما نویسوں ھي کو سوجھ سکتی ھیں - ھمارے چوٹي کے اُردو شاعر حضرت غالب کي تو یہ حالت تھي کہ قرضے پر گزرتي تھي - اور قرض کي عدم ادائي کے سلسلے میں اِس عظیم‌الشان شاعر کو جیل کي ھوا تک کھانی پڑی - اُن کے اِس شعر سے ھمارے ادیبوں کی مفلسي کا اندازہ ھوسکتا ھے-

ھے خبر گرم اُن کے آنے کی   آج ھي گھر میں بوریا نہ ھوا

اِنگلستان کا فقیر جب کسي کے سامنے دست سوال دراز کرتا ھے تو کہتا ھے کہ مجھے چاے کے لیے ایک اِکني عنایت فرمائیے- اور یہاں چاے تو اوسط درجے کے لوگوں کو بھي آساني سے میسر نہیں آتي - وھاں کا فقیر

ڈبل روٹي اور مکھن کے میسر ہونے پر بھي اپني غربت پر آنسو بہاتا ہے اور یہاں اگر جوار کي روٹي اور مرچ کي چٹني بھی مل جائے تو مقام شکر سمجھا جاتا ہے۔

جہاں تک لفظ اِفلاس کا تعلق ہے ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ اِفلاس سے مراد اُن تمام ضروریات زندگي کا میسر نہ آنا ہے جو اِنساني بقا کے لیے ناگزیر ہوں اور اگر یہ صورت حال زیادہ عرصے تک جاری رہے تو جسم و جان میں مفارقت لازمی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اِفلاس کي نہایت ہي بھیانک اور اِنتہائی شدید صورت ہے۔ اِفلاس کی دوسری حالت وہ ہے جس میں اِفلاس کي وجہ سے اِنسان کی وہ تمام ضروریات بدرجۂ اتم پوري نہیں ہوتیں جو ضروری ہوں یا وہ اِنساني زندگي کي اقل ترین آسائشوں سے محروم رہتا ہے۔ اُسے کھانا اور کپڑا تو ملتا ہے لیکن نہ تو کھانے سے پیٹ بھرتا ہے اور نہ کپڑے سے تن ڈھکتا ہے۔ باد و باراں سے محفوظ رہنے کو اُسے سر چھپانے کي تو جگہ مل جاتي ہے لیکن وہ اُن سے کلیۃً محفوظ نہیں رہتا -

اِفلاس کي تیسري صورت یہ ہے کہ پیٹ بھر کر کھانے کو تو ملے لیکن غذا میں تنوع نہ ہو یا غذا متوازن نہ ہو - تن ڈھانکنے کو کپڑا تو ملے لیکن لباس کي فراواني نہ ہو - اِسي طرح ایسا مکان تو ملتا ہے جو انسان کو بلا سے تو محفوظ رکھتا ہے لیکن اُس میں اُس کي ضروریات کے لحاظ سے کافي گنجائش نہیں ہوتي۔ اُس میں صاف ہوا اور روشنی کي بھی پوري فراوانی نہیں ہوتي۔ وہ اپنی آمدني سے صرف اِبتدائي ضروریات پوري کرسکتا ہے اور اِس سے زیادہ کی گنجائش نہیں ہوتي - اِن تینوں حالتوں پر اِفلاس کا اِطلاق ہوتا ہے۔ اِس کے بعد کے مدارج ایسے ہیں جنھیں ہم یہاں زیر بحث نہیں لائیں گے - اب ہم یہ معلوم کریں گے کہ ہندوستان میں اِفلاس کا کیا عالم ہے۔

ہندوستان میں اِفلاس کا کیا عالم ہے

چین اور ہندوستان کے علاوہ دنیا کے باقي تمام ممالک میں زیادہ تر آخري قسم کی غربت پائي جاتي ہے اور چند ملکوں میں آبادي کے بہت ہي ناقابل لحاظ حصے میں دوسري قسم کي غربت بھي ناقابل لحاظ طور پر موجود ہے۔ لیکن ہندوستان اور چین ایسے ملک ہیں جہاں عموماً پہلي اور دوسري

قسم کی غربت پائی جاتی ہے- چین کے متعلق بھروسے کے قابل اعداد و شمار نہیں ملتے مگر ہم اخباروں میں آئے دن یہ خبریں پڑھتے رہتے ہیں کہ وہاں بھوک اور فاقے سے نجات حاصل کرنے کے لیے بچوں جیسی متاع عزیز تک کو فروخت کر دیا جاتا ہے اور سالانہ لاکھوں اِنسان بھوک اور فاقوں سے نذر اجل ہوجاتے ہیں - اُنیسویں صدی کے آخر تک ہندوستان میں بھی اِفلاس کا یہی عالم تھا - یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اُنیسویں صدی کے وسط سے آخر تک ایک کروڑ اِنسان موت کا شکار ہوگئے - حال حال تک حکومت کا یہ دعویٰ تھا کہ موجودہ صدی کے شروع سے اِس ملک میں کوئی موت محض خوراک نہ ملنے سے وقوع میں نہیں آئی اور یہ کہ یہاں پہلی قسم کے اِفلاس پر قابو پالیا گیا ہے، لیکن ۱۹۴۲-۴۳ع میں بنگال کے قحط سے پھر یہ المناک امر ہم پر واضح ہوگیا کہ ملک ابھی تک فاقوں کے پنجے سے آزاد نہیں ہوا - یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ بنگال میں قلت خوراک کی وجہ سے بیس پچیس لاکھ اِنسان مرگئے- دوسری اور تیسری قسم کی غربت پر تبصرہ کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے ذرائع آمدنی پر کچھ روشنی ڈالی جائے کیونکہ آج کل زر کی معیشت کا رواج ہے اور چیزیں زر ہی کے معاوضے میں خریدی جاتی ہیں - کسی ملک کی مالی حالت کا اندازہ لگانے کے لیے عام طور پر وہاں کی قومی آمدنی یا آمدنی فی‌کس کے اعداد پیش کیے جاتے ہیں - بدقسمتی سے ہندوستان کی قومی آمدنی کے متعلق کوئی بھروسے کے قابل اعداد و شمار دستیاب نہیں ہوتے- پھر بھی مختلف اوقات میں مختلف معاشیین، نے جو اعداد پیش کیے ہیں اُن سے اِس امر کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہو سکتا ہے کہ ملک کی مالی حالت کیا ہے-

قومی آمدنی | ہندوستان کی قومی آمدنی کا اندازہ پہلے پہل ۱۸۶۷-۷۰ع میں دادابھائی ناروجی نے لگایا تھا - بدقسمتی سے اُنھوں نے یہ اندازہ پاؤنڈوں میں لگایا اور یہ بتلایا کہ ہندوستان میں فی‌کس سالانہ آمدنی ۲پاؤنڈ ہے- پاؤنڈوں میں آمدنی کے شمار سے چند پیچیدگیاں اور غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ پاؤنڈ اور روپیے کی شرح مبادلہ وقتاً فوقتاً بدلتی رہتی ہے- جس وقت مسٹر ناروجی نے قومی آمدنی کا تخمینہ کیا تھا اُس وقت روپیے کی شرح مبادلہ ۲ شلنگ یا

۱۰ روپیے في پاؤنڈ تهی - اِس لیے اُسوقت کي قومی آمدني ۲۰ روپیے تصور هوگي - گزشته جنگ عظیم سے پہلے کي آمدنی کو روپیوں میں ظاهر کیا جائے تو یه ۳۰ روپیے فيکس سالانه هوتي هے- کیونکه ۱۸۹۸ع تا ۱۵-۱۹۱۴ع شرح مبادله ایک شلنگ ۴ پینس فی روپیه یا ۱۵ روپیے في پاؤنڈ تهی - اِس حساب سے اگر اِس رقم کو روپیوں میں تبدیل کیا جائے تو هندوستان کي قومی آمدني ۱۸۷۰ع میں فيکس ۳۰ روپیے سالانه تهي جو موجوده شرح مبادله یعني ۱ شلنگ ۶ پینس کي شرح سے بهي زیاده هوتي هے-

پہلے اندازے کے ربع صدي بعد لارڈ کرزن نے ۱۹۰۰ع میں یه اندازه لگایا که هندوستان کي قومي آمدنی ۳۰ روپیے في کس سالانه هے- اُس وقت چونکه شرح مبادله ۱۵ روپیے فی پاؤنڈ تهي - اِس لیے اگر اُس آمدنی کو پاؤنڈوں میں ظاهر کیا جائے تو یه مسٹر ناروجي کے اندازے کے مطابق صرف ۲ پاؤنڈ هوتي هے-

گزشته جنگ عظیم سے قبل پروفیسر واڈیا اور جوشي نے اندازه لگایا تها که هندوستان کي سالانه آمدنی فيکس ۴۴ روپیے ۸ آنے هے- اِس کے بعد پروفیسر شاه اور مسٹر کمباٹا نے ۱۹۲۲ع میں یه اندازه لگایا تها که هندوستان کي خالص آمدني فيکس ۶۷ روپیے هے-

آمدني کے اِن اندازوں سے ملک کي آمدني اور غربت کے متعلق کئي اهم امور کا پتا چلتا هے- همیں یه معلوم هوتا هے که ۱۸۷۰ اور ۱۹۰۰ع کے درمیان ملک کي آمدني میں کوئي قابل لحاظ اِضافه نهیں هوا، بالخصوص جب که هم شرح مبادله کو پیش نظر رکهیں- یه وه زمانه تها جب که هندوستان مختلف قحطوں کا شکار رها - قحطوں کے باوجود ملک کي آبادی میں جو ۲۰ في صد کا اِضافه هوا اُس نے آمدني کے اِضافے کو کالعدم کردیا - هم دیکهتے هیں که ۱۹۰۱ اور ۱۹۲۲ع کے درمیان هندوستان کي قومي آمدني میں خاصا اِضافه هوا اور یهي وه زمانه تها جب که ملک کی آبادی میں بهت هي کم اِضافه هوا - ۱۹۰۱ع میں هندوستان کي آبادي ۲۹ کروڑ ۴۰ لاکه تهي اور ۱۹۲۱ع میں یه ۳۱ کروڑ ۸۰ لاکه هوگئي- گویا بیس برس کے عرصے میں آبادي میں صرف ساڑهے سات فيصد کا اِضافه هوا - یهی وجه هے که ملک کي فيکس آمدنی میں هم کو نمایاں اِضافه نظر آتا هے- اِس سے پہلے هم بتا

چکے ہیں کہ ۱۹۲۲ع میں مسٹر شاہ اور مسٹر کمباٹا نے ملک کی فی‌کس آمدنی کا اندازہ ۶۷ روپیے لگایا تھا - ۱۹۳۱-۳۲ع میں پروفیسر راو نے اِس سے دو روپیے کم یعنی ۶۵ روپئے کا اندازہ لگایا - یہ ہوسکتا ہے کہ دونوں پروفیسروں کے اندازہ کرنے کے طریق جدا جدا ہوں مگر اِسی عرصے میں ہندوستان کی آبادی میں بہت زیادہ اِضافہ ہوا یعنی یہ ۳۵ کروڑ تک پہنچ گئی-

۱۹۳۱ اور ۱۹۴۱ع کے درمیان ہندوستان میں بہت نمایاں صنعتی ترقی ہوئی لیکن اُس کے باوجود یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ جنگ سے عین قبل ہندوستان کی فی‌کس سالانہ آمدنی ۶۱ روپیے سے زیادہ نہ تھی جو تقریباً اُتنی ہی ہے جتنی کہ ۱۹۳۱-۳۲ع میں تھی - ۱۹۳۱-۳۲ع میں آمدنی کا تخمینہ اُس وقت کیا گیا تھا جب کہ ملک میں کسادبازاری کا دور دورہ تھا مگر ۱۹۳۸-۳۹ع میں ملک کی حالت ۱۹۳۱-۳۲ع کے مقابل زیادہ بہتر تھی اِس کے باوجود قومی آمدنی میں اِضافہ نہیں ہوا، حالانکہ اس عرصے میں صنعتی پیداوار میں ۶۵ فیصد کا اِضافہ ہو چکا تھا - اِن اعداد و شمار سے ہندوستان کی غربت اور پستی کا صاف اندازہ ہوتا ہے- تقریباً بیس برس کے بعد باوجود ملک کی صنعتی ترقی کے قومی آمدنی وہی رہی جو ۱۹۲۲ع میں تھی - ملک کی مجموعی دولت میں جو اضافہ ہوا اُس کو اِضافۂ آبادی نے کالعدم کر دیا کیونکہ ملک کی آبادی اِس عرصے میں ۳۱ کروڑ سے بڑھ کر ۴۰ کروڑ کے لگ بھگ ہوگئی - یعنی یہ کہ گذشتہ بیس برس میں آبادی میں ۲۴ فیصد کا اِضافہ ہوا اور ملک میں صنعتی ترقی اور بعض دوسری کوششوں کے باوجود ہم قومی آمدنی بڑھانے میں کامیاب نہیں ہوئے- اگر ملک کی آمدنی میں کبھی حقیقی اِضافہ ہوا ہے تو وہ ۱۹۰۰ اور ۱۹۲۲ع کے درمیان - اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ملک کی آبادی میں بہت کم اِضافہ ہوا -

نئی نئی چیزوں کا اِستعمال

یہ کہا جاتا ہے کہ ملک میں گزشتہ ۲۰، ۲۵ برس میں بےشمار نئی نئی اشیا کا رواج ہوگیا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کی آسائشیں بہت زیادہ بڑھ گئی ہیں اور بہت سی چیزیں بازار میں اب ایسی رائج ہو گئی ہیں جنھیں ادنیٰ طبقے کے لوگ بھی اِستعمال کر رہے ہیں - عیش و عشرت کی چیزوں میں

بھی بے حد اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً بجلی کا سامان، ریڈیو، گراموفون اور دیگر بہت سی اشیا جو شہروں میں نظر آتی ہیں - دیہات بھی اِس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے - وہاں کی خودکفیل معیشت میں تبدیلیاں ہو رہی ہیں اور اُس کی جگہ اب زر کی معیشت لے رہی ہے۔ ہندوستانی دیہاتوں کے متعلق جو مدتوں کی روایتیں چلی آ رہی تھیں وہ اب باقی نہیں رہیں اور یہ جو کہا جاتا تھا کہ دیہات کی خود ایک علاحدہ دنیا ہے جس کو باہر کی دنیا سے تعلق نہیں رہا، یہ صورت حال اب باقی نہیں رہی ہے - ہم دیکھتے ہیں کہ دور دراز کے دیہات بھی جو حمل و نقل کی سہولتوں سے دور ہیں وہاں بھی عورتیں جاپانی کپڑا، چوڑیاں اور اور بہت سی باہر کی بنی ہوئی چیزیں استعمال کرنے لگی ہیں - بیل گاڑیوں کی جگہ موٹرلاریاں لے رہی ہیں -

اِن تمام چیزوں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ ملک میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے، لیکن دوسری طرف ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ دیہی معیشت میں بعض ایسی تبدیلیاں بھی واقع ہوئی ہیں جن کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جا سکتا اور جن کے برے اثرات مترتب ہو رہے ہیں - یہ صحیح ہے کہ غریب لوگ بعض ایسی آسائشوں سے مستفید ہو رہے ہیں جو پہلے اُن کے آبا و اجداد کو میسر نہ تھیں- لیکن جیسی خوراک اُن کے آبا و اجداد کو ملتی تھی ویسی اب اُن کو نہیں ملتی - مثلاً شمالی ہند میں خالص گھی اور دودھ اوسط درجے کے لوگوں کو تو کیا آج اچھے درجے کے لوگوں کو بھی نہیں ملتا - جب یہ زر کی معیشت جاری نہ ہوئی تھی تو زندگی کی عمدہ اور صحت بخش چیزیں اکثر و بیشتر دیہاتوں میں میسر آتی تھیں - یہ صحیح ہے کہ ۱۸۸۰ء اور ۱۹۲۲ع کے درمیان آمدنی میں دگنا اضافہ ہو گیا ہے، لیکن اُسی عرصے میں لوگوں کی ضروریات بھی بڑھ گئی ہیں پہلے زندگی سادہ اور ابتدائی قسم کی تھی اور لوگوں کی ضروریات گنی چنی تھیں - اب لوگوں کی ضروریات بڑھ رہی ہیں اور اِس کے ساتھ ساتھ قیمتوں میں بھی اضافہ ہو رہا ہے- اگر آمدنی بڑھ جائے اور اُس کے ساتھ ساتھ مصارف زندگانی اور اجناس کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہو جائے تو کوئی بہتری کی صورت پیدا نہیں ہوتی - اس چیز کو اب سب لوگ جنگ کی وجہ سے محسوس کرنے لگے ہیں -

جنگ اور قومی آمدنی

اخبار ''کامرس'' کے ایک محقق نے اندازہ لگایا ہے کہ ۴۳-۱۹۴۲ء میں ہندوستان کی قومی آمدنی فی کس ۱۴۲ روپئے ہوگئی ہے۔ ہم یہ پہلے بتا چکے ہیں کہ ۳۹-۱۹۳۸ء میں اُسی محقق کے اندازے کے مطابق قومی آمدنی ۹۹ روپئے فی کس سالانہ تھی۔ اگر ہم یہ مان لیں کہ ۱۴۲ روپئے کا اندازہ درست ہے تو اِس سے یہ پتا چلتا ہے کہ آمدنی میں جنگ کے پہلے کی نسبت دگنے سے کچھ زیادہ اِضافہ ہوا ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اشیا کی قیمتوں میں کم سے کم تگنا اِضافہ ضرور ہوگیا ہے۔ اور بعض اشیا کی حد تک تو یہ اِضافہ تگنے سے بھی زیادہ ہے۔ اِس لیے دوران جنگ میں قومی آمدنی بڑھنے کے باوجود ملک کی غربت گھٹی نہیں ہے بلکہ کچھ بڑھ گئی ہے۔ اوسط طبقے کی حالت، جن کی آمدنی میں جنگ کے دوران میں چنداں اِضافہ نہیں ہوا، بالخصوص مقررہ آمدنی والے طبقے کی حالت تو ناگفتہ بہ ہو رہی ہے۔ مزدورپیشہ طبقے کی حالت بھی چنداں تسلی بخش نہیں ہے۔ عام غیر مہارت یافتہ مزدوروں کی اجرتوں میں دگنے سے بڑھ کر شائد ہی کچھ اِضافہ ہوا ہو لیکن ضروریات زندگی کے دام تو بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ ۱۹۳۸ء کے مقابلے میں گیہوں کی قیمت تگنی اور چاول کی قیمت پانچ گنی سے زیادہ ہوگئی ہے جس کی وجہ سے معیار زندگانی بہت ہی پست ہو گیا ہے۔ غذائی بحران کی وجہ سے بنگال میں جو صورت حال پیش آئی ہے وہ مالتھس کے نظریے کو پوری طرح ثابت کرتی ہے۔

بہار، مدراس، ٹراونکور، کوچین، ملابار اور بمبئی میں بھی غذا کی سخت قلت محسوس ہو رہی ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی رحمت کے بجائے لعنت بن رہی ہے۔ گزشتہ دو تین برس سے ملیریا کی وبا بھی پھیل رہی ہے۔ ایک طرف تو ملک میں کونین کی کمی ہے اور دوسری طرف عوام کی قوت مدافعت کم ہونے کی وجہ سے وہ بیماریوں کا آسانی سے شکار ہو رہے ہیں۔ اِنھیں خطرات سے مالتھس نے ہم کو متنبہ کیا ہے۔

صنعتی ترقی کے باوجود هم دیکھ رهے هیں که ملک کے معیار رهائش میں اضافه نهیں هوا اور زراعت پر آبادی کا دباو بڑھ رها هے-

هندوستان کے افلاس کا اندازہ همیں اُس وقت هوتا هے جب که هم اِس ملک کی قومی آمدنی کا دیگر ممالک سے مقابله کریں - ذیل میں هم ایک جدول پیش کرتے هیں جس سے پتا چلتا هے که :

چین کے اِستثنا کے ساتھ جس کے اعداد و شمار نا قابل حصول هیں؛ دوسرے ممالک کے مقابلے میں هندوستان میں معیار زندگی سب سے زیادہ پست هے:—

هندوستان کي قومي آمدني کا دوسرے ممالک سے مقابله

ملک	سال زیر بحث	آمدني پونڈ میں
هندوستان	۱۹۳۱	۵
اِنگلستان	,,	۷۶
آسٹریلیا	,,	۶۰
ممالک متحدۂ امریکا	۱۹۳۳	۸۹
فرانس	۱۹۳۸	۴۱
زیکو سلاویا	۱۹۲۵	۳۵
ڈنمارک	۱۹۲۷	۵۵
جرمني	۱۹۲۵	۳۹
اِطالیا	۱۹۲۷	۲۴
مصر	۱۹۲۸	۲۱
جاپان	۱۹۲۵	۲۲
بلغاریا	۱۹۳۲	۹
روس	۱۹۰۵	۱۰

هم دیکھ رهے هیں که هندوستان کے مقابلے میں اِنگلستان کی آمدنی پندرہ گنا زیادہ هے- هندوستان میں قومي تنظیم کا مقصد کلیتاً یهي هونا چاهیے که معیار زندگي کے اِس پست ترین درجے کو بلند کیا جائے اور همیں کوشش کرني چاهیے که آئندہ دس سال کي مدت میں اِس معیار کو دگنا کردیں-

کہا جاتا ہے کہ مسلمی مابعد جنگ کا مقصد یہ ہے کہ ہر فرد بشر کو چار آزادیاں عطا کی جائیں اور سب سے اہم آزادی جو درکار ہے وہ اُس خوف کا اِزالہ ہے جو بھوک اور غربت کی بناپر پیدا ہوتا ہے۔ اِس کام کی دقت کا اندازہ اِس حقیقت سے ہوسکتا ہے کہ ۱۹۳۴ع میں انگلستان کے نامی پارک میں مسٹر رونٹری (Rowntry) نے تخمینہ کیا تھا کہ ایسے خاندانوں میں جہاں بچوں کی تعداد تین ہے ۲ء ۱۵ فیصد بچوں کے لیے مناسب غذا کی فراہمی، اور ایسے خاندانوں میں جہاں بچوں کی تعداد چار ہے ۳۴ فیصد بچوں کے لیے ناگزیر ضروریات زندگی کی فراہمی مشکل ہے۔ ہمارے پیش نظر کام کی دقت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ اعداد بہت کافی ہیں۔ اِنگلستان جیسے دولتمند ملک میں، جہاں کی قومی آمدنی ہندوستان کے مقابلے میں ۱۵ گنا زیادہ ہے ایسے خاندانوں میں جہاں چار بچے ہوں اگر ۳۴ فیصد بچوں کے لیے اشیاے مایحتاج کی فراہمی مشکل ہے، تو ہندوستان کی صورت حال کیا ہوگی جہاں انگلستان کے مقابلے میں شرح پیدائش تو بلندتر لیکن شرح آمدنی پست‌تر ہے ؟ ہم اِس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہندوستان کے مقابلے میں اِنگلستان میں معیشت کے مصارف بہت زیادہ ہوتے ہیں لیکن جملہ متعلقہ اُمور کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اِسی نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اِس ملک میں غربت اور دوسرے مصائب بہت زیادہ ہیں لہذا قومی زندگی کو اِس لعنت سے نجات دلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

آمدنی کی غیر مساوی تقسیم

اول تو ہندوستان میں فی کس سالانہ آمدنی بہت ہی معمولی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ اس آمدنی کی تقسیم بھی نہایت غیر مساویانہ ہے۔ پر مسٹر شاہ اور کمباٹا ہندوستان میں قومی آمدنی کی غیر مساویانہ تقسیم کو ظاہر کرتے ہوئے حسب ذیل اعداد پیش کرتے ہیں :—

ملک میں چھ ہزار افراد ایسے ہیں جن کی فی‌کس سالانہ آمدنی ۰۰۰ء۱۵۰ روپیے ہے۔ یہ مجموعی طور پر ۰۰۰ء۰۰۰ء۹۰ روپیے کماتے ہیں اور ۰۰۰ء۳۰ نفوس کی پرورش کرتے ہیں۔ ۰۰۰ء۲۳۰ افراد ایسے ہیں جو انکم ٹکس ادا کرتے ہیں اور ان کے ذمے ۰۰۰ء۱۵۰ء۱، افراد کی

پرورش هے- ۲۷۰۰۰۰۰ ایسے زراعت پیشه افراد جو انکم تکس سے مستثنی هیں' ان کی امدنی اتنی هے که اس پر یه تکس عائد کیا جاسکتا هے- ان کی فی‌کس سالانه آمدني ۵۰۰۰ روپیه هے اور مجموعي طور پر یه ۱۳۵۰۰۰۰۰۰۰ روپیے کماتے هیں اور ان کے ذمے ۱۰۳۵۰۰۰۰ نفوس کي پرورش هے- ۲۰۰۰ ۰۰۰' افراد جن کی فی‌کس سالانه آمدنی ۱۰۰۰ روپیه هے مجموعي طور پر ۲۵۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ روپیے کماتے هیں اور ان کے تفویض ۱۲،۵۰۰،۰۰۰' افراد کی پرورش هے- ۳۵،۰۰۰،۰۰۰ افراد ایسے هیں جن کي فی‌کس سالانه امدني ۲۰۰ روپیے هے یه مجموعي طور پر ۷۰،۰۰،۰۰،۰۰۰ روپیے کماتے هیں اور ۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰ افراد کي پرورش ان کے تفوض هے- باقي افراد کي اوسط سالانه آمدني ۵۰ روپیے فی‌کس هے اور بحیثیت مجموعي وه ۸۲۵ کروڑ روپیے کماتے هیں -

ان اعداد سے یه نتیجه نکلتا هے که ملک کی ایک تهائي سے کچھ زیاده دولت سے یہاں کي آبادي کا صرف ایک فیصد حصه مستفید هوتا هے- اگر زیر پرورش افراد کو شامل کیا جائے تو زیاده سے زیاده آبادی کے ۵ فیصد حصے کے پاس ملک کي ایک تہائی دولت رهتی هے ملک کی دولت کا ۳۵ فیصد حصه آبادی کے صرف ایک تہائي حصے (زیر پرورش افراد کو شامل کرتے هوئے) کے قبضے میں رهتا هے- برطانوي هند کي آبادی کا ۶۰ فیصد حصه ملک کی دولت کے صرف ۳۰ فیصد حصے کا مالک هے-

یہاں یه بتادینا ضروري هے که آمدنی فی‌کس ملک کے مختلف حصوں میں مختلف هے- ایسے صوبے جہاں تجارتی فصلوں کي کاشت هوتي هے اور جو صنعتي ترقي کے میدان میں نسبتاً آگے هیں جیسے بمبئی، سندھ، پنجاب، آسام، صوبۂ متوسط و برار - یہاں آمدنی فی‌کس به نسبت دوسرے علاقوں کے زیاده هے-

کسی ملک کی خوشحالي یا افلاس کو معلوم کرنے کے، آمدنی فی‌کس کے علاوه اور بھی کئي طریقے هیں - مثلاً یه معلوم کرنا چاهیے که ملک کے باشندوں کو کیسي غذا مل رهي هے- اهل ملک کتنا دودھ استعمال کرتے هیں اور یه که ملک میں کپڑے کا کتنا خرچ هے- اب هم ان تینوں طریقوں سے هندوستان کی غربت کا حال معلوم کریں گے-

ناقص غذا

ناقص غذا کے سلسلے میں ۱۹۳۳ع میں انڈین مڈیکل سروس کے ڈائرکٹر میجر جنرل سرجان میگانے یہ اندازہ لگایا تھا کہ صرف ۳۹ فیصد باشندوں کی غذا متوازن اور معیاری ہے۔ ملک کے ۴۱ فیصد باشندوں کو ناقص اور غیرمتوازن غذا ملتی ہے اور ملک کے ۲۰ فیصد باشندے ایسے ہیں جو بالکل ناقص، غیرمتوازن اور کم پیٹ غذا استعمال کرتے ہیں۔ ہندوستان کے ۸ کروڑ باشندے ہمیشہ بھوک کی مصیبت میں مبتلا رہتے ہیں اور صوبۂ بنگال کے ۷۸ فیصد باشندے ایسے ہیں جن کو ہمیشہ کم پیٹ غذا ملتی ہے بمبئی کے ناظم زراعت ڈاکٹر ہیرلڈ ایچ۔ مین نے اپنی ملازمت کے اختتام پر ہندوستان کے نام یہ پیام دیا تھا—' اس وقت تک کوئی کارروائی نہیں کی جاسکتی جب تک حکومت اور مصلحین قوم یہ نہ سمجھ لیں کہ زراعت پیشہ آبادی کی خوشحالی کا راز اس کے پیٹ بھرنے میں ہے ہندوستان کی ترقی کی راہ میں خالی پیٹ سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اس ملک سے رخصت ہونے سے پہلے میں اس امر پر زور دینا چاہتا ہوں کہ تمام کوششیں لوگوں کا پیٹ بھرنے پر مرکوز کردی جائیں' ۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ ''میرا آخری پیام اس ملک کے باشندوں، قومی کام کرنے والوں اور ارباب حکومت کے لیے یہی ہے کہ کوئی ایسی تدبیر کریں کہ کسان کو کافی خوراک مل سکے''۔

ڈاکٹر ڈبلیو۔ آر۔ اکرائڈ کہتے ہیں کہ ''ہندوستان غذا کی حد تک کبھی بھی خود مکتفی نہیں رہا۔ یہاں کے باشندوں کو پیٹ بھر کر کھانا میسر نہیں ہوتا''۔ ان کے اندازے کے مطابق ۳۰ فیصد آبادی ایسی ہے جس کو عام حالات میں پیٹ بھر کر غذا نہیں ملتی۔ صوبۂ بنگال کے باشندوں کی ناقص غذا کے متعلق سرجان میگا کی یہ رائے ہے کہ ''بنگال کے دیہاتی بڑی مقدار میں ایسی غذا استعمال کرتے ہیں جس کو کھاکر چوہے بھی چند ہفتے سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتے''۔

دودھ کا خرچ

کسی قوم کی صحت کی حالت کو دیکھنے کے لیے وہاں دودھ کے صرف کے اعداد و شمار کا مطالعہ نہایت مفید ہوتا ہے کیونکہ دودھ ایک ضروری و مفید غذا ہے جس سے بدن میں مدافعت پیدا ہوتی ہے۔ اور بچوں کی مناسب نشو و نما کے لیے اس کا استعمال بہت ہی

مفید ہے- ذیل کے جدول سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر و بیشتر ممالک جن کے اعداد و شمار آسانی سے دستیاب ہوسکتے ہیں - اِن میں دودھ کے صرف کی حد تک ہندوستان کا درجہ بہت ہی گھٹا ہوا ہے:—

ملک	دودھ کا صرف (اونسوں میں)	[ایک اونس تقریباً نصف چھٹانک کے برابر ہوتا ہے]
نیوزی لینڈ	۵۶	
ڈنمارک	۴۰	
آسٹریلیا	۳۵	
کنیڈا	۳۵	
ہالینڈ	۳۵	
ممالک متحدۂ امریکا	۳۵	
بلجیم	۳۵	
جرمنی	۳۵	
فرانس	۳۰	
انگلستان	۳۹	
ہندوستان	۷	

کپڑے کا خرچ کسی ملک کی معاشی مرفہ الحالی کا اندازہ لگانے کے لیے فی‌کس کپڑے کے اوسط خرچ کے اعداد بھی بہت مفید ثابت ہوتے ہیں کیونکہ کپڑا بھی اہم‌ترین ضروریات زندگی کی چیز ہے- ذیل کے اعداد سے ہندوستان کی پستی کا اندازہ ہوتا ہے- یونان کے علاوہ ہندوستان میں کپڑے کا خرچ تمام ممالک سے کم ہے:

ملک	سالانہ خرچ فی‌کس (گزوں میں)
امریکا	۶۴
کنیڈا	۳۷٫۷
سویڈن	۳۶
جرمنی	۳۴
اٹلی	۳۰٫۶
ڈنمارک	۳۰
جاپان	۲۱٫۴

مصر	۱۹٫۱
برازیل	۱۸٫۹
عراق	۱۹٫۹
هندوستان	۱۹٫۱
یونان	۱۵

افلاس کے اثرات ملک کي معيشت پر

هندوستان کي مفلسی کي وجه سے اس کی معيشت بهت بری طرح متاثر هو رهي هے- افلاس کي وجه سے ملک میں شرح اموات بهت بڑھي هوئي هے- هر سال لاکهوں انسان ایسی بیماریوں سے مر جاتے هیں جن کا آسانی سے علاج کیا جاسکتا هے- اگر لوگوں کي قوت مدافعت اچھي هو تو وه اُن کے مهلک حملوں سے محفوظ ره سکتے هیں - ایک ماهر نے صورت حال کو خوب واضح کیا هے جب که اُس نے یه کها که هندوستان میں کونین گراں اور اِنساني جانیں سستي هیں - هر سال لاکهوں آدمی ملیریا سے مرجاتے هیں - بیماریوں سے لوگوں کي کارکردگي متاثر هوتي هے اور قوت پیداوار میں کمي هو جاتي هے- یه هماري غربت هي کا نتیجه هے که هندوستان میں شرح اموات اِس قدر بڑھي هوئي هے اور لوگوں کي اوسط عمر بهت کم هے- هندوستان میں اوسط عمر صرف ۲۹ سال هے- اِس کے برعکس انگلستان میں لوگوں کي اوسط عمر ۵۸ سال هے-

غربت کی وجه هي سے بچوں کو عام تعلیم نهیں دلائي جاسکتي جس کا نتیجه یه هے که هندوستان کي صرف ۱۲ فیصد آبادی خوانده هے- اس کے مقابلے میں دنیا کے اکثر و بیشتر مهذب ممالک میں آبادي کا کم و بیش ۹۰ فیصدي حصه خوانده هے- هندوستان میں زراعت سب سے اهم پیشه هے لیکن کاشتکار اِس قدر غریب هے که وه اپني زمین کو اچھي طرح کاشت نهیں کرسکتا - نه اس میں کنواں کهودنے کي همت هے اور نه ایسي فصلیں اگانے کي جن میں زیاده کهاد دی جاتي هے اور جن کے اخراجات زیاده هوتے هیں - نتیجه یه هے که پیداوار في ایکڑ بهت هي کم هے- همارے ملک کی زرعی کارکردگی بهت هی معمولي هے- ذیل میں ایک جدول دیا جاتا هے جس میں هندوستان کي اهم فصلوں کي پیداوار في ایکڑ کا دوسرے ملکوں سے مقابله کیا گیا هے :—

پیداوار فی ایکڑ (پاؤنڈوں میں)

اجناس	ہندوستان	برطانیہ	جاپان	متحدۂ امریکا	آسٹریلیا	کنیڈا	مصر	اطالیہ
گیہوں	۹۳۶	۱۸۹۰	...	۸۳۶	۷۱۳	۹۷۲	..	...
چاول	۷۲۸		۲۰۳۵	۱۷۷۱	...	...	...	۱۲
جو	۹۵۰	۱۳۸۸	۱۵۰۰	۱۲۰۰	۱۲۵۷	.	۲۰۰۱	۳۲۵۸
روئی	۱۰۲	...	...	۱۳۱	...	۱۳۳۳	۱۳۳	۶۷۲

اِس وقت نہ ملک میں خاطرخواہ سڑکیں ہیں اور نہ اُتنی ریلیں ہی ہیں جتنی کہ ہم کو ضرورت ہے۔ ہماری زراعت نہایت ہی پست حالت میں ہے اور ہماری صنعتیں اِس لیے ترقی نہیں کرسکتیں کہ صنعتی پیداوار خریدنے کے لیے لوگوں میں قوت خرید نہیں ہے او یہ سب کچھ اِس لیے ہے کہ ملک غریب ہے۔ اور خود غربت اِس لیے ہے کہ ملک کے ذرائع پیداوار کو ترقی نہیں دی گئی - یہ سب ایک ضدی چکر ہے۔

ہندوستان سے اِفلاس دور کرنے کے لیے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ہم اُس کے چند اہم اسباب پیش کردیں تاکہ صحیح طور پر اُن کا اِزالہ کیا جاسکے۔

ہندوستان کی مفلسی کے اہم اسباب

جہاں کہیں ہندوستان کی مفلسی کا ذکر آتا ہے اُسے یہ کہ کر ٹال دیا جاتا ہے کہ ہندوستان کی مفلسی کا اہم ترین سبب اُس کی غلامی ہے۔ جب تک وہ غلام رہے گا مفلس بھی رہے گا - گویا ہندوستان کی مفلسی کا واحد سبب اُس کی سیاسی غلامی ہے۔ اگر اسے صحیح تصور کر لیا جائے تو اِس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جوں ہی ہندوستان آزاد ہو جائے گا اُس کے گوشے گوشے میں خوشحالی پھیل جائے گی - اِس میں شک نہیں کہ ہندوستان کی سیاسی غلامی اس کی معاشی ترقی میں ایک بڑی رکاوٹ ہے جسے دور کرنے سے معاشی ترقی کی راہیں زیادہ ہموار ہوجائیں گی، لیکن محض سیاسی آزادی حاصل کرنے سے غربت سے نجات نہیں ملتی - زار کے زمانے کا روس سیاسی طور پر تو کلیتاً آزاد تھا لیکن وہاں اِفلاس کی بدترین صورت نظر آتی تھی - اِس لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اِفلاس کے دوسرے اسباب معلوم کریں تاکہ سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد اِنہیں دور کرکے ملک کی حالت کو بہتر

بتایا جاسکے - میری ذاتی رائے میں ہندوستان کی موجودہ غربت کا سب سے بڑا سبب اُس کی بڑھتی آبادی ہے- ہندوستان کی آبادی میں جس سرعت کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے وہ ملک کے لیے نہایت ہی خطرناک ہے- اس مسئلے پر یہاں تفصیل سے بحث کرنے کا موقع نہیں ہے- میں نے اس مضمون پر حال ہی میں ۳۰۰ صفحے کی ایک کتاب شائع کی ہے جس میں اس کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی ہے- یہاں یہ بیان کردینا مناسب ہوگا کہ موجودہ جنگ نے اس صورت حال کو واضح کردیا ہے کہ باوجود اس کے کہ ہندوستان ایک عظیم‌تر زرعی ملک ہے وہ باشندوں کی غذائی ضروریات کی حد تک خود مکتفی نہیں ہے جنگ سے پہلے بڑی ہندوستان اکثر اجناس بالخصوص چاول درآمد کیا کرتا تھا اب جب کہ ملک کی آبادی میں کئی کروڑ کا اضافہ ہوگیا ہے صورت حال ابتر ہوگئی ہے-

ملک کی غربت کا دوسرا اہم سبب ملک کا ساہوکاری نظام ہے- ہندوستان کا کاشتکار اپنے لیے نہیں کماتا بلکہ ساہوکار کی جیبیں بھرنے کے لیے کماتا ہے- جس گاؤں میں جاؤ وہاں بہترین مکان ساہوکار کا ہوگا حالانکہ وہاں کے کاشتکار اِنتہائی پستی کی حالت میں رہتے ہیں - اِس امر کی سخت ضرورت ہے کہ کاشتکاروں کو ساہوکاروں کے پنجے سے چھڑایا جائے اور ان کے لیے قرضے کی سہولتوں کا اِنتظام کیا جائے ہندوستان کی زراعت جو ملک کی سب سے بڑی صنعت ہے اور جس پر ہندوستان کے ۷۰ فیصدی سے زیادہ باشندوں کا دارومدار ہے اس کے لیے اصل کی بڑی کمی ہے- کاشتکاروں کے پاس اتنا اصل نہیں کہ وہ اپنی زمینوں کی حالت کو بہتر بناسکیں - ذرائع حمل و نقل کی ابتر حالت ملک کی ترقی کی راہ میں زبردست رکاوٹ ہے جسے جلد سے جلد دور کرنے کی ضرورت ہے-

ہندوستان کی موجودہ غربت کا ایک اور سبب اُس کی صنعتی پستی ہے- ملک میں وسیع پیمانے پر صنعتیں جاری کرنے کی ضرورت ہے- قدرت نے ہندوستان کو مختلف قسم کی خام اشیا کی دولت سے مالا مال کیا ہے- کوئی وجہ نہیں کہ ہم اِن خام اشیا کو ملک ہی میں صنعتی اشیا میں منتقل نہ کریں - اِس سے دو فائدے ہوں گے- کاشتکاروں کو اُن کی پیداوار کی اچھی قیمت ملے گی اور لوگوں کے لیے روزگار کے ذرائع بھی وسیع ہو جائیں گے-

یہاں کا کاشتکار سال میں ۱۵۰ تا ۱۰۰ دن کام کرتا ہے۔ باقی ایام میں اُسے بیکار رہنا پڑتا ہے۔ اگر دیہات میں برقی قوت پہنچائی جائے تو کئی ایسی صنعتیں قائم کی جاسکتی ہیں جن میں کاشتکار اِن بیکاری کے ایام میں مشغول کیے جاسکتے ہیں۔ لہذا اِس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اِس جنگ کے ختم ہو جانے پر ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ابھی صرف سیاسی جنگ ختم ہوئی ہے اور غربت اور اِفلاس کے خلاف ہمیں ایک زبردست لڑائی لڑنا ہے۔ جب ہم قتل و غارت پر اِس قدر روپیہ صرف کرسکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ملک کے چالیس کروڑ باشندوں کو بھوک اور فاقے کی مصیبت سے بچانے اور غربت و تنگدستی سے نجات دلانے کے لیے کیوں نہ جنگ کریں اور اُس پر حسب ضرورت روپیہ صرف کرنے سے دریغ کریں ؟

افلاس کیوں کر دور کیا جاسکتا ہے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندوستان کو مفلسی کی لعنت سے کیونکر نجات دلائی جاسکتی ہے۔ حکومت وقتاً فوقتاً مختلف قسم کی تدابیر ملک کی خوشحالی کے لیے اختیار کرتی رہی، لیکن ان سے چنداں حوصلہ‌افزا نتائج مترتب نہیں ہوئے - کاشتکاروں کی حالت کو بہتر کرنے کے لیے تنظیم دیہی کا کام شروع ہوا - اور بدقسمتی سے یہ سمجھ لیا گیا کہ کاشتکار مچھر دانوں کا اِستعمال شروع کردیں، گوبر کو بطور ایندھن جلانے کے بجائے اُسے بطور کھاد اِستعمال کریں اپنے مکانوں میں روشندانوں اور کھڑکیوں کا اِنتظام کرلیں اور اپنے لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو بھی مدرسے بھیجا کریں تو اُن کی نجات ہو سکتی ہے۔

اِن تمام اِصلاحات پر ملک میں صرف چند کروڑ کی رقم کئی سالوں میں صرف کی گئی - اُدھر صنعتی ترقی پر بھی چند کروڑ روپیے خرچ کیے گئے لیکن یہ تمام کوششیں اکارت گئیں اور ان کا اکارت جانا لازمی تھا کیونکہ یہ تمام اقدام بغیر ضروری معاشی معلومات حاصل کرنے کے اُٹھائے گئے تھے۔ یہ بات مسلم ہے کہ ہندوستان کا موجودہ معیار رہائش بہت ہی ادنی ہے اور اِس افلاس کو دور کرنے کے لیے ہمیں کم سے کم یہ کوشش کرنی چاہیے کہ ہم اپنی قومی آمدنی کو، جو جنگ سے پہلے ۶۵ روپیے فی کس تھی، دگنا کردیں - اور یہ کام محض کونین کی گولیوں، مچھر دانوں، کھڑکیوں و روشندانوں اور گوبر کی کھاد سے نہیں ہوسکتا۔ دنیا کے ۱۲، اہم ممالک کے اِجو امداد و شمار

ھمیں دستیاب ھوسکے ھیں اُن سے یہ پتا چلتا ھے کہ قومی اصل و قومی آمدنی میں کم از کم دو اور ایک کی نسبت ھے۔ یعنی اگر ۲۰۰ روپیے مختلف کاروبار میں لگائے جائیں تو ھمیں اُس سے ۱۰۰ روپیے آمدنی حاصل ھوگی - اِس شرح سے ھندوستان کی آمدنی کو دگنا کرنے کے لیے ھمیں دس ھزار کروڑ (۱۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰) یا ایک کھرب روپیے صرف کرنے ھوں گے - جیسا کہ بمبئی کے آٹھ چوٹی کے کاروباری ماھرین نے اپنی اُس یادداشت میں بتایا ھے جو ھندوستان کی معاشی ترقی کے لیے ماہ جنوری ۱۹۴۴ میں مرتب کی گئی تھی۔ وہ لوگ جو صرف لاکھوں یا چند کروڑوں میں سوچنے کے عادی ھیں ، کھرب کا تخیل ھی اُن کے ذھن میں آنا مشکل ھے اور وہ فوراً یہ کہہ اُٹھیں گے کہ یہ تجویز محض شیخ چلی کی منصوبہ بندی ھے - لیکن اگر ھم ٹھنڈے دل سے اِس تجویز کے مختلف پہلوؤں پر غور کریں تو ھمیں یہ کہنا پڑے گا کہ اِس کے مرتب کرنے والوں نے بہت ھی حزم و احتیاط سے کام لیا ھے اور وہ رفتار ترقی جو ملک کے سامنے پیش کی گئی ھے ، اس سے ھمارا مقصد (ملک کی غربت و پست حالی کو دور کرنا) بہت ھی معمولی پیمانے پر اور بہت عرصے کے بعد حاصل ھوگا - اِس وقت ملک کی قومی آمدنی فی کس روزانہ تقریباً تین آنے ھے اور ۲۰ برس کے طویل عرصے کے بعد یہ آمدنی صرف چھ آنے روزانہ ھوسکے گی جو ھماری مشکلات کو دور کرنے اور ضروریات زندگی کی مناسب مقدار مہیا کرنے کے لیے وافر نہیں ھے - انگلستان جس کی آمدنی ھندوستان سے پندرہ گنا زیادہ ھے ، وھاں جیسا کہ اِس سے پہلے بتایا جا چکا ھے ، مسٹر رونٹری نے اندازہ لگایا ھے کہ یارک میں ، اُن خاندانوں میں ، جہاں بچوں کی تعداد تین تھی پندرہ فیصدی بچوں کے لیے مناسب ضروریات مہیا نہیں کی جاسکتی تھیں ۔ اور جن خاندانوں میں بچوں کی تعداد چار تھی ، اُن میں ۳۴ فیصدی بچے مناسب ضروریات سے محروم رھتے تھے - اِن اعداد سے ھمیں اپنے کام اور اُس کی مشکلات کا بخوبی اندازہ

هوجانا چاهیے اور سمجھ لینا چاهیے کہ ابهی هماري منزل کافی دور هے اور ماهرین کی منصوبہ بندی کس محدود حد تک اُس کو پورا کرسکے گی ۔

مذکورۂ بالا تجویز کو رو بعمل لانے میں جو رقم خرچ هوگي اُس کو تین ذرائع سے حاصل کیا جائےگا ۔

۱ — اندرون ملک محاصل ، پس‌اندازي اور قرضے سے ۔

۲ — بیرونی قرضے سے ۔

۳ — زر کي مقدار میں اضافہ کرنے سے ۔

اندرون ملک جو رقم حاصل کي جائےگي اُس کا اندازہ ایک ارب اٹھائیس کروڑ هے - باقي رقم دوسرے دو ذرائع سے حاصل کي جائےگي - اکثر لوگ یہ کہیں‌گے کہ هندوستان ایک غریب ملک هے ۔ اِس لیے اندرون ملک اِتني رقم مہیا نہیں کي جا سکتي۔ لیکن همیں یہ نہ بھولنا چاهیے کہ اِسی وقت دوران جنگ میں هندوستان مجموعي طور پر آٹھ ارب روپئے کي سالانہ رقم مہیا کر رها هے ۔ اس‌لیے کوئي وجہ نہیں معلوم هوتی کہ اگر هم ملک کی ترقي کے لیے کمربستہ هوجائیں تو یہ مہیا نہ هوسکے ۔ جب هم جنگ کے لیے اِس قدر ایثار و قرباني کرسکتے هیں تو ملک کي ترقي کے لیے همیں کیا کچھ نہ کرنا چاهیے ۔ موجودہ جنگی خرچ کے مقابلے میں تو ایک ارب اٹھائیس کروڑ کی رقم بالکل حقیر معلوم هوتي هے اور اِس رقم کو مہیا کرنے کے لیے همیں زیادہ قرباني نہیں کرنی پڑےگي ۔

هندوستان میں غربت اِنتہائي شدید قسم کي هے لہذا اِسے دور کرنے کے لیے همیں انتہائي شدید قسم کے اقدامات کي ضرورت هے اس لیے صرف وهی حکومت اِس راہ میں قدم اُٹھا سکتي هے جس پر عوام کو کلیتاً اعتماد هو جو عوام کے سامنے جواب دہ هو اور اُسے عوام کا درد هو - اِس لیے هندوستان کو سیاسي آزادي کی شدید ضرورت هے کیونکہ سیاسي آزادي کے بغیر ایسے اهم معاشي منصوبے رو بہ عمل نہیں لائے جا سکتے ۔ میرے اِس بیان میں اور پہلے کے

بیان میں کوئی تضاد نہیں ہے - میں اُس گروہ میں سے نہیں ہوں جو ہمیشہ یہ راگ الاپتا رہتا ہے کہ ہندوستان کی بدحالی صرف بیرونی سیاسی اِقتدار کا نتیجہ ہے۔ اگر بیرونی سیاسی اِقتدار یہاں سے ہٹ جائے لیکن ہم اپنی پرانی معاشی پالیسی ہی پر قائم رہیں تو ہم کو اِفلاس سے نجات ملنا دشوار ہے - ہندوستان کو غربت کی لعنت سے نجات دلانے کے لیے اِس امر کی سخت ضرورت ہے کہ ملک کے کاشتکاروں کو ساہوکاروں کے پنجے سے چھڑایا جائے - موجودہ ساہوکار نظام کا قلع قمع کیا جائے اور اُس کے بجائے ملک میں ایسے اِنتظامات حکومت کی جانب سے کیے جائیں کہ ہمارے کاشتکاروں اور کارخانہ‌داروں کو مناسب شرح پر قرض مل سکے تاکہ وہ اپنی پیداوار دولت میں اِضافہ کرسکیں ملک میں وسیع‌تر صنعتی ترقی کے لیے ابھی سے کوششیں شروع کی جائیں، صنعتی اور فنی تعلیم عام کرنے کے علاوہ ملک کے ہر بچے کو تعلیم یافتہ بنایا جائے اور بالغوں کو لکھنا پڑھنا سکھانے کے لیے قومی پیمانے پر مہم جاری کی جائے - ملک میں ریلوں اور سڑکوں کا جال بچھا دیا جائے۔ ذرائع آبپاشی پر خاص توجہ کی جائے اور ملک میں دولت کی جو اِنتہائی غیر مساویانہ تقسیم ہو رہی ہے اُس کی اِصلاح کی جائے اور اُس میں معتدبہ کمی کی جائے - غرض کہ اِفلاس کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا جائے -

میر حسن کا

تذکرۂ شعرائے اُردو

از محمود فاروقی "ابن امین"

میرحسن صرف ایک قادرالکلام شاعر ہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک تذکرہ‌نویس ہونے کی حیثیت سے اُردو کی تاریخ ادب میں بھی ممتاز ہیں۔ جہاں وہ ایک شیریں زبان شاعر تھے وہاں اُن کا مرتبہ انشاپردازی میں بھی مسلم تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میر حسن کی کئی حیثیتیں تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ مثنوی‌نگار کی حیثیت سے اِس قدر مشہور ہوگئے کہ دوسری حیثیتوں سے ماند پڑگئے۔ لیکن تاریخ اُردو کا مورخ اُنہیں بحیثیت تذکرہ‌نویس نظرانداز نہیں کرسکتا۔

اُردو شاعروں کے تذکروں کی ابتدا میر کے "نکات الشعرا" سے ہوتی ہے، اُس سے پہلے صرف اتنا معلوم ہے کہ اہل ذوق اور شعر و سخن سے شغف رکھنے والے اپنی دلچسپی کے لیے بیاضیں رکھا کرتے تھے، جن میں حسب پسند اشعار بطور اِنتخاب لکھ لیا کرتے تھے، اور کبھی کبھی ایک آدھ جملہ بھی اپنے پسندیدہ شاعر کے متعلق لکھ دیا کرتے تھے، اور بس۔ ان بیاضوں میں صرف چیدہ اشعار ہی نہیں ہوتے بلکہ متفرق قسم کی یادداشتیں ہوتی تھیں۔ اِس قسم کی بیاضوں سے اکثر تذکرہ‌نویسوں نے فائدہ اُٹھایا ہے۔

تذکرے اکثر حروف تہجی کی ترتیب سے مرتب کیے جاتے تھے، چنانچہ میر کا تذکرہ بھی اسی نہج پر ہے، سب سے پہلے قائم نے شعرا کی تقسیم طبقات میں کی اور تین طبقے قائم کیے: پہلا متقدمین کا، دوسرا متوسطین کا، تیسرا متأخرین کا۔ میر حسن نے اس کی تقلید کی مگر اس ترمیم کے ساتھ کہ بجائے ساری کتاب تین حصوں میں بانٹ دینے کے ہر ردیف میں تین طبقے قائم کیے۔ اپنے پیش‌رووں کے مقابلے میں اِنہوں نے شعرا خاص کر اپنے معاصروں کے حالات زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں۔ بعض شاعروں کے کلام پر تبصرہ بھی کیا جو بہت بےلاگ ہے۔ اِنہیں چیزوں نے میرحسن کے تذکرے کو بڑی اہمیت دے دی ہے۔

اِس تذکرے کو ۱۹۲۱ء میں انجمن ترقی اُردو نے مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی کے مقدمے کے ساتھ شائع کیا - مولانا نے یہ خیال ظاہر کیا کہ اس کی تالیف و تدوین ۱۱۸۸ء اور ۱۱۹۲ ہجری کے درمیان کسی وقت ہوئی (۱) یہ اِس بنا پر کہ میر حسن اپنے حالات کے سلسلے میں لکھتے ہیں :--

"فقیر درین مدت قریب هفت هشت هزار بیت گفته باشد و یک ترکیب بند" و یک رموزالعارفین گفته است که مقبول دلها گردیده مشهور شده است"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تذکرہ لکھا گیا "رموزالعارفین" تصنیف کر چکے تھے ' اور گلزار ارم اُس وقت تک نہیں لکھی تھی - "رموزالعارفین" کا سال تصنیف ۱۱۸۸ ہجری ہے اور "گلزار ارم" کا ۱۱۹۲ ہجری۔ یہ تخمینہ اپنی جگہ پر درست ہے' لیکن اب یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ میرحسن نے اپنا تذکرہ ۱۱۹۱ھ میں ختم کیا تھا - انجمن نے ۱۹۴۰ء میں تذکرۂ میرحسن کو دوسری دفعہ شائع کیا ہے - اِس دوسری اِشاعت میں وہی پرانا مقدمہ نقل کردیا گیا ہے اور اس کے بعد یہ اِطلاع دی گئی ہے کہ "طبع جدید میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے نسخے سے مطابقت کرکے تصحیح کی گئی ہے" ظاہرا اِسی نسخے میں کتاب کا خاتمہ ملا جو نئی اشاعت کے صفحہ ۲۰۸ میں درج ہوا ہے اور جو اِس طرح شروع ہوتا ہے -

"الحمد للہ و المنۃ کہ این تذکرہ من تالیف فقیر حقیر' پروردۂ آغوش رنج و محن' میرحسن در تاریخ یک هزار و یک صد و نود و یک هجری به اتمام رسید۔"

متقدمین کے طبقے میں فرخ سیر کے عہد تک کے تمام شعرا آجاتے ہیں - اِس دور میں میر حسن نے ریختہ میں شاعری کا رواج دکن سے بتایا ہے ' "باید دانست که ریخته از زبان دکن رواج یافته" لیکن ردیف "خ" میں جب اُنہوں نے متقدمین کا ذکر کیا ہے تو امیر خسرو کا ایک شعر بہ طریق تیمناً و تبرکاً نقل کیا ہے - متقدمین کے پورے دور میں ۳۷ شاعروں کا ذکر ہے -

طبقۂ متوسطین میں آخر عہد فرخ سیر سے ابتدائے عہد محمد شاہ تک کے ۱۳۵ شاعروں کا ذکر ہے۔ یہ دور صنعت ایہام کے لیے نمایاں ہے' میرحسن ایہام کو پسند نہیں کرتے چنانچہ لکھتے ہیں :- "باید دانست

(۱)--- مقدمہ' ص ۲ -

کہ سخن سنجان آن زمان در پے صنعت ایہام می‌بودند و تلاش لفظ تازہ می نمودند، چوں طرز تازہ بود خوش می‌آمد - لیکن اکثرے ازین بحر گوھر شہوار بردند و بعضے، بہ سبب تلاش لفظ، خزف ریزہ بہ کف آوردند - چار و ناچار برائے یادگار قلمی می نماید - معذور باید داشت" - (۱)

طبقۂ متاخرین میں ۱۱۴ شاعروں کا ذکر، ھے یہ دور اُردو شاعری کی تاریخ میں سب سے ممتاز حیثیت رکھتا ھے- تذکرہ اِسی دور میں تصنیف ہوا ھے لیکن مصنف نے اس دور کے شعرا کے علاوہ آنے والے دور کے بھی بہت سے شعرا کو دیکھا تھا -

کتاب کے مختصر دیباچے میں سبب تالیف یہ بتایا ھے کہ ہر صاحب نظر دیکھ لے کہ ریختہ‌گویوں نے معنی‌آفرینی کی کیا کیا بہار دکھائی ھے - پھر اپنے طرز تالیف کے بارے میں کہتے ھیں کہ پہلے ہر شاعر کا حال دریافت کرکے لکھا پھر اُس کے متعلق جو کچھ 'دوستان حقیقت‌داں' سے سنا اُسے لکھ دیا - تذکرے کے دیکھنے سے بھی یہی معلوم ھوتا ھے کہ جو کچھ لکھا ھے یا تو اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر لکھا ھے یا واقف دوستوں سے سن کر - بہت سے شاعر ایسے ھیں جن کے متعلق صاف لکھ دیا ھے کہ اِن کے متعلق مجھے کچھ نہیں معلوم - اگر کسی بات پر پورا یقین نہیں ھے، تو اُس کے بیان میں کوئی ایسا لفظ لے آئے ھیں جس سے مولف کی ذمہ‌داری اُٹھ جاتی ھے، جیسے "می گویند کہ ..." یا "اکثر قوالان این غزل او می خوانند" یا "این شعر بنام او شنیدہ شدہ "-

جس کا حال لکھا ھے اُس کے مرتبے کا لحاظ رکھا ھے اور آداب و داب کے خلاف کوئی لفظ "حسن" کے قلم سے نہیں نکلا ھے - پھر بھی بے‌جا، مدح‌سرائی کسی کی نہیں کرتے - بادشاہ کو عوام کی ردیف میں شامل کرنا ادب کے خلاف جانا اور یہ تکلف کیا کہ شاہ عالم کو، کہ "آفتاب" تخلص کرتے تھے، حرف الف کے ذیل میں نہ لائے بلکہ ایک الگ باب "ذکر اول" قائم کرکے اسے حرف الف سے بھی پہلے رکھا - یہ سب کچھ کیا مگر ان کے کلام کی توصیف ایسے لفظوں میں نہیں کی کہ شعر کے فن میں "آفتاب" کا کوئی درجہ قائم ھو سکے -

---

(۱) تذکرۂ حسن، طبع دوم، ص ۲ - قدرت‌اللہ شوق نے اپنے تذکرے "طبقات‌الشعرا" میں اِس طبقے کو "طبقۂ شعرائے ایہام گو" ھی کہا ھے -

شاعروں کے حالات جن لفظوں میں لکھے ھیں اور اُن کے کلام کی نسبت جو کچھ لکھا ھے اُس سے ھر شاعر کا انداز قد معلوم ھو جاتا ھے - بڑے شاعروں کا ذکر اُن کي شان کے شایاں؛ اوسط درجے والوں کا اُن کي حیثیت کے مناسب - کچھ واھي تباھي لوگ بھي شاعر کہتے تھے - اُن کي حقیقت کھلے لفظوں میں بیان کر دي ھے؛ جیسے: "پوچ و بےمعنی وناموزون مي گوید" یا "رطب و یابس بسیار دارد" (۱)

کتاب میں کل ۳۰۳ شاعروں کا ذکر ھے' جن میں سے دو تین عورتیں بھی ھیں' ایک کا ذکر ردیف "خ" متوسطین میں ھے' جو نواب قمرالدین خاں وزیر هندوستان کي صاحبزادی تھیں اور نواب عمادالملک کي خالہ ھونے کي وجہ سے "خالہ بیگم" کہلاتي تھیں' دوسری: "کھتری زنے گذشتہ است معلوم نیست کہ از کجا ست" تیسری: "حیا تخلص هم کسے گذشتہ است.....اغلب کہ زن باشد -"

هندو شعرا کے ذکر سے یہ بات صاف ھو جاتی ھے کہ ھمارے شعر و ادب کي تعمیر میں صرف مسلمانوں کا ھي ھاتھ نہیں تھا بلکہ هندوستان کی دونوں بڑی قوموں نے ھاتھ بٹایا ھے - اُردو ھندی کي تقسیم تو بعد میں ھوئي ھے' ورنہ بقول حبیب‌الرحمان خاں صاحب شیروانی "ریختہ کہو' اُردو کہو ھندی کہو' جو نام چاھو رکھو' مگر واقعہ یہ ھے کہ هندوستان کي عام رائج زبان هندو اور مسلمان اھل ادب کی محنت مشترکہ کا ثمرہ ھے' اِبتدائے شاعری سے لےکر اِنتہا تک بہ اِشتراک محنت عیاں ھے" - لیکن آج اِس اِشتراک عمل کا شیرازہ ٹوٹتا جاتا ھے -

اِن هندو شاعروں میں بعض تو مسلم‌الثبوت اُستاد تھے' جن کے شاگردوں کي تعداد نہ صرف کثیر ھے بلکہ اُن میں بہت سے بعد میں خود اُستاد قرار پائے - رائے سرب سکھ دیوانہ کی نسبت لکھتے ھیں: "شاعر زبردست فارسي ست' شعر بسیار گفتہ است' اُستاد ریختہ گویان لکھنئو - چنانچہ میاں حسرت و میر حیدرعلي حیران و اکثر دیگران شاگرد او یند' در آنجا مشہور و معروف است" -

---

(۱)—دیکھو: "آشوب" اور "حضور" کے تحت -

جس کے شاگرد حسرت و حیران جیسے قادرالکلام شاعر ہوں ' وہ اُستاد کیوں نہ "شاعر زبردست" ہوگا - افتاب راے رسوا کے بارے میں لکھتے: "کلامش خالی از درد نیست" بندرابن راقم کو کہتے ہیں " بسیار پست قد و بلند فکر است..... بسیار بہ خوبی می گوید " مگر گھاسی رام "خوش دل" کا حال یوں بتاتے ہیں : "طبعش موزون است ' از قافیہ و ردیف واقف نیست"- خلاصہ یہ کہ حسن نے جس کے متعلق جو کچھ کہا ہے بے حیف و میل کہا ہے -

اِن بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اب سے ڈیڑھ سو برس پہلے زبان کے معاملے میں ہندؤوں اور مسلمانوں میں کوئی اِختلاف نہ تھا -

میرحسن کے کلام کی خوبی زبان کی صفائی ' محاورہ بندی ' اور فطری سادگی ہے لیکن اُن کی اِس تصنیف میں فارسی نثر کا اُسلوب اِس کے برعکس ہے اور اُس زمانے کے عام دستور کے مطابق عبارت رنگین اور مرصع ہے - وہ سادگی جو میر کے تذکرے میں ملتی ہے ' یہاں نہیں کہیں کہیں عبارت ایسی پر تصنع ہوگئی ہے کہ عبارت آرائی کتاب کا ایک عیب بن گئی ہے -

تاریخی یا سوانحی مواد کے لحاظ سے یہ پہلا تذکرہ ہے جس سے شاعروں کے حالات کسی قدر تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں ' ورنہ اور تذکرہ نویسوں نے کسی کا حال بہت کم لکھا تھا جس شاعر سے میرحسن خود واقف ہیں اُس کے ذکر میں اپنے ذاتی علم کی بنا پر اکثر کام کی باتیں کہ گئے ہیں - اِس طرح بعض ایسی حکایتیں یا لطیفے اِس کتاب میں آگئے ہیں جو کہیں اور نہیں ملتے مثلاً کلیم کی تصنیفوں کے نام گنا کر کہتے ہیں کہ اِنہوں نے ایک کتاب نثر ہندی میں بھی "ایجاد" کی تھی اور اُس میں سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں : "کل کے دن تھے بادشاہ اور وزیر اور آج کے دن ہو بیٹھے ہیں اندھے ہو بصیر - ایسی دولت سے زینہار ' زینہار - فاعتبروا یا اولی الابصار ."

علی نقی "کافر" کے حال میں لکھتے ہیں کہ پہلے فارسی کہتا تھا "تسکین" تخلص کرتا تھا - اِس سے تسکین نہ پائی ' "جنون" تخلص کیا - جاوید خاں کے ہاں نوکر ہوا تو ریختہ کہنا شروع کیا ایک دن میرے والد نے ظرافت کے طور سے اُس سے کہا : تم فارسی اور ہندی کہ چکے اب عربی کہا

کرو اور ''ملعون'' تخلص کرو - اِس پر [کافر] بہت ہنسا - میرحسن اِسی سلسلے میں یہ بتاتے ہیں کہ علی نقی ''کافر'' تخلص کا لقب ''کافر تُھکا'' کیوں کر ہوگیا تھا - کہتے ہیں: جس شعر سے اُس کا دل متأثر ہوتا اُسے پڑھ کر کہتا ''یہ شعر نہیں ہے ' تُھکا ہے '' - اس وجہ سے شاعروں میں ''کافر تُھکا'' کہا جانے لگا -

کہیں کہیں کسی شاعر کے حال میں ایسی باتیں ملتی ہیں جن سے اس شاعر کے کلام کے متعلق خود اُس کی رائے معلوم ہوتی ہے ' جیسے اجمل الہ‌آبادی کی نسبت یہ کہ ''ریختہ هم می گوید - چوں محاورۂ این زبان جداست ' خود از کم مشقی خود عجز دارد - بسیار منصف مزاج است '' یا شیرعلی افسوس اور خود مصنف کا معاملہ کہ ''هر سخنے نہ می گویم او راہ منصفی درست می داند - فکر اوائل را شستہ الحال شستہ و رفتہ می گوید '' -

سودا کی تعریف میں میر حسن نے بڑی فراخ دلی کا ثبوت دیا ہے - کون نہیں جانتا کہ یہ وہی سودا ہیں جنھوں نے اِن کے والد کی ہجو میں جی بھر کے گل‌فشانیاں کی ہیں - میرحسن نے اُن ناگوار باتوں کا مطلق لحاظ نہیں کیا بلکہ مرزا سودا سے سعادتمندانہ ملتے تھے اور وہ بھی عنایت سے پیش آتے -

حسن نے انصاف اور غیر جانب‌داری کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے - البتہ کہیں معاصرانہ چشمک کا اظہار خود بخود ہوگیا ہے ' مثلاً ''معین'' کے بیان میں جملے نہایت دلچسپ ہیں ' مگر یہاں بھی جو کہا ہے سراسر واقعہ ہے :

''طبع دقت پسندش بر نکتہ‌چینی دیوانہ - اکثر با شعرائے معاصرین پیچش دارد - ''

آگے چل کر لکھتے ہیں :—یکبار بر شعر فقیر اعتراض بیجا نمود - هر چند فہمانیدیم نہ فہمید ' سند مرزا رفیع دادم قبول نہ کرد و گفت دیوان مرزا من صحیح دارم درو این طور نیست ' غرض هر جا کہ همچنین لفظ می باید دیوان اُستاد خود را موافق طبع خود درست کند و سخن خود را سرسبز می نماید ' چون از شہر بداؤن است حق بجانب اوست '

لیکن باوجود این همه خودآرائي و خودپسندی مثل او هم صاحب طبع پیدا نیست ››

میرحسن نے معین کے کلام پر چار جگہ اِعتراض کیا ھے —

(۱) لخت دل نئیں ھے جو لے نکلے ہے نت قاصد اشک

پرزے حال اپنے کے بھیجے ھیں تجھے ڈاک میں ہم

''مضمون نہایت اچھا ھے ' مگر بندش درست نہیں''

(۲) خوش هم عریاني سے اِتنے ھیں برنگ بوے گل

نکلے جاتے ھیں تھہرتے نہیں پوشاک میں ہم

''خوش هم عریانی'' میں ››م‹‹ کے ساتھ ››ر‹‹ اِس طرح مل گئي ھے کہ ››عریانی‹‹ کا ››ع‹‹ ساقط هوگیا ھے اور یہ سخت عیب ھے -

(۳) نہ آیا یار دوپہری بھي اب ڈھلی افسوس

››دوپہری‹‹ محاورہ نہیں - دلی میں ››دوپہر‹‹ کہتے ھیں - دوپہري باھر والوں کي بولي ھے '' -

(۴) بیتاب ھو پتنگ جو فانوس میں ھو شمع

یارب کوئی اسیر بت خانگي نہ ھو

››مضمون خوبے یافتہ مگر لفظ بت‌خانگي نامانوس است - فقیر در هیچ جا نہ شنیدہ ‹‹

میر کا ذکر حسن نے جن لفظوں میں کیا ھے اُس سے ظاھر ھے کہ یہ اُن کو کتنا مانتے تھے ' مگر اُن کي رائے سے بےتکلف اِختلاف کیا ھے - ''خاکسار'' کے اِس شعر میں :

خاکسار اُس کي تو آنکھوں سے گلے مت لگیو

مجھکو اِن خانہ خرابوں هي نے بیمار کیا

››میر‹‹ نے جو اِصلاح دی تھي (کہ بجائے ››بیمار‹‹ کے ››گرفتار‹‹ چاھیے ' اُسے حسن نہیں مانتے بلکہ کہتے ھیں اور بجا کہتے ھیں :—

اگر چشم خود مي بود گرفتار مناسب بود ' چون این جا چشم معشوق است بیماری صحت دارد '

حقیقت یہ ھے کہ میر حسن شاعر اور انشاپرداز هي نہیں تھے بلکہ ایک اعلیٰ درجے کے نقاد بھي تھے' چنانچہ اکثر شاعروں کے ذکرمیں اُن کے کلام کے حسن

و فہم کو واضح اور اساتذۂ اُردو کے امتیاز کو اُجاگر کیا ہے ' اور اُن کے اُسلوب کا مقابلہ اساتذۂ فارسي کے اُسلوب سے بھي کیا ہے ' میر کي طرز کو شفائي کی طرز سے' قائم کی طرز کو طالب آملي کي طرز سے اور میرضیا کي طرز کو نسبتي کي طرز سے مشابہ بتاتے ہیں - اِس کے علاوہ میر حسن نے ایک دور کي شاعري سے دوسرے دور کي شاعری میں جو فرق ہوتا ہے اُس کي طرف بھي ایک لطیف اشارہ ''حاتم'' کے ذکر میں جو دور متوسطین کے صاحب کمال شاعر تھے کیا ہے ' کہ اُنھوں نے دو دیوان ترتیب دیے تھے یکے بہ زبان قدیم بطور ایہام ' دوم بہ زبان حال ادائیہ -''

شعر و شاعري کے متعلق میرحسن کا جو نقطۂ نظر تھا اُس کا اظہار بھی تذکرے میں جابجا ہوا ہے اُن کے خیال میں ایسے شاعر شاذ ہي ہوتے ہیں جن کا ہر شعر قابل اِعتنا ہوسکے ' ''پست و بلند'' ہر شاعر کے یہاں ہے - اِس لیے اِنتخاب ضروری ہے - ''رطب و یابس'' اور ''پوچ و بےمعنی و ناموزوں'' (فرحت و آشوب) کا لحاظ نہ کرنے والا حقیقی شاعر نہیں قرار پاسکتا ہے ' شاعر کے لیے کلام میں ''ربط اور استواری'' (ثناءاللہ فراق و فضل‌علي ممتاز) پیدا کرنا بھی لازم ہے ' پٹے ہوئے لفظوں اور بندھے ٹکے محاوروں کي بھرمار سے شاعري کي رگوں سے خون رفتہ رفتہ سوکھتا جاتا ہے اِس لیے شاعر کو اِدھر بہت دھیان دینا چاہیے ' ''تلاش حرف تازہ'' (غلام‌احمد ملشی) سے شاعری میں نیا خون پیدا ہوتا ہے ' اور ''مضامین تازہ کي جستجو'' شاعر کو بلند فکر بناتي ہے ' اور علو فکر سے نئے اور بلند مضامین پیدا کرنا قادرالکلامي ہے' زود گوئي یا پرگوئی قادرالکلامي نہیں قرار پاتي- ہر اچھے شاعر کا ایک خاص طرز ہوتا ہے (میر و ضیا وغیرہ) لیکن ہر دور کي شاعري کا مذاق اور رنگ بدلتا رہتا ہے: شاعري معاشرے کی ترجمان ہوتی ہے اگر کسی شاعر نے اپنے ماحول اور عہد کي ترجماني نہیں کي تو وہ شاعر اصلی معنوں میں نہیں ہوسکتا- بعض شعرا زبان پر بہت زور صرف کرتے ہیں' لیکن شاعري کے لیے یہي سب کچھ نہیں ہے ' چنانچہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ شاعر کو زبان پر پوری مہارت اور قدرت حاصل ہوتي ہے ' لیکن کلام بالکل پھیکا اور بےمزہ ہوتا ہے - زبان کی شیریني اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ اثرآفرینی بھی چاہیے (یقین جرأت وغیرہ) -

سب سے زیادہ میرحسن جس بات پر زور دیتے ھیں وہ یہ کہ شاعر کے لیے "طبع دردمند" کا رکھنا ضروری ہے چنانچہ "یقین" کے بارے میں کہتے ھیں "سخن او خالی از دردمندی نیست" اور کسی کو لکھا ھے : "صاحب طبع دردمند" یا " طبع دردمند داشت "

در حقیقت کلام کے لیے "سوز و گداز" بہت ضروری ھے شاعر کو اس بات کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاھیے - شاعر جس چیز سے متاثر ھو اُس کے کلام میں اُس کا اِظہار نمایاں طور پر ھونا چاھیے -

میر حسن نے اُن شعرا کی بڑی تعریف کی ھے جو "طبع عاشقانہ اور سخن دردمندانہ" رکھتے اور کسی کے عشق میں ڈوب کر شعر کہتے تھے اور اِسی سے اُن کے کلام میں واقعیت ھے، تڑپ ھے سوز و گداز ھے اور اُس کے ساتھ حسن ادا بھی ھے جو شاعری کا ایک اھم عنصر ھے- اِن عناصر پر نظر کیجیے تو ماننا پڑتا ھے کہ شعر و شاعری کے بارے میں میر حسن کا نظریہ آج کل کے نظریے سے ملتا جلتا ھے، فرق جو کچھ ھے تنقید کے انداز میں ھے، اور ھونا بھی چاھیے، کیونکہ میرحسن کے زمانے میں تنقید کو مربوط طرح پر پیش کرنے کا رواج نہ تھا -

میرحسن کے تذکرے سے صرف شعر و شاعری ھی کی بابت علم نہیں ھوتا بلکہ اُس سے اُس زمانے کی معاشرت پر بھی روشنی پڑتی ھے - لوگوں کے مشاغل، اُن کی علمی کیفیت، اُن کے سوچنے اور عمل کا انداز، اُن کی معاشرت، اور اِسی قسم کی دوسری چیزوں کے متعلق بھی بہت سی باتوں سے واقفیت ھوتی ھے -

باوجود اِس کے کہ اُس عہد میں ایک عام سیاسی بےچینی پھیلی ھوئی تھی، لوگ عیش و عشرت میں گرفتار تھے، اُن میں موجودہ زمانے سے

زیادہ ''مارشل اسپرٹ'' تھی عموماً لوگ ''تیراندازی'' کی مشق اور تلوار کے ہاتھ سیکھتے تھے شاعر بھی اس سے بری نہ تھے ' جن کے متعلق آج بھی یہ خیال ہے کہ ''انہیں شمشیر و سنان سے کیا غرض ' یہ تو میدان سخن کے شہسوار ہیں'' لیکن حشمت و رنگین و شوق کو دیکھیے جو ''سپاہی پیشہ' تھے سوز' رند اور آتش کو لیجیے جو ''تیراندازی و شمشیرشناسی'' میں کمال رکھتے تھے'

معاشرے کے اندر خرابیاں پیدا ہوچکی تھیں لیکن لوگوں میں چھل کپٹ بےحیائی اور بےغیرتی بےحمیتی اور بےایمانی اتنی نمایاں نہیں تھیں جتنی آج زندگی کے ہر شعبے میں نظر آتی ہیں - عموماً لوگ خوش‌اخلاق سنجیدہ ' متین' پاکیزہ‌سرشت نیک‌شعار مہربان' نیک خو' نیک‌سیرت خوش‌اوقات' متواضع مونس فراخ‌دل' شیریں‌کلام' باحمیت باغیرت باحیا اور سادہ‌مزاج ہوتے تھے ؛ شاعروں میں ایسے لوگ بھی تھے کہ علم و فن میں بھی ایک پایہ رکھتے تھے - علاوہ عالموں اور درویشوں کے ایک گروہ خوش نویسوں اور موسیقی کے ماہروں کا دکھائی دیتا ہے -

شاہی دربار اور امیروں کی محفلوں کی وجہ سے لطیفہ‌گوئی اور داستان‌سرائی انتہائی عروج پر نظر آتی ہے - اور فنون کے علاوہ لطیفہ‌گوئی میں بڑی مہارت رکھتے تھے - فغاں نہایت 'ظریف‌طبع و خوش‌اختلاط'' واقع ہوئے تھے - آغا نے قصہ‌خوانی میں وہ کمال پیدا کیا تھا کہ ان کی معاش کا وسیلہ بن گئی تھی' پریم ناتھ (آرام) 'خطاط بےنظیر تھے اور امان‌بیگ رنگین خط نستعلیق خوب لکھتے تھے - موسیقی کے فن سے شوق رکھنے والوں کی فہرست میں میرضاحک' مہربان خاں رند اور سودا بھی ہیں - ایک تو عیش و نشاط کی بڑھی ہوئی دلچسپیاں اور پھر ستم یہ کہ طبیعتیں عاشقانہ' حسن‌پرستی کا لپکا - انہیں چیزوں نے قوم کے اعضا کو مفلوج کرکے رکھ دیا تھا - حسن و عشق کے بہت سے قصے میرحسن نے نقل کیے ہیں

مثلاً تاباں، رسوا وغیرہ کے ذکر میں - فضائل علی خاں بیقید کے حال میں اُن کی دردناک "داستان عاشقی" کو بہت تفصیل سے قلم‌بند کیا ہے -

ایک طرف تو عشق و عاشقی، رقص و سرود اور عیش و عشرت سے معاشرے میں گھن لگ رہا تھا دوسری طرف زمانے کی بدرنگی سے ملغص ہو کر درویشی اختیار کرلی جاتی ہی، عیش و عشرت اور ہنسی اور قہقہے میں یاس اور قنوطیت بھی کارفرما تھی اور زندگی کا کوئی خاص مقصد بھی پیش نظر نہ تھا - دنیا کی بےثباتی کا تخیل نہایت ہی برے انداز میں ذہن میں جاگزیں تھا، اور آخر انھیں سب چیزوں نے مل کر تباہی کا زہر فضا میں پھیلا دیا - غرض یہ اور اسی نوع کے دیگر حالات جن سے اُس زمانے کی تصویر رنگی جا سکتی ہے میرحسن کے تذکرے میں موجود ہیں، مگر چوں‌کہ جستہ جستہ ہیں، اس لیے بہ یک‌نظر ہمارے سامنے پوری تصویر نہیں آتی اور اس تصویر کو مکمل صورت میں دیکھنے کے لیے کتاب کا تجزیہ کرنا پڑا -

سرسری طور سے میرحسن کا انتخاب نظر سے گزر گیا یہ انتخاب قائم، قدرت، شوق وغیرہ بلکہ میر جیسے قادرالکلام شاعر کے انتخاب سے، جو اُن کے تذکرے میں ملتا ہے کہیں اونچا ہے، شعروں کے انتخاب کے معاملے میں درحقیقت میر حسن کا ذوق نہایت ہی پاکیزہ اور بلند تھا -

"تذکرۂ شعرائے اُردو شاعری کی تاریخ میں یادگار رہےگا" میرحسن اگر کچھ بھی نہ ہوتے اور صرف اِس تذکرے کے مؤلف ہوتے تو بھی اُن کا نام اُردو زبان کے ساتھ زندہ رہتا، کیوں‌کہ اِس میں وہ سب کچھ ہے، جو اُردو شاعری کی تاریخ کے مرتب کرنے میں معاون ہوسکتا ہے -

---

تبصرے

"یہ دلی ہے" - از سید یوسف بخاری- ناشر : مکتبۂ جہاں نما ، دہلی- ضخامت ۱۹۲ صفحے ، قیمت دو رپے

وہی دہلی جو نہ جانے کتنی تہذیبوں سے دوچار ہوئی ، کتنے اِنقلابوں کی چکی میں پیسی گئی اور تب کہیں جاکے اِس قابل ہوئی تھی کہ عالم میں اِنتخاب کہی جا سکے اور وہاں کے کوچے اوراق مصور کہلائیں ، مختلف ملکی و غیرملکی ثقافتوں کی ترکیب سے ایک ایسے تمدن اور ایسے کلچر کی مالک بنی تھی جس نے بڑے بڑے اہل کمال کی پرورش کی ہے اور جس کی گلیاں اپنی لٹی ہوئی حالت میں بھی یہ جاذبیت رکھتی تھیں کہ کسی اور خطے میں اِقتدار و فارغ‌البالی کی اُمید بھی اُنہیں چھوڑنے پر آمادہ نہ کر سکے - لیکن ۱۸۵۷ء کے اِنقلاب سے اِس شہر کی کایا ہی پلٹ گئی - پرانے نظام کے ساتھ اُس کی پرانی تہذیب نے بھی نئی کے لیے جگہ چھوڑنا شروع کردیا یہاں تک کہ اُس زندگی کے وہ اگلے سے رات دن خواب و خیال ہو کر رہ گئے ہیں "یہ دلی ہے" میں اُسی منتخب روزگار دلی کی ثقافت اور تہذیب کا بیان ہے - دلی کی گلیاں، دلی کا ایک محلہ ، دلی والے اور شاہی زمانے کی عید ، دلی کی شادی ، دلی کے کرخندار ، دلی کے دھوبی، دلی کے شہدے ، دلی کا مکتب ، دلی کی پتنگ‌بازی ، نو عنوان ہیں جن کے تحت میں پرانی دلی کی وہ چلتی پھرتی، ہنستی بولتی، تصویریں پیش کی گئی ہیں جن کی بعض بدلی ہوئی شکلیں اب بھی پرانے گھروں میں نظر آ جاتی ہیں - پتنگ بازی کے سلسلے میں اگرچہ بعض باتیں ایسی بیان کی گئی ہیں جن پر مغربی کھیلوں کا اثر بہت نمایاں ہے لیکن پھر بھی جس محنت اور جس تحقیق سے چھوٹی چھوٹی باتوں کا ذکر کیا گیا ہے اُس کا اندازہ وہی لگا

سکتے ہیں جنھیں پرانی باتوں کے جاننے کا شوق ہے اور خود بھی اِس فکر میں رہا کرتے ہیں - بخاری صاحب کے یہ تمدنی مطالعے دلچسپ بھی ہیں اور دل‌افروز بھی اور اِن سے ہندستان کے تہذیبی و ثقافتی آثار کے جاننے اور سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے -

سید یوسف بخاری صاحب کا طرز تحریر سادہ و رواں ہے لیکن اِس میں اُس شگفتگی اور زور کی واضح کمی ہے جس کی اِس قسم کی کتابوں میں بڑی ضرورت ہوتی ہے - ہمیں اُمید ہے کہ یہ کتاب شائقین کے لیے دلچسپ اور مفید ثابت ہوگی - (مسیح الزماں)

"نئی دنیا" - از ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ - ناشر آتما رام اینڈ سنز ' انارکلی' لاہور - ضخامت ۸۸ صفحے ' قیمت کتاب پر درج نہیں -

اُردو ادب سے دلچسپی رکھنے والے ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ کے نام سے ناآشنا نہیں - آپ نے اُردو کی جدید شاعری پر شاید سب سے پہلے توجہ کی اور انگریزی زبان میں اِس موضوع پر پہلے ایک کتاب : Modern Urdu Poetry ۱۹۲۹ع میں اور بعد کو اُنا تحقیقی و تنقیدی مقالہ Some Characteristics and Tendencies of Modern Urdu Poetry ۱۹۳۱ع میں لاہور سے شائع کیا زیر نظر کتاب ڈاکٹر صاحب کے کلام کا مجموعہ ہے - اگرچہ کتاب کے شروع اور آخر میں ناظر کاکوروی' عبدالقادر سروری اور منور لکھنوی کے لکھے ہوئے بڑے زور کے تعریفی جملے نظر آتے ہیں لیکن اِن کے باوجود کتاب پڑھنے والے کو بڑی مایوسی کا سامنا ہوتا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے شعر و ادب میں قدرت اور جدت کی تلاش میں اپنا ایک علاحدہ راستہ قائم کر لیا ہے اور اُسی پر گامزن ہیں - "نئی دنیا" کا کم و بیش نصف حصہ ایسی نظموں پر مشتمل ہے جنھیں نظم صرف اِس لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اِس مجموعے میں شامل ہیں یا یہ کہ اُن کی کتابت "آزاد نظم" کی طرح ہے :

"کیا اللہ میاں نے دیکھا تھا اپنے بندوں کا انجام ؟
اتنی جلدی کیوں اللہ تائب گناہ کو بخشش دیتا ہے
اللہ کیوں اِنسان کی توبہ میں یقین کر لیتا ہے
اللہ سے نہ سہی، بچوں کی ماں سے پوچھو
شاعر سے پوچھو ، عاشق سے پوچھو ، عارف سے پوچھو" (ص ۳۸)

" آفرینش کے پیچھے
جو بھی طاقت ہے چھپی ہوئی کارکن
عورت کی فطرت والی ہے وہ ، وہ ہے عورت
ظالم بھی ہے مہربان بھی
انتقام کی پیاسی - رحم کی پتلی " (ص ۲۴)

دنیا جانتی ہے کہ 'آزاد نظم' میں بھی وزن ہوتا ہے جس میں رکن کا لحاظ رکھا جاتا ہے، مصرعوں (یا سطروں) میں صرف تعداد ارکان میں فرق ہوتا رہتا ہے؛ لیکن دیوانہ کی اِس شاعری اور نثر میں تو صرف کتابت کا فرق ہے -

دیوانہ نے جہاں پرانے رنگ میں شعر کہے ہیں وہاں خاصے اچھے شعر مل جاتے ہیں، مثلاً :

سنگ اسود چوم کر جب سے پھرا کعبے سے شیخ
بت‌کدوں میں آتا جاتا ہے عقیدت‌مند سا

اِس مجموعے میں سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ایسی فاش فنی غلطیاں جا بجا نظر آتی ہیں کہ ڈاکٹر صاحب جیسے اُردو کے سر پرستوں سے اُن کے سرزد ہونے کا یقین مشکل سے آ سکتا ہے - (مسیح‌الزماں)

"آئینۂ مصحف" جناب عبدالسمیع خاں "نکہت" کے فارسی کلام کا مجموعہ - مطبع سلطانی، بمبئی - قیمت آٹھ آنے -

رباعی ادب فارسی کی وہ مخصوص صنف ہے جو نسبتاً اور اصناف سخن سے زیادہ دشوار ہے - فارسی ادب کے مشہور رباعی نویس ایک دنیا سے خراج عقیدت وصول کرچکے ہیں مگر رفتار زمانہ نے جہاں اور پاکیزہ مذاقوں کو مٹایا فارسی ادب کا مذاق بھی تنزل پذیر ہوتا گیا - اب نہ فارسی رباعیات و قطعات کے لکھنے والے باقی ہیں اور نہ سننے والے - اب تو ہماری مشرقی اور مادری زبانیں جو فی‌الاصل ہمارے قدیم ذہنی سرمایوں کی مخزن ہیں پس پشت ڈال دی گئی ہیں، اور ہم اپنے قدیم روایات سے جو قومی زندگی کی روح و رواں ہیں بیزار ہو رہے ہیں -

اِن حالات میں حضرت نکہت شاہجہانپوری قابل مبارکباد ہیں جنہوں نے اپنی فارسی رباعیات و قطعات کے مجموعے کو اہل ذوق کے فائدے کے لیے شائع کیا ہے -

کتاب کے پہلے حصے "حسن جاوید" میں وہ مخصوص رباعیات درج ہیں جو ہمارے دینی حقائق و معارف کی آئینہ دار ہیں -

دوسرے حصے "رموز عشق" میں افسانۂ گل و بلبل کے بجائے اخلاق عالیہ اور جوش عمل کی دعوت دی گئی ہے - اِبتدا میں چند انتخابی نظمیں مثلاً گہرہاے عقیدت نوحۂ ملت، گلستان فطرت، گل نوخاستہ، ہر کابل، وغیرہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بیحد دلکش ہیں اور ادبی رنگینیوں کا اعلیٰ نمونہ - "آئینۂ مصحف" کا مقدمہ ایران کے معروف مجتہد اور ادیب علامہ شیخ محمد حسن نجفی کا لکھا ہوا ہے جو کتاب کی زبان اور طرز ادا کی خوبی کی سند ہے -

نکہت صاحب کی یہ ادبی کوشش ہر حیثیت سے قابل تبریک ہے اور میری دلی آرزو ہے کہ ان کا کلام ایران و ہندوستان و افغانستان میں مقبول ہو - (محمد یعقوب) -

---

هندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ کے مقاصد

ا—اُردو اور هندی ادب کی حفاظت اور ان کی ترقی اور نشو و نما کی کوشش کرنا -

(الف)—مختلف مضامین کی مطبوعات میں سے منظورشدہ کتابوں پر انعام دینا -

(ب)—معاوضہ وغیرہ کے ذریعے غیر زبان کی زبانوں کے ترجمے کرانا اور ان کو شائع کرنا -

(ج)—یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں وظائف دے کر یا دوسرے ذرائع سے هندی اور اردو زبانوں میں تصنیف یا ترجمے کے کاموں کی حوصلہ افزائی کرنا -

(د)—اکیڈمی کے محسنوں کو اعزازی فیلو منتخب کرنا -

(ہ)—ایک کتب خانہ قائم کرنا اور اُس کا انتظام رکھنا -

(و)—مشہور ارباب علم و فضل کو علمی مقالات کے لیے مدعو کرنا -

اسوسی ایٹ ممبر۔ ہندستانی اکیڈمی یو۔پی

الہ آباد — قواعد

وضاحت: قاعدہ نمبر ۱۲ — (الف) اسوسی ایٹ ممبر رکن رفیق بنانے کے لیے یہ طریقہ ہے کہ کونسل کا کوئی ممبر ایسے شخص کا نام تجویز کرے گا اور دوسرا ممبر اس کی تائید کرے گا تجویز ... جنرل سکریٹری کے پاس بھیجا جائے گا اور وہ ... اکزیکیوٹو کمیٹی (مجلس عاملہ) کے سامنے ضروری ... کے لیے پیش کرے گا۔

چندہ: قاعدہ نمبر ۱۲ — (ب) رکن رفیق (اسوسی ایٹ ممبر) سالانہ تین روپے چندہ دیگا۔ اگر وہ یکمشت پچاس روپیہ چندہ ادا کردے تو اسے آئندہ چندہ دینے کی ضرورت نہ ہوگی۔

حقوق و مراعات: قاعدہ نمبر ۱۲ — (ج) رکن رفیق کو اکیڈمی کا رسالہ ہندستانی (اردو یا ہندی) اڈیشن بلا قیمت ملے گا اور دوسری مطبوعات اس کو رعایتی قیمتوں پر ملیں گی جو اکزیکیوٹیو کمیٹی (مجلس عاملہ) وقتاً فوقتاً متعین کرے گی۔

(د) رکن رفیق کو کونسل کے جلسوں میں موجود رہنے کا حق ہوگا لیکن اُسے جلسے میں ووٹ دینے یا اُسے مخاطب کرنے کا حق نہ ہوگا۔

(ہ) جب اسو... ٹ ممبروں کی تعداد سو تک پہنچ جائے گی ... کو حق ہوگا کہ وہ ایک ممبر کو کونسل ... ی ممبری کے لیے اپنا نمائندہ چن سکیں گے ... ب اُن کی ... اد دو سو تک پہنچ جائے گی ... چن سکیں گے ... اُن کی ت... تو ... نمائندے ... کی چار سو ... اپنی ... میں سے چار نمائندے چن سکیں گے۔

باہتمام — عابد حسین - کراؤن پریس - الہ آباد -

ناشر — پیرزادہ عبدالباسط ایم - اے - ایل ایل - بی

ہندستانی اکیڈمی الہ آباد

ہندستانی

ہندستانی اکیڈمی کا تماہی رسالہ

جنوری و اپریل ۱۹۴۸ء

ہندستانی اکیڈمی صوبہ متحدہ، الہ آباد

سالانہ چندہ چار روپے

هندستاني جنوري و اپریل ۱۹۳۸ع

ایڈیٹر : محمد رفیع

فہرست مضامین

صفحہ

هندستاني

هندستاني اکيڈيمي کا ماهي رساله

جنوري و اپريل	نيا سلسله جلد ٥ حصه ١-٢	١٩٣٨ع

طرفة بن العبد
عرب کا جواں مرگ شاعر

از جناب بدر ابن عظيم (اصلاحی)

[امرءالقيس اگر عربی شاعری کا شيکسپير هے تو طرفه ، جان کيٹس ۔ فاضل مصنف کی يه کوشش لائق امتنان هے که انهوں نے کيٹس کي سوانح حيات پر ايک مبسوط مقاله مدون فرمايا جو جامعه دهلي کے عدد فروری ١٩٣٢ع ميں شائع هوا ۔ اور يه دوسرا مقاله هے جو انهوں نے طرفه کی زندگی پر مرقوم فرمايا هے ۔ انگريزي تاريخ ادب کے رهرو کے ليے راه کی همواري اور مواد کي فراهمی کی وجه سے بهت بڑی آساني هے مگر طرفه پر مبسوط قلم فرسائي کے ليے جس جد و جهد سے دوچار هونا ، ناگزير هے اس کا اندازه صرف اس راه کا ايک سالک هی کر سکتا هے ۔ اس تاريخي جستجو سے قطع نظر مولف موصوف نے موضوع کو جس طرح دل چسپ بنايا هے اس کي شهادت اگلے صفحات هيں ۔ !

(ص ۔ عظيم)

ساڑھے چودہ صدی کا طویل دور بھی اس زندہ جاوید نوجوان کی یاد کو صفحۂ دل سے محو کرنے پر قادر نہ ہوسکا !

اس عرصے میں تذکروں کے صفحات سے ایسے ہزاروں کشورستانوں ، قائدوں سیاست دانوں کی یاد محو ہوگئی جو عمر کی طویل ساعتوں سے مستفید ہوئے اور جنہوں نے زندگی کے وسیع میدان میں تگ و دو کی ؛ لیکن تاریخ ایک ایسے نوجوان کی یاد محو نہ کرسکی جس کے کارناموں کی داستان جہالت کے ظلمات ، بداوت کی وحشی زندگی اور تاریکیوں سے نکل کر آج بھی ہمارے دل میں ایک ٹیس کی طرح موجود ہے -

عصر جاہلیت کی فراموشیوں کے بر خلاف طرفہ کی یاد آج بھی تازہ ہے - پھر اس کی شخصیت اس دوسرے جزے کے بر خلاف بھی زندہ ہے جو بسا اوقات اپنی ستمکاریوں سے ہونہاری کے تیور پر پل ڈال دیتا ہے اور ایک اُبھرتی ہوئی شخصیت کو نعمت دوام کی عزت سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیتا ہے - اس سے ہماری مراد نوجوانی اور کم عمری ہے -

طرفہ نے بیس سال کی عمر میں اس دار فانی کو الوداع کہا لیکن سارے عرب کو اب تک یہ اچھی طرح یاد ہے کہ اس کی معارضت ادبی کا باعث اس کی جرأت اور مکرو فریب جیسی خطرناک سیہ‌کاری تھی - بیس سال میں مقتول ہونے کی وجہ سے اس کو " ابن العشرین" کے لقب سے پکارا جاتا ہے -

اس کی عمر کی تعیین میں اختلاف ہے - بعض کا خیال ہے کہ اُس کی وفات چھبیس سال کی عمر میں ہوئی تھی - تاریخی حیثیت سے اگر ہم دوسرے قول کو ترجیح بھی دیں ، تب بھی نو عمری میں مقتول ہونے کی دل‌سوز سعادت اس کے ہاتھوں سے نہیں جاتی - میری مراد اس روایت سے ہے جو یہ بتاتی ہے کہ وہ چھبیس سال کی عمر میں مقتول ہوا اور اِستشہاداً اُس کی بہن کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے -

(۱) عددنا له ستاً و عشرین حجة   فلما توفاها استوی سیداً ضخماً

(۲) فجعنا به لما رجونا إيابه   علی خير حال لا وليداً و لا قحما

(ترجمہ) ہم نے اس کی زندگی کے چھبیس سال شمار کئے جو اس عمر کو پہنچا تو ایک پر جلال نوجوان تھا (۲) اس کی ابدي مفارقت کا صدمہ ہمیں اس وقت برداشت کرنا پڑا جب ہمیں امید تھي کہ وہ اپني عمر کے بہترین دور میں قدم رکھے گا یعنی اس وقت نہ ناسمجھ بچہ ہوگا اور نہ فاترالعقل بوڑھا -

فخم کے معنی پختگي عمر کے ہیں ' شعر کے دوسرے نسخوں میں ستاً (چھ) کے بدلے خمساً کا لفظ بھي طرفہ کي بہن کے دیوان میں موجود ھے -

عمرو (یہ طرفہ کا نام ھے) نے ایک ایسے خاندان میں نشو و نما پائي ' جو فارغ البال اور دولت مند تھا ' یہی اعلی خانداني ہي عمرو بن کلثوم ' شاہ حیرہ سے راہ و رسم کا وسیلہ ہوئي ' جس کے ذریعے طرفہ کو اس کی مجلسوں میں شریک ہونے ' اور بےباکانہ گفتگو کرنے کا موقع ملا - یہي سبب تھا کہ وہ دو ٹوک تنقیدیں کرنے میں بے باک تھا اور جب نقد و جرح ' مدح و ذم کا کوئي دعمیني محل ہوتا تو بےباکانہ اظہار رائے سے کبھي نہ چوکتا - اس کا یہ وصف قوم کے ہر فرد کے کانوں تک پہنچ چکا تھا - اور بالآخر اس کی تیزی طبع اور زبان بے عنان ' بلائے جان ثابت ہوئي -

طرفہ کی وہ دانع تنقیدیں ' جس میں بیباکي کے کرشمے نمایاں ھیں بعض ایسے غیر متوقع موقعوں پر ظاہر ہوتیں جبکہ اس کا احتمال بھي نہ ہوتا ' مثلاً وقت کے پختہکار حضرات کي مجلس منعقد ھے مگر طرفہ اپني بیباک تنقیدوں سے باز نہیں آتا - ایک دن کی بات ھے کہ طرفہ' عمرو بن ھند کي مجلس میں بیٹھا ہوا تھا - اس عہد کے ممتاز شعرا میں سے ایک شاعر اپنا قصیدہ سنا رہا تھا - مقطع میں شاعر نے بطور تعلي اپنی ذات کو صعریہ یعنی سبک رفتار اونٹنی سے تشبیہ دی تھی - دفعتاً ایک آواز بلند ہوئي جیسے عموما شہر کے بچے نعرۂ ھنگامہ بلند کرتے ھیں -

" اوھو ' اونٹ نے تو اب اونٹنی سے مشابہت اختیار کرلی " یہ کس کي آواز تھي ؟ طرفہ کي ! یہ اعتراض اس لیے کیا گیا کہ صیعریہ اُونٹني کي صفت ھے نہ کہ اونٹ کي -

بیان کیا جاتا ھے کہ شاعر نے ملتفت ھو کر پوچھا کہ یہ کون لڑکا تھا ‘ جب لوگوں نے بتایا کہ طرفہ بن العبد تھا تو اس نے ایک ایسی بات کہی جس سے خیال ھوتا ھے کہ شاعر نے پردۂ غیب سے مستقبل کا جلوہ دیکھا تھا - اس نے کہا - " اُس کی زبان اس کے لیے بلاے جان ھوگی "

طرفہ نے اپنے والد کے انتقال کے بعد (اس وقت وہ کم سن تھا) دیکھا کہ اس کے چچا چاھتے ھیں کہ اس کے والد کا مال ھضم کر جائیں اور اس کی والدہ کو حق وراثت سے محروم کر دیں تو اس نے اپنے کلام کی تیغ تیز نکالی ‘ اور اپنی ماں کی حمایت میں جس کا نام وردہ تھا اور جو بنی تغلب سے تعلق رکھتی تھی ‘ ایک پرجوش قصیدہ کہا ‘ جس میں بنی تغلب اور بکر کے بغض و عداوت کے وہ پرانے واقعات یاد دلائے جو چھوٹی چھوٹی باتوں کی بنا پر رونما ھوگئے تھے ‘ اور دھمکی دی کہ ان عالمگیر مصیبتوں سے ڈرنا چاھیے جو دونوں قبیلوں میں مڈھبھیڑ کے بعد ان کے لیے پیدا ھو جائیں گی - قصیدے کے بعض اشعار یہ ھیں -

(۱) ما تنظرون بحق وردة فیکم   صغر البنون و رهط وردة غیب

(۲) قد یبعث الامر العظیم صغیره   حتی تظل له الدماء تصبب

(۳) و الظلم فرق بین حیی وائل   بکر تساقیها المنایا تغلب

(۴) و الصدق یالفه الکریم المرتجی   والکذب یالفه الدنی الاخیب

ترجمہ—(۱) ایسی حالت میں جب کہ وردہ کے چھوٹے چھوٹے بچے ھیں اور اس کے قبیلے والے بھی پاس نہیں ھیں‘ تم نے اپنے دل میں کیا کیا ٹھان رکھا ھے - (۲) یہ سمجھ لو کہ چھوٹی سی چھوٹی باتیں اھم ترین واقعات کا سبب بن جاتی ھیں اور ان کی خاطر خون کی ندیاں تک بہ جاتی ھیں - (۳) ظلم ‘ بنی وائل اور بکر کا شیوہ ھے جن تک ھم بنی تغلب موت کے تحفے لے جاتے ھیں - (۴) ایک شریف اور امیدوں سے لبریز دل رکھنے والا شخص سچائی سے محبت کرتا ھے اور اس کے برعکس دنی الطبع اور ناکام کو جھوٹ سے الفت ھوتی ھے -

طرفہ کی نسبت بیان کیا جاتا ھے کہ اس نے سب سے پہلی مرتبہ شاعری اس دن کی جب کہ وہ ایک روز اپنے چچا کے ساتھ سفر کر رھا تھا - واقعہ یوں بیان کیا

جاتا ہے کہ اس نے چکارک کے شکار کے لیے دام پھیلایا - لیکن کوچ کا وقت ہوگیا اور ایک چڑیا بھی اس کے حسب منشاء اسیر دام نہ ہوئی تو اس نے یہ اشعار کہے -

يا لك من قبرة بمعمر خلا لك الجو فبيضي و اصفري
و نقري ما شئت ان تنقري قد رفع الفخ فماذا تحذري
لا بد يوما ان تصادي فاحذري

(ترجمہ) اے مقام معمر میں رہنے والی قبرہ (چکوک) ! اب تیری فضا بالکل صاف ہے - خوب چہچہا اور جتنے چاہے انڈے اور بچے نکال - اب دام اٹھا لیا گیا ہے - ڈر کی کیا بات ہے -

پر ہاں یہ بھی یاد رکھ ! کہ ایک نہ ایک دن تجھ کو شکار کیا جائے گا -

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام اشعار یا ان میں سے بعض - سب کے سب طرفہ سے پہلے کے ہوں - اور میں تو یہی کہوں گا کہ یہ اشعار طرفہ کی طرف منسوب کردیے گیے ہیں - خواہ قتیبہ جیسے شخص نے بھی اپنی کتاب "الشعر و الشعراء" میں بلا شک و ریب نقل کیوں نہ کیا ہو ؟ اور انھیں طرفہ کے اشعار قرار دیا ہو -

الغرض زمانہ سے طرفہ کی بے نیازی اور جرأت کا یہ حال ہوا کہ اب اس کے تنقیدی اور ہجویہ اشعار کا دائرہ عوام کی حد سے آگے نکل گیا اور اب بادشاہ اور اس کے بھائی قابوس بن ہند پر لسان تطاول دراز کرنے لگا - یہ دونوں اشخاص بہت زیادہ قاہر اور سنگدل تھے - بالخصوص عمرو بن ہند تو اپنی قساوت قلب میں ضرب المثل تھا - طرفہ نے ان دونوں کی ہجو میں قصیدہ کہا اور دونوں کے نام بھی کھلم کھلا لکھ دیے - اسی قصیدے کے اشعار ہیں -

فليت لنا مكان الملك عمرو رغوثا حول قبتنا تخور
لعمرك ان قابوس بن هند ليخلط ملكه نوك كثير

(ترجمہ) ملک عمرو بن ہند کی جگہ تو ایک دودھ والی اونٹنی کو ہونا تھا جو ہمارے گھروں کے گرد اپنی کریہ آواز سے چلاتی رہتی - واللہ ! عمرو بن ہند کی حکومت سراسر حمق کا امتزاج ہے -

معلی نے دوسرے شعر کے مصرع ثانی کو یوں روایت کیا ھے " لیخلط ملکه بول کبھر " لیکن پہلی روایت لفظاً و معناً دونوں حیثیتوں سے صحیح اور طرفه کی ذات کے شایان شان ھے -

تمام بیانات اس امر پر متفق ہیں کہ ان اشعار نے طرفه کو بڑی دشواریوں میں مبتلا کردیا - کیونکه اس کو اپنی زندگی ان اشعار کے باداش میں بطور جرمانه دینی پڑی - طرفه کو اپنی قومی شخصیت پر غرور تھا ' اس کو اپنی ذات پر غیرمعمولی حد تک اعتماد تھا اور یہی وجه تھی کہ اس نے اپنی نجات کے زریں موقع کو کھودیا جو قدرت کی طرف سے مہیا کیا گیا تھا -

اس کی تفصیل یہ ھے کہ عمرو بن ہند کو ان ھجویه اشعار کی کوئی خبر نه تھی جو اس کے بھائی اور اس کی شان میں کہے گئے تھے کیونکه اس کی تندخوئی کے سبب کوئی شخص اسی جرأت نه کرسکتا تھا که بادشاہ کو ان کی اطلاع دے - اتفاق سے ایک دن عمرو بن ہند اپنے مخصوص مقربین میں سے عبد عمرو بن بشر کو اپنی معیت میں لے کر شکار کے لیے گیا - عبد عمرو بن بشر کی شادی جو اپنے زمانے کے معززین میں سے تھا طرفه کی بہن سے ہوئی تھی - روایتوں سے ظاھر ہوتا ھے کہ ایک دن اس کی بہن خورنق اور عبد عمرو بن بشر میں کچھ ان بن ھوگئی - خورنق نے اس کی شکایت اپنے شاعر بھائی طرفه سے کی ' طرفه کے پاس سوا اس کے کوئی سبیل نه تھی کہ وہ شاعری کی طرف مائل ھو اور اس کے ذریعے اپنے بہن کے غضبناک شوھر کی تادیب کرے اور اپنی بہن کا بدله لے - بس وہ مشہور قصیدہ مرتب ھوا جس میں کے ھجویه اشعار میں سے ایک شعر یہ بھی تھا -

و لا خیر فیه غیر أن له غنی و ان له کشحاً اذا قام اھضما

(ترجمه) ھمیں تو اس میں بس یہی خوبی نظر آتی ھے که وہ کچھ مالدار ھے اور جب کھڑا ہوتا ھے تو ایک موٹی اور بھدی سی کمر نمودار ھو جاتی ھے -

اب ھم پھر عمرو بن ہند کے ذکر کی طرف رجوع کرتے ھیں - جب شاہ عمرو بن ہند مع عبد عمرو بن بشر بغرض شکار گیا تو عمرو نے ایک شکار کا تعاقب کیا اور گرا دیا - پھر عبد عمرو سے کہا که جاؤ اور اس کو قابو میں کرو لیکن عبد عمرو

(جیسا کہ روایتوں سے ظاہر ہوتا ھے) ذرا بھاری بدن اور کمزور جوڑوں کا آدمی تھا وہ شکار کو قابو میں نہ لا سکا ' عمرو بن ہند یہ دیکھ کر ہنسا اور بولا کہ طرفہ نے تمھارے متعلق جو کچھ کہا وہ سب تجربے پر مبنی ھے -

اس نے خوب کہا ھے :—

و لا خیر فیہ غیر أن لہ غنی و ان لہ کشحا اذا قام اھضما

دوسری روایت یوں ھے کہ بادشاہ اور عبد عمرو دونوں شکار کا گوشت بھون رھے تھے حاضرین میں عبد عمرو کے علاوہ حواشی میں سے بھی ایک شخص موجود تھا - بادشاہ نے اپنے ساتھی کی کمر کی طرف دیکھا اور عبد عمرو کو مخاطب کرکے اس کی قمیص کے سوراخ سے اس کی کمر کی طرف اشارہ کرتے ھوے طرفہ کا شعر پڑھ دیا -

دوسری روایت حقیقت کی زیادہ ترجمانی کرتی ھے کیونکہ ایسی صورت میں حیا اور غضب دونوں احساسات کے بیدار ہونے کا ثبوت ملتا ھے - یہ توھین دیکھ کر عبد عمرو کی رگوں میں حرارت کا پیدا ھوجانا قدرتی تھا اور وہ اسی غضبانی کیفیت کی حالت میں بادشاہ سے مخاطب ہوا -

" بےادبی معاف ! طرفہ نے آپ کے متعلق جو کچھ کہا ھے وہ اس سے بہت زیادہ سخت ھے جو اس نے میرے متعلق کہا ھے - بادشاہ نے پوچھا وہ کیا ؟ "

یہاں پہنچ کر عبد عمرو کو اپنی غلطی کا احساس ہوا - یاد آیا کہ نسبتی بھائی کے کیا کیا حقوق عائد ہوتے ہیں - اس کو محسوس ھوا کہ اس نے جو کچھ کیا اس سے طرفہ کا مشکلات میں گھر جانا یقینی ھے - ان تمام احساسوں نے اسے بیدار کردیا اور فرط ندامت میں چاھا کہ کسی طرح اپنی غلطی کی تردید کرسکے' لیکن اب ندامتوں کا وقت گزر چکا تھا - تیر ترکش سے نکل گیا تھا - تردید کی کوئی سبیل باقی نہ تھی بادشاہ نے اصرار کیا کہ وہ بتائے کہ طرفہ نے اس کی نسبت کیا کہا ھے - جب بادشاہ نے دیکھا کہ نسبتی تعلقات کے سبب اپنے عزیز نوجوان شاعر کے ذکر سے ھچکچا رھا ھے تو محض ان اشعار کو معلوم کرنے کی غرض سے ایک چال چلی اور کہا کہ " محض شعر سنا دو ! یقین کرو کہ اُس کو کوئی گزند نہ پہنچاؤں گا "

بادشاہ کے اس جملے سے عبد عمرو مطمئن ھوگیا اور طرفہ کا ھجویہ قصیدہ سنا دیا '

قصیدہ سن کر بادشاہ نے کہا کہ " اچھا ! اب اس کی جرأت اتنی بڑھ گئی ھے کہ میری شان میں ایسے گستاخانہ اشعار کہنے لگا "

بادشاہ نے تلخی اور ناگواری کے احساس کے باوجود سکوت اختیار کر لیا ' لیکن اپنے دل کی گہرائیوں میں وہ انتقام کا مصمم ارادہ کر چکا تھا -

اس واقعے سے کچھ مدت کے بعد طرفہ کی مصیبتوں کی دوسری فصل شروع ہوتی ھے - بادشاہ یہ ظاہر کرتا رہا کہ وہ عبد بن عمرو کے وعدے پر قائم ھے - بلکہ اپنی بدنیتی کو چھپانے کے لیے ایک قدم اور آگے بڑھ کر اپنی رضامندی کا اظہار کرنے لگا - تعظیم و تکریم میں مزید سرگرمی دکھائی یہاں تک کہ طرفہ کے دل میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش باقی نہ رہ گئی - اب بادشاہ نے حکم دیا کہ حاکم بحرین کو ایک خط لکھو کہ طرفہ کو وہاں قتل کر دیا جائے ' لیکن حواشیوں میں سے بعض نے بادشاہ سے عرض کی کہ -

" اگر آپ طرفہ کو قتل کردیں گے تو متلمس آپ کی ہجو کرے گا "

یہی متلمس ھے جو عربی شاعری کی تاریخ میں جریر بن عبد المسیح کے نام سے پکارا جاتا ھے ' طرفہ کا دلی دوست تھا - اس نے بھی عمرو بن ھند کی ھجو کی تھی - بعض روایتوں میں ھے کہ بادشاہ نے طرفہ اور متلمس دونوں کو اپنے ہاں ٹھہرایا اور پھر ان کے قتل کا جال پھیلایا - لیکن میرے نزدیک قابل ترجیح یہ ھے کہ بادشاہ نے متلمس کو طرفہ کی آمد کے بعد بلایا اس موقع پر طرفہ کا وہ کامل اطمینان قابل لحاظ ھے ' جس نے موت کی قربان‌گاہ تک پہنچا دیا -

خواہ متلمس کو بادشاہ نے پہلے بلایا ھو یا طرفہ کے بعد ' روایتوں کا اس پر اتفاق ھے کہ بحرین کے حاکم کے پاس دونوں کو ساتھ ساتھ روانہ کیا ' ھر ایک کے ھاتھ میں بادشاہ کا ایک خط تھا کہ حامل خط کو قتل کردیا جائے - لیکن بادشاہ نے ان دونوں کو یہ دھوکا دیا کہ خط میں حاکم کو لکھا گیا ھے کہ ان دونوں شاعروں کی زیادہ سے زیادہ تعظیم کرنا اور ان کی خدمت میں بیش از بیش ھدیے پیش کرنا -

دونوں شاعر حیرہ کے راستے سے جا رہے تھے ' جیسا کہ روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے (اور ظاہر ہے کہ روایتوں کی بہتات اِس باب میں بھی ہے) اُن کے ہمراہ ایک بڈھا بھی تھا جو عجیب طریقے سے چل رہا تھا کھاتا بھی جاتا اور ساتھ ہی ساتھ ایسی حرکتیں بھی کرتا جاتا تھا جس سے کراہت پیدا ہوتی ' متلمس نے جب اس کی اس حرکت پر اعتراض کیا تو اس بڈھے نے اپنی چال کی اصلاح کرتے ہوئے کہا کہ " مجھ سے زیادہ احمق تو وہ ہے جو اپنی موت خود اپنی ہتھیلی پر لیے جا رہا ہے "

ممکن ہے کہ اسی واقعے نے متلمس کے دل میں شکوک و شبہات پیدا کیے ہوں یا متلمس کے دل میں بادشاہ کے رعایت لطف و کرم نے شک و شبہہ پیدا کیا ہو ' بہر حال یہ چیزیں اسی کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں ' لیکن اس نے اپنے اس خیال کو اپنے دوست کے بھی گوش گزار کردیا - متلمس نے طرفہ سے اثنائے راہ میں کہا کہ قسم خدا کی تم یقین کرو کہ عمرو بن ہند کی ہم پر' یہ نظر کرم' ہو نہ ہو کچھ معنی رکھتی ہے یہ کہاں کی دانشمندی ہے کہ ہم ایک ایسا خط لے جائیں جس کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ اس میں لکھا کیا ہے ؟

طرفہ نے اس کا جواب اسی بے نیازانہ انداز سے دیا جس کا اظہار طرفہ کے ہر ہر شعر سے ہوتا ہے :—

" یہ تمھاری بدگمانی ہے - اگر تم اس کا خوف ہے کہ اس خط میں وہ مرقوم نہیں ہے جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے تو تم واپس جاسکتے ہو "

متلمس نے طرفہ کے فلسفے کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور مشورہ دیا کہ خط کی مہر توڑ کر خط کسی سے پڑھوایا جائے ' کیونکہ دونوں شاعر اُمی اور پڑھنے سے قاصر ہے لیکن طرفہ اپنی رائے پر مصر رہا اور وساوس کے قبول کرنے سے انکار کردیا بالآخر صرف متلمس نے اپنے خط کی مہر توڑی ' کہ یہ خلاف دانشمندی ہے کہ کسی حاکم کے پاس ہم ایسا خط لے جائیں جس میں ہماری موت کا فرمان بند ہو اور ہم اس سے بالکل بےخبر ہوں - جب دونوں شاعر حیرہ پہنچے تو مکتب کے ایک بچے سے ملاقات ہوئی - طالب علم سے متلمس نے پوچھا -

" عزیزم ! تم پڑھنا جانتے ہو "

لڑکے نے جواب دیا :— جی ہاں -

متلمس نے اپنا خط اس کو دیا لڑکے نے خط کو دیکھا اور پوچھا کہ آپ ہی متلمس ہیں ؟

کہا :— ہاں -

تو لڑکے نے کہا : آپ بچ گئے کیونکہ اس میں آپ کے قتل کا حکم دیا گیا ہے پھر اس نے بتایا کہ خط میں لکھا ہے کہ " جب متلمس تمہارے پاس پہنچے تو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دو اور زندہ دفن کردو - متلمس نے خط کو تو وہیں نہر میں جس کا نام " کافر " تھا پھینک دیا - اس نے اس واقعے کو اپنے اشعار میں ان الفاظ سے ذکر کیا ہے :—

والقیتہا بالثنی من جنب کافر ... کذالک اقنی کل قط مضلل

رضیت لہا بالماء لما رأیتہا ... یجول بہا التیار فی کل جدول

(ترجمہ) میں نے نہر کافر کے کنارے کھڑے ہو کر اس کو پھینک دیا جیسے کوئی منحوس چیز پھینک دی جاتی ہو - مجھ کو یہ خوب پسند آیا جب میں نے دیکھا کہ پانی کی موجیں اسے ہر سمت سے چکر دے رہی ہیں -

اسی واقعے کے بعد سے عربی زبان میں " صحیفۃ المتلمس " والی ضرب المثل زبان زد ہوئی -

ان حالات میں طبعی طور پر یہ ہونا چاہئے تھا کہ طرفہ اپنے دوست کی رائے کی صحت پر یقین کرتا اور آنے والی مصیبت سے نجات کی کوشش کرتا اور بلا شبہہ اس سے نجات پانا آسان تھا ' جیسا کہ اس کے دوسرے ساتھی کا خیال تھا ' لیکن یہ سب کچھ ہوا ' پر طرفہ دست قضا کی سنگدلی سے محفوظ نہ رہا - متلمس نے طرفہ سے کہا -

اے دوست ' خدا کی قسم تم یقین کرو کہ جو میرے خط میں لکھا ہے وہی بات تمہارے خط میں بھی لکھی ہوگی -

لیکن طرفہ اب بھی اپنی غلط فہمی پر قائم تھا اور صرف خط کی مہر چاک کرنے پر بھی راضی نہ ہوا ' کیونکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا خط مشتبہ ہو ' اس کے دل میں بھروسا اور اعتماد نفس کی روح موجزن تھی ' اس نے اپنے دوست کو نہایت معتمدانہ لہجے میں جواب دیا -

اگر اس نے تمہارے ساتھ ایسی جعل سازی کی ہے تو یہ کیوں اور کہاں سے لازم آتا ہے کہ میرے ساتھ بھی ایسی ہی جرأت کرے گا -

ایسی صورت میں متلمس کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ شام کی طرف بھاگ جائے - جب متلمس کو طرفہ کی افتاد کی خبر ملی تو اس نے یہ مشہور اشعار کہے -

(۱) من مبلغ الشعراء عن اخویهم   خبراً فتصدقهم بذاک الانفس
(۲) اودی الذی علق الصحیفۃ منهما   و نجا حذار حبائہ المتلمس
(۳) الق الصحیفۃ لا ابالک انہ   یخشی علیک من الحباء النقرس

(ترجمہ) کون ہے جو شعرا کو ان کے بھائیوں کی جانب سے یہ خبر پہنچا دے جس کی تصدیق خود ان کا نفس کرے گا - (۲) ہلاکت اس پر آئی جو خط ڈھوتا رہا اور متلمس اس سے بچ نکلا - (۳) اس خط کو بے دریغ پھینک دو کیونکہ اس ہلاکت انگیزی سے نقصان کا اندیشہ ہے -

متلمس واپس ہوگیا اور طرفہ اپنا سر بہ مہر خط لیے روانہ ہوگیا ' بحرین کے والی کے پاس پہنچ کر شاہی مکتوب پیش کیا ' والی نے اس کو پڑھا اور طرفہ کی طرف ملتفت ہوکر کہا -

تم جانتے ہو کہ اس خط میں تمہارے متعلق کیا حکم دیا گیا ہے ' طرفہ نے نہایت اطمینان کے لہجے میں جواب دیا -

" ہاں ! یہی کہ تم میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور مجھکو اچھا بدلہ دو " والی نے جواب دیا ' درآں حالیکہ اس کے دل میں فرض اور شفقت کے درمیان زبردست کشمکش جاری تھی -

" بیشک تم قابل عزت ہو ' ہمارے اور تمہارے درمیان ماموں اور بھانجے کا رشتہ بھی ہے ' مجھکو اس کا بھی لحاظ کرنا چاہیے - اس لیے کہتا ہوں کہ تم آج ہی راتوں رات بھاگ جاؤ کیونکہ مجھکو تمہارے قتل کا حکم دیا گیا ہے ' طلوع صبح سے پہلے اور قبل اس کے کہ لوگ تمہاری آمد کی خبر سنیں ' یہاں سے روانہ ہو جاؤ ' کیونکہ اگر تمہارا خط پڑھا گیا تو پھر میرے پاس تمہارے قتل کے سوا ' کوئی چارۂ کار نہ ہوگا "

یہ ایک مخلصانہ مشورہ تھا جس کا تقاضا تھا کہ ایسے مخلصوں کی دل سے قدر کی جائے ' کیونکہ اس نے ایک ایسا مشورہ دیا جو اس کے فرض اور اس

نوجوان شاعر سے قرابت دونوں کا جامع تھا ' لیکن طرفہ نے ایسے وقت میں بھی، جب کہ وہ موت کے تختے پر چڑھ رہا تھا اپنی نجات کے زریں موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا - وہ اپنے اعتماد اور بادشاہ کی تلقین پر پورے وثوق کے ساتھ قائم رہا - اور والی کی کرم فرمائیوں کے باوجود اس نے ایک نہایت جگر خراش تہمت اس پر لگائی - طرفہ نے اس کی عنایتوں کا جواب یہ دیا کہ " میرا انعام آپ پر گراں گزرا ' آپ چاہتے ہیں کہ میں بھاگ جاؤں اور آپ عمرو بن ھند کو میرے متعلق کوئی ایسی رائے قائم کرنے کا موقع دیں جیسے کہ میں نے کوئی جرم کیا ہو - واللہ میں ہرگز ایسا نہیں کروں گا -

ان حالات میں اب والی نے لیے ناگزیر ہوگیا کہ وہ طرفہ کو قید کرے ' اس کے بعد بھی اس نے بادشاہ کو ایک خط ارسال کیا کہ وہ اس جگرسوز حکم کے نفاذ کے لیے کوئی دوسرا والی بھیجے ' ان امور سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا والی جس کا نام ربیعہ بن حارث تھا ' طرفہ پر بہت زیادہ مہربان تھا ' یہاں تک کہ قید خانہ میں بھی نہایت نرمی کا برتاؤ کیا کہ ایک جاریہ خولہ نامی کو اس کی خدمت میں بھیجا تاکہ قید کی اذیت تنہائی میں اس کی موانست کرسکے ' لیکن طرفہ نے اس کو واپس کردیا اور اپنا مشہور شعر کہا :—

الا اعتزلینی الیوم یا خول او غضی لقد نزلت حدباء محکمۃ العض

(ترجمہ) اے خولہ ! آج مجھ سے کنارہ رہ ! آج مجھ پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے -

اس قصیدے میں طرفہ نے اعتراف کیا ہے کہ اسے دھوکا دیا گیا تھا اور عمرو بن ھند سے ندامت اور افسوس کے لہجے میں درخواست کرتا ہوا نظر آتا ہے - قصیدے کے بعض اشعار یہ ہیں -

(۱) ابا منذر کانت غرورا صحیفتی و لم اعطکم بالطوع مالی و لا عرضی
(۲) ابا منذر افنیت فاستبق بعضنا حنانیک بعض الشر اھون من بعض

(ترجمہ) اے ابو منذر ! میرا خط سراسر ایک دھوکا تھا ' تمہارے ہاتھوں اپنے ناموس کی سپردگی میں میری رغبت اور ارادہ بالکل داخل نہیں - اے ابو منذر !

ہونے ہوں فنا کے گھاٹ اتار دیا - کچھ تو رحم کرو ! ارے خدا کی پناہ ! ہولناکیاں بھی، دوسری ہولناکیوں کے بالمقابل کم قوی نہیں -

طرفہ کی نسبت روایتیں بہت مختلف ہیں ' حقیقت تو یہ ہے کہ روایتیں طرفہ یا دوسرے جاہلی شعراء کے بارے میں جتنی بھی مختلف ہوں کم ہے - ایک قول ہے کہ طرفہ کو قتل کرنے والا حوائر کا ایک شخص تھا - یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے قتل کا حکم معلی بن حنش عبدی نے دیا ' جلاد کے متعلق دعویٰ ہے کہ معاویہ بن مرۃ تھا - ایک روایت میں ہے ' جس کی سبعۂ معلقہ سے بھی تائید ہوتی ہے کہ طرفہ سے پوچھا گیا کہ وہ بتائے کہ اس کو کیسے قتل کیا جائے - پس اس نے درخواست کی کہ اس کو خوب شراب پلائی جائے یہانتک کہ وہ نیم جان ہو جائے - اس کے بعد اس کی شہ رگ اور بعض دوسری رگیں کاٹ دی جائیں ' چنانچہ اس کی خواہش کے مطابق اس کو قتل کیا گیا -

خوش قسمتی سے طرفہ نے اپنی شخصیت کی زندہ اور بولتی چالتی ایک تصویر چھوڑی ہے اور جب بھی ہم اس کا مطالعہ کرتے ہیں ' تو اس شاعر کے کھو جانے کا افسوس ہوتا ہے - ہم کو صرف اس کے کھو جانے ہی کا افسوس نہیں ہوتا ' بلکہ ہمارے افسوس کا باعث شعر عرب کی وہ بھی مائگی ہے جو اس شاعر کے افکار اور گوہر ہائے گرانمایہ سے محرومی کی شکل میں نمودار ہوئی ہے - طرفہ کا کلام واردات حسن و عشق ' و فلسفہ اور زبان کی پختگی - تینوں چیزوں سے مرصع ہے - صداقت کی نمش' بدوی زندگی کی تعبیر میں سلاست و روانی اس کے اشعار کا ممتاز وصف ہیں -

طرفہ کی شخصیت سب سے زیادہ اس بڑے قصیدے میں نمایاں نظر آتی ہے جس نے سات ممتاز قصیدوں یا سات معلقوں کی مجلس میں جگہ پانے کا شرف حاصل کیا ہے -

ابن رشیق' اپنی کتاب " العمدہ " میں لکھتے ہیں :—

" معلقات کو مذہبات بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ تمام اشعار میں منتخب ہو جانے کے بعد قبطی کپڑوں پر سونے کے پانی سے لکھ کر ' کعبہ ' کی ' دیوار پر معلق

کہے جاتے ہیں ' اس لیے "مذھبۃ فلاں" (نام لے کر) کسی کے قصیدے کی نسبت کہتے ہیں........ایک قول یہ ہے کہ جب بادشاہ کو کسی کا شعر پسند ہوتا تو وہ کہتا تھا کہ اس کو ہمارے لیے معلق کر دو ' تاکہ ہمارے خزانہ میں محفوظ رہ سکے " بعض کا خیال ہے کہ عرب قصائد کو معلقات اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ان قصائد کو بڑوں سے پہلے چھوٹوں کو حفظ کراتے ہیں ' رعایا بادشاہ سے پہلے اپنے صفحۂ دماغ میں نقش کر لیتی تھی تاکہ یہ نسلوں تک محفوظ رہ سکے -

خواہ معلقات کی وجہ تسمیہ کچھ ہی کیوں نہ ہو - اظہار اھمیت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ طرفہ کا قصیدہ بھی ان سات قصیدوں میں سے ایک ہے ' جس پر عربی نسل کو فخر ہے اور جس کو ان کا ہر فرد گنگناتا ہے تاکہ یہ کہنا چاہیے کہ امرءالقیس کے قصیدے کے بعد طرفہ کے قصیدے کو معلقات کی صف میں دوسرا درجہ رکھنے کا شرف حاصل ہے -

اس قصیدے میں طرفہ قارئین کے سامنے اپنی ذات کو اس عمدہ اسلوب سے پیش کرتا ہے -

اذا القوم قالوا من فتی خلت اننی   عنیت فلم اکسل و لم اتبلد

جب بھی کسی نے کہا کہ کوئی نوجوان ہے جو ہماری مدد کو دوڑے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میری ہی ذات کو مراد لے رہا ہے - پس میں اپنے ادائے فرض میں نہ کسل سے کام لیتا ہوں نہ کاہلی سے -

و لست بحلال التلاع مخافة   و لکن متی یسترفد القوم ارفد

میں جنگ میں گھاٹیوں سے خوف کھا کر پیچھے نہیں اتر آتا - اس کے سوا اگر قوم مالی مدد چاہتی ہے تو میں اس سے بھی دریغ نہیں کرتا -

فان تبغنی فی حلقة القوم تلقنی   و ان تلتمسنی فی الحوانیت تصطد

اگر تم مجھے قوم کے دانشمندوں میں تلاش کروگے تو وہاں بھی ہوں گا اور اگر مے خانوں میں ڈھونڈوگے تو وہاں بھی موجود پاؤگے -

متی تاتنی اصبحک کاساً رویة   و ان کنت عنها ذا غنی فاغن و ازدد

اگر تم کبھی میرے ہاں آوگے تو جام اور مینا سے تمھاری خاطر کروں گا لیکن اگر

م اس شے بے نیاز ہو تو رادک اللہ !

و ان یلتقی الحی الجمیع تلاقنی   الی ذروۃ البیت الشریف المصمد

جب تمام قبیلے فخر کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں تو تم مجھکو ان لوگوں کی
جماعت میں پاؤگے جو حسب و نسب میں نہایت اعلیٰ اور ممتاز ہیں -

ان اشعار کی مزید تشریح کے لیے مجھکو ڈاکٹر طہ حسین کے الفاظ سے زیادہ
کوئی دوسری چیز ایسی نظر نہیں آئی جو یہاں پیش کی جا سکے وہ لکھتے ہیں :—

'' طرفہ کو دیکھو وہی طرفہ جو ہر شخص کا نہایت مخلصانہ استقبال کرتا ہے ،
جس کی روح نہایت لطیف ہے ، جو بیدار ہے ، جس کو اپنی ذات پر پورا پورا
اعتماد ہے ، جو اپنے نفس سے ہر طرح مطمئن ہے ، جس کی صفت اپنے فرائض کا پوری
طرح انجام دینا ہے اور اس کو مضبوطی سے اپنے قبضے میں لیے ہوئے ہے ، جس کا ایمان
ہے کہ اپنی قوم کے لیے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ صرف اپنی ذات کے لیے ، پس جب وہ
ان کو پکارتے ہیں تو وہ مدد کے لیے مستعد ہوجاتا ہے ، بلکہ اسی وقت ان کی مدد
کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہے - جب کہ استمداد کا کوئی نعرہ بھی سنتا ہے ، گویا ان کے
نعرۂ استمداد کا واحد مرجع صرف طرفہ کی ذات ہے ، اور گویا حقیقی نوجوان صرف
وہی ہے ، وہ ایک ایسا نوجوان ہے جس پر پوری قوم کی زندگی کی بنیاد قائم ہے
اور جو اپنے دوش عزم و ہمت پر پورے قبیلے کا بوجھ برداشت کئے ہوئے ہے ، وہ ہر
پکارنے والے کا جواب دینا ہے خواہ اس کا منشا کوئی دوسرا ہی کیوں نہ ہو ، وہ بغیر
کسی کسل و تبلد کے فوراً مدد کے لیے دوڑتا ہے ، پھر وہ کاہلی اور سستی کر کیسے
سکتا ہے ، جب کہ اس کا دل خود اپنی شخصیت کی عظمت سے لبریز ہے ، اور جب
کہ قوم کا دل بھی طرفہ پر اعتماد کے سبب فخر و غرور کی آبادیوں سے معمور ہے ،
پس اس کا پہلا جوہر نوجوانی ہے جو ایسے ہی فرائض کی تکمیل اور تشکیل کے لیے
آمادہ کرتی ہے ، اس کے صفات کی یہیں انتہا نہیں ہوتی کہ قومی فرائض و واجبات
کی راہ میں نثار ہو جاتا ہے ، بلکہ وہ صلح کے زمانوں میں فیاض ہے - نہ سائلوں کو
جھڑکتا ہے اور نہ محتاجوں کی اعانت سے پہلوتہی کرتا ہے ، وہ ان مخفی مکانوں میں
قیام نہیں کرتا جہاں نہ تو کوئی مسکین پہنچ سکے ، اور نہ محتاج کا گزر ہو ، بلکہ

ان مکانات میں اقامت گزیں ہوتا ہے ' جہاں سائلوں کا تانتا بندھا ہو ' وہ حاجتمندوں کو مال و دولت کی اعانت بہم پہنچانے میں ایسا ہی فیاض ہے جس طرح مظلوموں کی دادرسی میں شوریدہ سر ہے -

اگر کسی کا نفس مطمئن ہو کہ وہ اپنی قومی ذمہ داریوں کا پورا احساس رکھتا ہے ' اگر کسی کو یقین ہو کہ وہ اپنے قومی فرائض پورے حسن و خوبی سے ادا کرتا ہے ' اگر کوئی شخص ایسا ہے جو اپنی قوم پر درموں کے بے دریغ نثار کرنے میں مخل نہیں کرتا تو اس سے کہدو اپنے نفس کو زہد و قناعت کا پابند نہ بنائے - ہمارا ہیرو جس طرح ان لوگوں کو محروم نہیں کرتا اسی طرح اپنی ذات کو بھی محروم نہیں رکھتا ' وہ نہ تم سے پردہ رکھتا ہے اور نہ تمہارے علاوہ کسی اور سے ' وہ تمہاری ضرورت میں ہر وقت اعانت کے لیے آمادہ ہونے کے سبب وہ اپنا پروگرام تم کو بتاتا دیتا ہے تاکہ تمہاری ضرورتیں جب اس کی موجودگی کی حاجت محسوس کریں تو تم اس کو پا سکو -

پس جد و جہد کی ساعتوں میں تم اس کو قوم کی مجلسوں میں پاؤگے - ان مجلسوں میں جہاں تجربہ کاران قوم نادی میں بعرض مشورہ و صلاح جمع ہوتے ہیں ' وہ نوجوان ہونے کے باوجود اپنے قوم کی جد و جہد اور قومی مشاورتوں میں شریک ہے ' کیونکہ وہ عقل و رشد اور قوت فیصلہ میں اس منزل پر ہے جب کہ شرکت کا حق اس کا ذاتی اعزاز ہونا چاہیے ' قومی جد و جہد کی ساعتوں کے علاوہ تم اس کو وہاں پاؤگے جہاں دوسرے خوش حال نوجوانوں کا اقامت‌کدہ ہے ' جو ضرورت کے وقت جان اور مال کسی شے کی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتے اور فرصت کے وقت بھی دنیاوی لذتوں سے زاہدانہ بےنیازی اختیار نہیں کرتے ' تم اس کو ان میکدوں میں بھی پاؤگے جہاں میکش خم کے خم پرانی شراب لیے ہوئے نوجوانوں کے دلوں میں زندگی کا شرر انگیز تلاطم اور وجد آفریں سوج پیدا کر رہے ہیں - اگر تم ان شراب خانوں میں ملوگے تو تمہاری ملاقات رائگاں نہ جائے گی ' اس وقت بھی تم اس کو نہ تو بخیل پاؤگے اور نہ خزانہ جمع کرنے کا حریص ' نہ شحیح اور نہ جذبۂ دولت پرستی میں سرمست ' بلکہ یہاں بھی تم اس کی صحبتوں سے لطف اندوز ہوگے .. تم کو

اپنے لہو و لعب میں شریک کرے گا - وہ اتنا پلائے گا کہ سیراب ہوجاؤ - اس وقت تمھاری حاضری گراں نہیں گزرے گی' بلکہ تم کو پوری آزادی ہوگی- تم ہوگے اور تمھاری خواہشیں ہوں گی - اگر تم پیاسے ہو تو اپنی پیاس کو جام شراب سے بجھاؤ اور اگر تم بے نیاز ہو تو خدا تمھاری بے نیازی میں ثابت قدم رکھے - اگر تم کسی سے اس کا پتا پوچھوگے تو ہر شخص اس کا تعارف کرانے کے لیے مستعد نظر آئے گا - کیونکہ وہ شریف اور فیاض ہے ' شریف خانوادے سے تعلق رکھتا ہے اور پھر ان سب کے باوجود وہ بلند مرتبہ اور اعلیٰ منزل پر گام زن ہے - "

طرفہ نے عہد کسی پس و پیش کے اپنی جد و جہد اور لہو و لعب دونوں کی داستانیں بیان کی ہیں - آپ اس کے دوسرے اشعار میں پڑھیں گے - جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں ' کہ وہ اپنے ندیموں کے ساتھ میکدوں میں بیٹھ کر قدح نوشی میں مصروف رہتا ہے ' اور آغوش میں ایسی بڑی رخ عورتیں ہیں جو عشوہ و ادا کی تمام دلفریبیاں چھوڑ چکی ہیں ' اور جو نوجوان کی بےجا دست‌درازیوں سے نہ تو بے رخ ہوتی ہیں اور نہ اُن کے دل میں اس سے کسی طرح کا رنج پیدا ہوتا ہے - ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اِس جنس کی کتنی اچھی تشبیہ دی ہے کہ وہ عورتیں بالکل ایسی ہی ہوتی ہیں جس طرح فرانس کی وہ مطربات جو جنگ کے زمانے میں فوج کو اپنے نغموں سے مسرور کرتی ہیں اور جن کا نام ان کی اصطلاح میں "مدلون" ہے -

طرفہ کو خود اس کا اعتراف ہے کہ اس بےپروائی اور فضول‌خرچی سے قوم کو شکوہ تھا اور وہ اس کی فضول خرچی سے سخت ناخوش تھے -

و ما زال تشرابی الخمور و لذتی   و بیعی و انفاقی طریفی و متلدی

الی ان تحامتنی العشیرة کلہا   و افردت افراد البعیر المعبد

(ترجمہ) میں برابر شراب خواری میں مصروف ' اپنے قیمتی اموال کو فروخت اور موروثی و غیر موروثی دونوں اموال کو خرچ کرتا رہا - یہاں تک کہ سارے قبیلے نے مجھ سے قطع تعلق کر لیا اور میں خارش زدہ اونٹ کی طرح یکہ و تنہا رہ گیا -

لیکن طرفہ ان نادون کی پرواہ نہیں کرتا ، محض اسی لیے نہیں کہ یہ زمانہ عقل و خرد کی وارفتگیوں کا ہے بلکہ درحقیقت وہ ان امور کو اس لیے قابل اعتناء نہیں سمجھتا کہ وہ اپنے کو حق بجانب سمجھتا ہے ، اور اس پر دلیلیں رکھتا ہے !!!
بس اس کا مسلک ایک ٹھوس فلسفے کی بنیاد پر قائم ہے ، جس کو وہ نہایت صفائی کے ساتھ بیان کر دیتا ہے - چنانچہ وہ ان لوگوں سے پوچھتا ہے جو تندرستی کا وعظ کہتے ہیں ، اور کہا کرتے ہیں کہ جنون شباب میں اپنی صحت کے قیمتی جوہر کو قربان نہ کرو کہ اگر وہ ان چیزوں سے باز رہ جائے گا تو کیا وہ اس کی ضمانت پیش کرسکتے ہیں کہ وہ ابد تک زندہ رہے گا - اگر موت قدرت کا اٹل فیصلہ ہے ، اگر وہ بہادروں کو بھی اسی طرح نشانہ بنا سکتی ہے ، جس طرح بزدلوں کو اگر فیاضوں کے لیے اس کا وقت اسی طرح متعین ہے ، جس طرح بخیلوں کے لیے تو انسان کو لازم ہے کہ وہ پوری جانبازی سے میدان جنگ میں اپنے فرائض کو انجام دے اور اس کو چاہیے کہ دنیا کی لذتوں سے اس وقت تک لذت یاب ہوتا رہے ، جب تک زمانے کی نوازشیں اس کا ساتھ دے سکیں -

الا أیهذا اللائمي احضر الوغی — و ان اشهد اللذات ، هل انت مخلدی
فان کنت لاتستطیع دفع منیتی — فدعنی اُبادرها بماملکت یدی

اے ملامت گر ! کیا تو سند دوام حاصل کر چکا ہے جو مجھے جنگوں کی شوکت اور لذائذ سے متمتع ہونے سے روکتا ہے - جب تجھ کو اتنی طاقت نہیں کہ میری موت کو روک سکے تو مجھے چھوڑدے تا کہ میں ہر ممکن طریقے سے اس کی طرف پیش قدمی کروں ! — اور کہتا ہے -

(۱) کریم یروی نفسه فی حیاته — ستعلم ان متنا غداً اینا الصدی
(۲) اری قبر نحام بخیل بماله — کقبر غوی فی البطالة مفسد
(۳) اری الموت یعتام الکرام و یصطفی — عقیلة مال الفاحش المتشدد

میں ایسا شریف ہوں جو اپنے نفس کو اپنی زندگی ہی میں سیراب کر لیتا ہے جب ہم مرجائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ تشنہ لب کون ہے - (۲) مجھ کو بخیل اور چمڑچور کی قبر ایسی نظر آتی ہے جیسے اس گمراہ کی جو گمراہی اور فساد کا سرچشمہ ہو - (۳) میں نے موت کا یہ دستور دیکھا کہ وہ شریفوں کو لقمہ بناتی ہے اور گرانمایہ اموال کو چن لیتی ہے -

پھر طرفہ اپنے سادہ فلسفہ کی شرح یوں کرتا ہے کہ زندگی دولت کی طرح ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے، جو مرور زمانہ کے ساتھ کم ہوتی جاتی ہے اور ایسی زندگی کا انجام مال و دولت کی طرح خرچ ہو جاتا ہے - انسانی زندگی کے ان لمحات کی مثال، جو آزادی اور زندگی کا زمانہ ہے اس چوپائے کی طرح ہے جو کسی رسی میں جکڑ دیا گیا ہو، اور اس کا دوسرا سرا نگہبان کے ہاتھ میں ہو، جس سے وہ جانور بچ کر بھاگ نہیں سکتا :—

ارى العيش كنزاً ناقصا كل ليلة　　و ما تنقص الايام و الدهر ينفد

لعمرک ان الموت ما اخطأ الفتى　　لكا الطول المرخى و ثنياه باليد

میرا خیال ہے کہ زندگی، صبح و شام کم ہونے والا خزانہ ہے - صبح و شام کی یہ گردش تو ختم ہونے والی نہیں مگر یہ خزینہ ختم ہوتا جاتا ہے - تیری سوگند! موت نے کسی کو نہیں چھوڑا اس کی مثال اس رسی کی طرح ہے جو ڈھیلی چھوڑ دی گئی ہو مگر اس کے دونوں سرے کسی کی مٹھیوں میں ہوں -

طرفہ اپنے اسی فلسفے کی تصویر اپنے آخر قصیدے میں بھی کھینچتا ہے -

ارى الموت، اعداد النفوس ولا ارى　　بعيداً غداً ما اقرب اليوم من غد

نظام زندگی کے اس حسین فلسفے پر طرفہ نے لہو و لعب کا نظام قائم کیا تھا - وہ اپنی قوم کی طرف ایک زیرلب تبسم کے ساتھ دیکھتا ہے - چنانچہ تم دیکھوگے کہ وہ اپنے چچا زاد بھائی کی نصیحتوں کا جس کو اس کا حق حاصل تھا، کس حقارت کے ساتھ ذکر کرتا ہے -

(۱) فما لي اراني و ابن عمي [illegible]

(۲) يلوم و ما ادري علام يلومني　　كما لامني في الحي قرط بن معبد

نہ معلوم کیوں میں اپنے چچیرے بھائی مالک کو دیکھتا ہوں کہ جب میں اس کے قریب ہوتا ہوں تو وہ دور ہو جاتا ہے (۲) وہ ملامت کرتا ہے لیکن نہ معلوم کیوں! ایسی احمقانہ ملامت ایک دفعہ قبیلے میں قرط بن معبد نے بھی کی تھی -

طرفہ اپنے چچا زاد برادر سے درخواست کرتا ہے کہ وہ اس کو اپنی حالت پر چھوڑ دے اور پند ونصائح کا سلسلہ ختم کر دے لیکن اس کے باوجود وہ اس کے عطا اور بزرگی

کا معروف ہے۔ اس کے احسانات کا شکرگزار ہے۔ اور وعدہ کرتا ہے کہ ہر حال میں شکرگذار رہے گا۔ خواہ وہ اس سے اتنا ہی کشیدہ کیوں نہ ہوجائے جیسے کہ ضرغد اس کے گھر سے کوسوں دور ہے۔

وظلم ذوي القربى أشد مضاضة　　على المرء من وقع الحسام المهند

فذرني وخلقي إنني لك شاكر　　ولو حل بيتي نائيا عند ضرغد

(ترجمہ) اہل برادری کا ظلم شدید تلوار کی ضرب سے زیادہ جگرخراش ہے

(۲) آپ کی نصیحتوں کا شکریہ! مجھ میں جیسا کچھ ہوں ویسا ہی رہنے دیجئے؟ خواہ آپ سے کنارہ کشی میں میرا مسکن ضرغد ہی کیوں نہ ہوجائے۔

اس عتاب آمیز شکوے کے بعد طرفہ تفاخر شروع کر دیتا ہے۔ لیکن تفاخرات کا یہ باب حسرتوں اور تمناؤں سے لبریز ہے۔

فلو شاء ربي كنت قيس بن خالد　　ولو شاء ربي كنت عمرو بن مرثد

فأصبحت ذا مال كثير وزارني　　بنون كرام سادة لمسود

(ترجمہ) اگر خدا چاہے تو میں قیس بن خالد ہو جاؤں اور اگر مرضی ہو تو عمرو بن مرثد بھی ہو سکتا ہوں۔ اس وقت میرے پاس انبار زر بھی ہو اور شریف زادے بھی۔ جو سرداروں کی اولاد میں سردار ہوں گے

مشہور ہے کہ عمرو بن مرثد نے جب ان اشعار کو سنا تو وہ بہت متاثر ہوا اور اس نے طرفہ کو کہلا بھیجا " کہ جہاں تک اولاد کا تعلق ہے وہ خدا دے گا لیکن جہاں تک مال کا تعلق ہے میں تم کو اتنی متاع دلا دوں گا "

چنانچہ اس نے اپنے ساتوں لڑکوں کو بلایا اور ہر ایک سے درخواست کی کہ ہر شخص حسب حکم اپنے اپنے اونٹ کا دسواں حصہ طرفہ کو لکھ دے۔ یہ درخواست تمام لڑکوں نے مان لی۔ انہوں نے اپنے خاندانی بھائی کی مدد کی اور وہ اس سخاوت کی وجہ سے ہمیشہ اپنے دوسرے بھائیوں پر فخر کرتے رہے۔ اس قصیدے میں ایک شعر اور ہے جو اس کے علاوہ ایک دوسرے واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ طرفہ اپنے خاندان سے قطع تعلق پر اظہار افسوس کرتا ہے۔

على غير ذنب قلته غير أنني　　نشدت فلم أغفل حمولة معبد

اس شعر میں طرفہ ایک واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اس کے اور حجازاد بھائی کے درمیان ظہور پذیر ہوا - دوسرے شاعروں کی طرح طرفہ بھی خیالات سے اٹھکیلیاں کرنے والا نوجوان تھا جو دنیا اور فرائض دنیوی اور مادی امور سے بیزار ہوتا ہے - جب اس کے بھائی نے یہ کیفیت دیکھی تو اس نے سخت ملامت کی اور کہا کہ اونٹوں سے بےخبر رہ کر خیالات میں محو رہنا اچھا نہیں ' چنانچہ اس نے تحکمانہ انداز سے تنبیہ کی -

" تم اونٹ ایسے بےخبر ہوکر چراتے ہو - اگر کوئی ان کو ہانک لے جائے تو کیا تمہاری شاعری واپس دلاسکے گی "

اس سخت اور چبھتی ہوئی تنقید پر نوجوان شاعر کو سخت مشتعل ہوگیا - اپنے بھائی کو دو ٹوک جواب دیا -

" قسم خدا کی ' میں تو عادتاً اس بات تک نوبت نہیں آنے دوں گا ' جس تک یہ ثابت کروں کہ اگر کوئی اونٹوں کو ہانکا لے جائے تو میرا شعر ضرور ان کو واپس دلا دے گا "

چنانچہ طرفہ نے اونٹوں کو چھوڑ دیا - مضر کا ایک قبیلہ اُن کو ہنکا لے گیا - طرفہ نے اپنے مشہور قصیدے میں عمرو بن ہند سے استعانہ کیا - اونٹ حاصل کرنے کا جو دام طرفہ نے بچھایا تھا خالی نہ گیا اور وہ کامیاب ہوگیا یعنی اونٹ واپس دلا دیے گئے وہ دام شاعری کا مسحور کن جال تھا -

شاعر کے تذکرے کو ختم کرنے سے پہلے ' میں چند کلمات اس موضوع پر عرض کروں گا کہ تاریخ ادب عربی میں طرفہ کی کیا منزلت ہے :—

اصمعی روایت کرتے ہیں کہ عرب کے ایک شخص نے کہا کہ ایک دن جریر ہم لوگوں سے ملے تو اُن سے پوچھا گیا کہ سب سے اچھا شاعر کون ہے ؟ انہوں نے جواب دیا وہی جس کا شعر ہے -

نعیداً غداً ما اشرب الیوم من غد

اگر یہ روایت صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جریر نے جو عربی زبان کے ممتاز شعراء میں سے تھا طرفہ کو شعراء کی صف میں سب سے بلند مرتبہ پر جگہ دی ہے

مشہور شاعر لبید بن ربیعہ سے سوال کیا گیا جس کا لقب ابوعقیل تھا ، کہ سب سے اچھا شاعر کون ہے تو اُس نے جواب دیا :—

الملک الضلیل (مراد امرءالقیس)

کہا گیا ، اس کے بعد -

کہا — مقتول نوجوان (الشاب القتیل)

پوچھا گیا ، اس کے بعد -

کہا — شیخ ابو عقیل (مراد اپنی ذات)

اس موقع پر بھی لبید نے طرفہ کو اپنی ذات پر فوقیت دی ہے ، اور امرءالقیس کے بعد رکھا جو جاھلیت کے طبقۂ اولی کا مسلم الثبوت اور سب سے اچھا شاعر تھا -

لبید نے امرءالقیس اور طرفہ کے متعلق جو رائے ظاہر کی ہے بعینہ وہی رائے عبدالقادر بغدادی کی تھی - ان کا مقولہ ہے کہ امرءالقیس کے بعد طرفہ اشعر الشعراء ہے - بغدادی نے استشہاداً یہ دلیل پیش کی ہے کہ طرفہ کا قصیدہ امرءالقیس کے قصیدے کے بعد اور دوسرے تمام شعراء کے قصیدوں سے پہلے آتی لیتے ہے - کیونکہ انہوں نے اپنی کتاب طبقات الشعراء میں طرفہ کا شمار چوتھے درجے کے شاعر عبید بن الابرص اور علقمہ ابن فحل کے ساتھ کیا ہے -

واقعہ یہ ہے کہ کون شاعر سب سے اچھا تھا اور کس کو کس پر فوقیت حاصل ہے یہ ایک ایسا اختلاف ہے جو کبھی ختم نہیں ہوسکتا - جب تک کہ ساری دنیا کا ذوق ایک نہ ہو جائے گا ، یہ اختلافات بھی باقی رہیں گے -

لیکن یہاں پر میں ایک ایسی رائے نقل کرنا چاھتا ہوں جس سے محکم اور اچھی رائے مجھ کو نہیں ملی - اس رائے کی بنا پر طرفہ کو ایک ایسی جگہ پر رکھا جا سکتا ہے جس سے انکار نہیں - میری مراد قتیبہ ابن مسلم کی رائے سے ہے - حجاج ابن یوسف نے ایک مرتبہ ان سے سوال کیا کہ موجودہ زمانے میں (یعنی قتیبہ کے زمانے میں) اور جاھلیت کے دور دونوں میں سب سے اچھا شاعر کون تھا - قتیبہ نے اس کا جواب نہایت عمدہ اسلوب سے دیا تھا - انہوں نے جواب دیا -

" کہ شعرائے جاھلیت میں سب سے اچھا امرءالقیس ، اور سب سے زیادہ

ضرب المثل طرفہ ھے - اور موجودہ دور کے شعراء میں فرزدق سب سے اچھا تفخریہ اشعار کہنے والا ھے - جریر سب سے اچھا ھجوگو ھے اور اخطل مدحیہ اشعار میں کمال رکھتا ھے " - میری مراد قتیبہ کے اس جملے سے تھی کہ طرفہ سب سے زیادہ مضروب المثل ھے میرا خیال ھے کہ اس میں شبہہ کی گنجائش نہیں - دلیل کے لیے صرف یہی کافی ھے کہ ھم آج تک اس نوجوان جاھلی شاعر کے شعر کو بطور مثل پیش کرتے ھیں - طرفہ کے اشعار کو بطور مثل پیش کرنے والوں کا ایک طبقہ تو ایسا ھے جو یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس کے اشعار پڑھ رھا ھے - کون عربی کاتب ھے جس نے طرفہ کے ان اشعار کو بطور مثل پیش نہ کیا ھو -

(۱) اری الموت یعتام الکرام و یصطفی عقیلة مال الفاحش المتشدد

(۲) جنانیک بعض الشعر اھون من بعض

(۳) و ظلم ذوی القربیٰ اشد مضاضة علی المرء من وقع الحسام المھند

ایک روایت ھے کہ آنحضرت صلعم نے ایک مرتبہ طرفہ کے اس شعر کو بطور مثل پیش کیا " بعیدا غداً ما اقرب الیوم من غد " - میرے خیال میں یہ روایت قرآن کریم کی اس آیت کے معارض نہیں ھے " و ما علمناہ الشعر و ماینبغی لہ " - کیونکہ متداول شاعرانہ محاورے کو بطور مثال پیش کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مثالاً پیش کرنے والا ' شعر کو اسی معنی میں جانتا ھے ' جس مفہوم پر قرآن مجید کا لفظ " علم" دلالت کرتا ھے -

آٹھویں صدی ھجری کا ایک مؤرخ

از

محمد عبدالسمیع خاں نکہت، شاہ جہاں پوری

فن تاریخ میں روایت کو جو رتبہ حاصل ھے، اس کا اندازہ وھی لوگ کرسکتے ھیں جو اس شعبۂ معلومات میں مذاق سلیم سے بہرہ‌اندوز ھیں - اصول تاریخ کے لحاظ سے مختلف مذہبی، تمدنی، اخلاقی، ادبی حالات کی چھان بین تاریخی واقعات پر صرف روشنی ھی نہیں ڈالتی بلکہ اکثر اوقات افسانۂ ماضی اسی کے جزئیوں سے وجود پذیر ھوتا ھے - لوگ بالعموم فن تاریخ کو ایک خشک اور روکھا پھیکا مضمون خیال کرتے ھیں اور حقیقتاً جس نقطۂ نگاہ سے اس کا مطالعہ کیا جاتا ھے اس میں رنگینی و دلچسپی مفقود بھی ھوجاتی ھے مگر اصل یہ ھے کہ یہ الزام فن تاریخ پر عائد نہیں ھوتا - گزشتہ واقعات پر یوں ھی سا سرسری عبور جس میں روایت کو برائے نام بھی دخل نہ ھو، نہ تاریخ‌دانی کے دائرے میں شمار کیا جاسکتا ھے اور نہ کسی کو صحیح الدماغ مؤرخ بناسکتا ھے - تاریخ کی دلچسپی زیادہ تر اصول تاریخ کے جاننے پر موقوف ھے - جس میں بصارت کے ساتھ ساتھ بصیرت کو بہت کچھ دخل ھے - محض حظ نظر کی خاطر نہ اس فن لطیف کا مطالعہ کرنا چاھیے اور نہ ایسے لوگوں کو تاریخ ایسے وسیع اور جامع فن سے دلچسپی ھو سکتی ھے -

علاوہ اس کے انقلاب کی نیرنگی نے جہاں دنیا کی ھر چیز کو متاثر کیا ھے وھیں تاریخ میں بھی زبردست انقلاب پیدا کردیا ھے - اب تاریخ کا مقصد اس قدر محدود نہیں رھا کہ صرف قوموں کی سطحی زندگی اور عام انسانیت کا عروج و زوال اس کی

تعریف کو جامع و مانع بنادے ، آج کل صرف ایک قوم بلکہ کسی ایک مشہور و معروف شخصیت کے صحیح حالات تحریر کرنے کے لیے بھی اس قدر کاوش و تجسس کرنا پڑتا ہے کہ باید و شاید ، اور یہ مہم اس قدر زبردست خیال کی جاتی ہے کہ ہر انسانی قابلیت کو بسا اوقات اس کے استقصاء سے عاری ماننا پڑتا ہے - دیکھو دور قدیم میں زبردست حاکم اور فرمانروا طبقے کے حالات لکھدینا تاریخ کا جزو تمام تھا مگر آج زبردست شخصیتوں کی زندگی پر تبصرہ ، ذرا ذرا سی جزئی خصوصیات کی تشریح مورخ کا فرض اولین ہے ، آج انفرادی حالات پر تاریخ کا دار و مدار ہے ، بر خلاف اس کے پچھلی تاریخ اشتراکی شان پر مبنی ہوتی تھی - ہر نوع اس موقع پر لارڈ میکالے کا یہ قول سننے کے قابل ہے

" موجودہ تاریخ کے اندر سوسائٹی کا حال اس نوعیت کے ساتھ مندرج ہونا چاہیے " کہ اعلیٰ و ادنیٰ افراد کے حالات آئینہ کی طرح روشن ہوں اور شاہی لباس سے لے کر ایک قزاق کے کوہستانی جھونپڑے کا حال بھی شرح و بسط کے ساتھ بتایا جائے -

اس تاریخی تمہید کو ختم کرنے کے بعد ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ناظرین سے درخواست کرتے ہیں کہ آٹھویں صدی ہجری کے دلچسپ مورخ کا حال اس کی مختصر علمی زندگی اس کی تصنیفات بلکہ اپنے زمانے پر جو کچھ اس نے تبصرہ کیا ہے وہ سب بر لطائف اشارات صرف حظ نفس ہی کے لیے نہیں بلکہ دماغی بصیرت کو جلا دینے کے لیے پڑھیں اور اپنی طبیعت پر زور دے کر (تاریخی نقطۂ نگاہ سے) مصنف کے وسعت مذاق کو صحیح طور پر سمجھیں -

عبید زاکانی آٹھویں صدی ہجری کا مشہور و معروف ، خوش مذاق نقاد ، ظریف شاعر ، ادیب اور مورخ تھا ، اس کی زندگی کے تفصیلی حالات نہیں ملتے ، حمد اللہ مستوفی قزوینی نے کچھ حالات اپنی تاریخ گزیدہ میں لکھے ہیں ، کچھ دولت شاہ سمرقندی نے اور کچھ صاحب آتشکدہ نے مگر موخرالذکر حضرات کی کوشش سعی لاحاصل کے دائرے میں آتی ہے اور ان کے تذکرے سے کوئی مستند معلومات نہیں بہم پہنچتیں ، ہاں مرزا حبیب اصفہانی(۱) نے بھی بقول پروفیسر براؤن مرحوم اس کے حالات پر کچھ تبصرہ

---

(۱) دیکھو مقدمہ " ہزلیات زاکانی " مطبوعۂ قسطنطنیہ -

کہا ہے' ہم ان سب بیانات کو مد نظر رکھ کر عبید زاکانی کی مختصر سرگزشت پیش کرتے ہیں - زاکانی قزوین کا ایک مشہور و معروف قبیلہ ہے' یہ عربی‌النسل ہے اور اس کا تعلق قبیلۂ خفاجہ سے ہے' اس قبیلے کے بعض افراد کے پاس فرمان نبوی بھی تھا اور اسی کے معزز اور مشہور افراد میں سے ایک نظام‌الدین یا عبید زاکانی ہے' اس کی تحریریں بے نظیر ہیں' خود صاحب تصنیف ہے اور اس کے اشعار لاجواب ہیں' پیدائش ۷۰۰ھ سے کچھ پہلے ہوئی ہے' زاکانی کے لقب کی توجیہ خاص یہی ہے کہ زاکان قزوین کے قریب ایک گاؤں بھی ہے جو اس قبیلے کا قیام گاہ تھا - یہ شخص آٹھویں صدی ہجری کی ایک زبردست شخصیت ہے' مذاق سلیم اس کی فطرت میں تھا - عامی قابلیت کا مجسمہ تھا طرزادا کا ماسٹر تھا - اس کی اکثر تحریروں میں شان مزاح دائر و سائر ہے - اسی لیے بہت سے لوگ ہجوگو کے برے لفظ سے اس کو یاد کرتے ہیں' لیکن یہ امر واقعہ نہیں ہے جہاں کہیں شان متانت کے ساتھ اس نے قلم اٹھایا ہے تو سلاست و شیرینی - دقیقہ‌سنجی اور باریک بینی کی وہ بہار دکھائی ہے کہ اس کی تحریر کے سامنے کسی دوسرے مصنف کی تحریر پاسنگ کو بھی نہیں پہنچتی - شاہ ابواسحاق کے زمانے میں شیراز کی سر زمین پر عبید زاکانی نے علوم و فنون کی تحصیل کی - چندے بعد قزوین کی طرف مراجعت اختیار کی' وہاں عہدۂ قضا پر مامور ہونے کے علاوہ شرفا کے صاحبزادوں کی اتالیقی بھی عبید زاکانی کے سپرد ہوئی اور اسی طرح اس کی علمی پوزیشن روز بروز مرتفع ہونے لگی -

ترک اس دور میں فارس پر حکومت کرتے تھے - محکوموں کو ان کی منشا کے مطابق آزادی نہ نصیب تھی' علاوہ اس کے ایرانی لوگ بھی اخلاقی اور معاشرتی حیثیت سے نہایت گری ہوئی حالت میں تھے - اس لیے سب سے پہلے عبید زاکانی نے " اخلاق الاشراف " نام کی ایک کتاب لکھی جس کا سنہ تصنیف ۷۴۰ھ ہے اور اس کا موضوع صرف بذلہ‌سنجی مذاق کی رنگینی یا ظرافت نہیں بلکہ اصل مدعا اپنے زمانے کی خصوصیات پر تنقید و تبصرہ ہے - اس کے متین فقرے نہ صرف اس زمانے کے لیے درس عبرت تھے بلکہ آج بھی تاریخی معلومات کا زبردست اور

قابل قدر ذخیرہ ہیں - اس کے بعد زاکانی نے ایک دوسری کتاب لکھی جس کا
مقصد دور حاضرہ کے ذہنی ارتقا کا حال یا اُس زمانے کی علمی و عقلی ترقی کا خاکہ
لوگوں کے سامنے پیش کرنا تھا ' قزوین کے لوگ بیوقوفی و جہالت میں شہرۂ آفاق
تھے ' اس لیے ان کی عامیت کی داستان خواہ مخواہ پر لطف بن گئی - اس
کتاب کا نام رسالۂ دلکشا ہے جو دو حصوں میں منقسم ہے - حصۂ اول میں عربی
میں قصے کہانیاں مندرج ہیں - حصۂ ثانی میں فارسی زبان میں خیالات کا اظہار ہے
اس مصنف کی دوسری کتاب رسالۂ صد پند ہے جس میں علمی تجربات اور
دنیوی عقل اور تعلیمی خصوصیات کا ایک معیار بتایا گیا ہے - یہ کتاب ۷۵۰ھ میں
کی تصنیف ہے اور اپنے موضوع خاص کے لحاظ سے جس قدر دلچسپ ہو کم ہے -
اس کی ایک تصنیف ریش نامہ بھی بتائی جاتی ہے مگر حمداللہ مستوفی نے اس کا
حوالہ نہیں دیا ہے - اس مورخ نے ریش نامہ کے علاوہ ایک اور کتاب کا اضافہ کیا ہے
جو فن بلاغت میں ہے اور علم المعانی و البیان کے نام سے منسوب کی جاتی ہے -
عبید زاکانی کے مخالف بھی جو اس کو محض ہجوگو انسان سمجھتے تھے علم المعانی
و البیان کو اسی کی تصانیف میں شمار کرتے ہیں - جب عبید زاکانی نے اس
مجموعۂ فصاحت و بلاغت کو بادشاہ وقت کے حضور میں پیش کرنا چاہا تو اُسے بڑی
دقتوں کا سامنا ہوا اور اِسی ناکامی نے اس کی زندگی میں انقلاب عظیم پیدا
کر دیا ' مشیر سلطنت کی یہ رائے تھی کہ بادشاہ ان علمی مشاغل سے کوئی
دلچسپی نہیں رکھتا ہے اور واقعہ بھی یہی تھا اِس لیے انجام کو مدنظر رکھ کر
عبید زاکانی نے بادشاہ کا مقرب بننے کے لیے وہی باتیں شروع کر دیں جو ضروریات
زمانہ کے مطابق تھیں یعنی مزاح ' بذلہ سنجی ' تمسخر و ظرافت وغیرہ ' اس کے اس
نامرداں رویے پر بعض سنجیدہ معاصرین نے اعتراض بھی کیا ہے - چنانچہ زاکانی نے
اس کا جواب اس طرح دیا ہے :—

اے خواجہ مکن تا بتوانی طلب علم   کاندر طلب راتب ہر روزہ بمانی
رو مسخرگی پیشہ کن و مطربی آموز   تا داد خود از مہتر و کہتر بستانی

بہرنوع یہ ضروریات زمانہ کسی شخص کے جوہر ذاتی کو برباد نہیں کر سکتیں - جس

طرح ہجو ملیح سے (اگر جوہر کمال سے آراستہ ہو) مصنف کی عزت کو بٹا نہیں لگتا اسی طرح عبید زاکانی کی یہ عارضی جسارت اُس کی علمی قابلیت اور روشن خیالی پر کوئی بدنما دھبا نہیں ہے - اس مصنف کی چھوٹی تصنیف اس کا مجموعۂ کلام غزلیات قطعات و قصائد وغیرہ ہیں جن میں یہ عجیب و غریب چیزیں ہیں بلحاظ طوالت اس پر تبصرہ نہیں کیا جاتا - اور آثاروں کی طرح یہ مجموعہ بھی نایاب ہے لیکن برٹش میوزیم میں یہ بیش بہا جواہر موجود ہیں اور خوش قسمت مستشرق ان سے فیضیاب ہوتے ہیں - اس مجموعے میں مختلف قصائد، شیخ ابواسحاق سلطان رکن الدین عمید الملک وغیرہ کی تعریف میں پائے جاتے ہیں جو ادبی حیثیت سے نہایت پر لطف ہیں - اس کے علاوہ اور نظمیں بھی انھیں کی طرف منسوب ہیں اور ان کے بعض نسخے ہندوستان میں بھی شائع ہوے ہیں - عبید زاکانی کی ہزلیات موش و گربہ، ریش نامہ، عشاق نامہ، فالنامہ وغیرہ مطالعے کے قابل چیزیں ہیں مگر افسوس کہ اب میسر نہیں آتیں -

بعض لوگ شیعہ سنی کشمکش میں بھی عبید زاکانی کو ڈالتے ہیں اور اس کا ذمہ دار ہزلیات کی ترتیب نعت اور چار یار کی منقبت کو ٹھہراتے ہیں - مگر اُس کی تصنیف کے مطالعے سے یہ روشن ہو جاتا ہے - کہ تنگ خیالی سے اس کے دماغ کو کوئی لگاؤ نہ تھا - اخلاق الاشراف میں اس نے مختلف مسائل پر زبردست تبصرہ کیا ہے اور جن شعروں کا جابجا حوالہ دیا ہے وہ اس کے وسیع خیالات کا مظہر اتم ہیں ایک جگہ لکھتا ہے *

بہر مذہب کہ باشی باش نیکوکار و بخشندہ
کہ کفر و نیکخوئی بہ ز اسلام و بداخلاقی

ایک اور موقع پر لکھتا ہے :—

گر نبی آید و گر نہ تو نکو سیرت باش کہ نہ دوزخ نہ رود مردم پاکیزہ سیر

بہر نوع عبید زاکانی کا عالی مرتبہ دکھلانے کے بعد آٹھویں صدی ہجری کی دلچسپ تاریخ کا خاکہ اسی کی تصنیف " تعریفات " سے ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے

یہیں کہا جاتا ہے یہ کتاب " تعریفات " بھی " صد پند " کی طرح مختصر ہے - دس فصلوں میں اس کی تقسیم کی گئی ہے اور ہر فصل دلچسپی ہی کا مخزن نہیں بلکہ تاریخی حیثیت سے دور قدیم کا دلچسپ ترین نمونہ ہے - دیکھنے والے دیکھیں اور دماغی بصیرت کی سرکردگی میں تاریخی نقطۂ نگاہ کو صحیح طور پر سمجھیں - عبید زاکانی کی مکمل علمی زندگی لکھنا ہمارا مطمح نظر نہیں ہے، ہاں اس کی دیگر تصانیف پر آئندہ تبصرہ کرنے کا ضرور ارادہ ہے - اب ہم دیگر واقعات و سوانح کو قصداً نظر انداز کرتے ہیں اور فن تاریخ کے متعلق ہم نے جو نوٹ ابتدا میں لکھا ہے اس کو اس موقعے پر یاد دلاتے ہیں - اور تعریفات کو نظر غائر سے ملاحظہ فرمانے کی استدعا کرتے ہیں -

فصل اول، متعلق دنیا و ما فیہا

دنیا کیا چیز ہے ؟	ایک ایسی جگہ جہاں کسی قسم کی مخلوق کو اطمینان و سکون حاصل نہیں ہوسکتا -
عقلمند کون شخص ہے ؟	جو نہ دنیا سے علاقہ رکھے نہ اس کے رہنے والوں سے !
مکمل انسان کون ہے ؟	جو نہ رنج سے متاثر ہو نہ خوشی سے !
خیال کیا چیز ہے ؟	جو انسان کو خواہ مخواہ بلاضرورت پریشان کرے -
تعلیم یافتہ کون شخص ہے ؟	جس کو اپنے حصول معاش کا شعور و احساس نہ ہو اور نہ اپنی روزی کماسکے !
جاہل کسے کہتے ہیں ؟	جو قسمت کا سکندر ہو وہی جاہل ہے !

فصل دوم، ترک اور ان کے دوست

یاجوج ماجوج کسے کہتے ہیں ؟	ترکی قبائل کو جو کسی ملک پر دھاوا کرنے کی غرض سے جا رہے ہوں !
جہنم کے نقیب کون لوگ ہیں ؟	ترکوں کے لیڈر !
قحط کسے کہتے ہیں ؟	ان لوگوں کی آمدنی سے جو نتیجہ برآمد ہو وہی قحط ہے !

کانسٹبل کون شخص ہے ؟ جو رات کو لوٹ مار کرے اور دن کو دکانوں سے رشوت و تاوان حاصل کرے -

فصل سوم' قاضی اور اس کے صفات

قاضی کون ہے ؟ جس کو تمام لوگ برا کہیں وہی قاضی ہے !

وکیل کون ہے ؟ جو اصل اور بےبنیاد باتوں کو سچ کر دکھائے وہی وکیل .

رشوت کسے کہتے ہیں ؟ جو چیز غریبوں اور مظلوموں کی دستگیری کرے !

خوش قسمت کون ہے ؟ جس کو قاضی یا جج کا دیدار بھی نصیب نہ ہو !

واعظ کی کیا تعریف ہے ؟ ایک بیوقوف انسان !

خطیب ؟ ایک بےمغز و نادان آدمی !

شاعر کی کیا تعریف ہے ؟ ایک حریص اور الہلا انسان !

فصل چہارم' شیوخ اور ان کے مریدین

شیخ کسے کہتے ہیں ؟ معلم الملکوت.............کو '

شیاطین کون ہیں ؟ اُس کے متبعین '

صوفی کون ہے ؟ جو دوسروں کی کمائی کھائے اور خود نہ کمائے -

حاجی کی تعریف کیا ہے ؟ جو کعبہ کی جھوٹی قسم کھائے -

فصل پنجم' شرفا کے متعلق

بیباکی و شیخی ؟ سوشا کی تجارت کا سرمایہ ہے !

ہیچ و پوچ کیا چیز ہے ؟ شرفا کا وجود !

بالکل بےمغز اور بےاصل کیا چیز ہے ؟ ان کی آداب و تہذیب !

غرور و سفاہت کس چیز کا نام ہے؟ شرفاء کی گفتگو کا !

حسد بغض غرور' نکتہ چینی ؟ ان کی خصوصیات ہیں !

بیوقوف کون ہے ؟ جو ان شعرا سے بھلائی یا حلب منفعت کی امید رکھے !

فصل ششم، پیشہ ور اور صناع

دکاندار کون ہے ؟ جسے خوف خدا نہ ہو !

عطار کسے کہتے ہیں ؟ جو ہر شخص کو بیمار بنانے کا متمنی ہو !

ڈاکٹر کی تعریف ؟ جلاد و قاتل !

جھوٹا کون ہے ؟ نجومی !

پہلوان کی تعریف ؟ کاہل، بیوقوف، سادہ لوح، آوارہ !

دلال کی تعریف ؟ کسی بازار کا مستند چور -

ایک فیصدی کیا چیز ہے ؟ جو چیز زمیندار کو فصل سے نہیں ملتی وہی ایک فیصدی ہے ۔

شکایت و فریاد ؟ جو زمیندار کے کانوں تک پہنچتی ہے وہ شکایت و فریاد ہے -

فصل ہفتم، شراب اور اس کے لوازم

شراب کی تعریف ؟ بیچینی اور اضطراب کا سرچشمہ -

چوسر - گنجفہ - حسن پرستی خدیلیں یہ اور قباحت ؟ سب شراب نوشی کے ذرائع ہیں !

بربط و طنبور و چنگ و رباب وغیرہ ؟ یہ اس کا گانا بجانا ہے !

کباب و گزک ؟ شراب پینے والوں کی غذا !

باغ و چمن ؟ شراب نوشی کے لیے مناسب جگہ !

خوشی و لطف کو تباہ کرنے والی کیا چیز ہے ؟ رمضان !

فصل ھشتم، متعلق بھنگ نوشی

بھنگ کیا چیز ھے	؟	جو صوفیوں کو وجد و مسرت سے لبریز کردے !
زندہ دل کون شخص ھے	؟	جو شراب اور بھنگ دونوں پیے !
مردہ دل کون ھے	؟	جوان دونوں میں سے ایک بھی نہ پیے !

فصل نہم، صاحب خانہ اور اس کے ملحقین

نوجوان یا کنوارے کی تعریف	؟	جو دنیا کی داڑھی پر ھنسی اڑائے !
بدقسمت کون ھے	؟	جو مالک خانہ ھو !
ذوالقرنین کون ھے	؟	جس کی دو بیویاں ھوں !
سب سے زیادہ بدقسمت کون ھے	؟	جس کی دو سے زیادہ بیویاں ھوں :
لایعنی اور بےکار کیا چیز ھے	؟	صاحب خانہ کی زندگی !
ضائع ھونے والی چیز کا نام	؟	وقت اور صاحب خانہ کی دولت !
خلل رکھنے والی چیز	؟	صاحب خانہ کا دماغ !
تلخ کیا چیز ھوتی ھے	؟	صاحب خانہ کی زندگی !
ماتم سرا کس گھر کا نام ھے	؟	اسی کے دولتکدہ کا !
گھر میں دشمن کون ھوتا ھے	؟	اسی کا خلف الرشید !
بدنصیب کون ھوتا ھے	؟	جو لڑکی کی وجہ سے یا لڑکی کی طرف سے رنج اٹھائے !
حریف کون ھوتا ھے	؟	صاحب خانہ کا بھائی !
رشتہ‌دار کی تعریف	؟	اس کا جانی دشمن !
افسوس کے بعد خوشی کس چیز سے حاصل ھوتی ھے	؟	طلاق ثلاثہ سے !

*

فصل دهم، مرد عورت کی حقیقی فطرت

خانم کی تعریف ؟ جس کے بہت سے خواستگار هوں !

بیگم کی عصمت ؟ جس کے چاهنے والے معدودے چند هوں !

پاکباز کسے کہتے هیں ؟ جو ایک عاشق پر اکتفا نہ کرے !

کنواری یا باکرہ ؟ ایک نام نہاد هستی جس کا وجود نہ پایا جائے !

نوٹ — ناظرین یہ تعریفات پڑھ کر آزردہ نہ هوں " نقل کفر کفر نہ باشد " هر طبقے میں هر قسم کے لوگ هوتے هیں اور هوتے رهیں گے ' مصنف کا اصل خطاب انهیں ظاهر پرست اور طمع ساز حضرات سے هے جو دنیا کی خاطر دین کو بیچتے هیں ' " آن را کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک " سمجھنا یوں چاهیے کہ اگلے وقتوں کی باتیں هیں کچھ اصل اور کچھ بے اصل -

اب ناظرین دلچسپ مورخ کے کرکٹر کو خود ذهن نشین فرمائیں - اصول فطرت کے لحاظ سے دور جدید اور دور قدیم کا تقابل کریں اور پھر اس نتیجے پر پہنچیں کہ یہ تشریحات صرف مزاح پر مبنی هوسکتی هیں یا اصلیت هی اصلیت پر - واقعہ یہ هے کہ هر دور کی تاریخ حکومت کے دباؤ سے ایسے واقعات کا اظہار کرسکتی هے اور نہ اس نے اب تک ایسا کیا هے - اس لیے آٹھویں صدی هجری کی تاریخوں میں ان تشریحات کا ذکر نہ هونا چنداں مستبعد نہیں ' هم ایسے پیچیدہ مسائل کو ناظرین و مبصرین هی کے فیصلے پر چھوڑتے هیں اور اپنی رائے کو ریزرو (Reserve) یا محفوظ رکھتے هیں - عبید زاکانی کی تصنیفات پر مفصل ریویو غالباً آئندہ هو سکے گا -

یار زندہ ' صحبت باقی

طیور آوارہ

از

شاعر اعظم ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹیگور مرحوم

(مترجمہ سید اصغر علی صاحب سکندر آبادی)

۱—موسم گرما کے طیور آوارہ میری کھڑکی میں نغمہ سنجی کرنے کے لئے آتے ہیں اور اُڑ جاتے ہیں -

اور موسم خزاں کے زرد پتے، جن میں کوئی نغمات نہیں ہیں ، لرزتے ہیں اور ایک آہ بھرتے ہوئے گرجاتے ہیں -

۲—اے دنیا کے ننھے خانہ بدوشوں کے گروہ ، میرے الفاظ میں اپنے نقش پا چھوڑ جاؤ -

۳—دنیا اپنے عاشق کے سامنے اپنی وسعت کا نقاب اتار دیتی ہے -

یہ اس غیر فانی ذات کے ایک راگ اور ایک بوسے کی مانند چھوٹی ہو جاتی ہے -

۴—یہ زمین کے آنسو ہی ہیں، جو اس کے تبسمات کی تازگی کو قائم رکھتے ہیں -

۵—زبردست ریگستان گھاس کی اُس ایک پتی کے عشق میں بھٹک رہا ہے ، جو اپنا سر ہلاتی ، قہقہہ لگاتی اور پرواز کرجاتی ہے -

۶—اگر تم سورج کے ضائع ہونے پر آنسو بہاؤگے، تو ستاروں کو بھی ضائع کر دو گے -

۷—اے رقص کرتے ہوئے پانی ، تیرے راستے میں ریت کے ذرات تیرے نغمے اور حرکت کی استدعا کرتے ہیں - کیا تو ان کے لنگ کا بار اُٹھا لے جائے گا ؟

۸—اس کا پرحسرت چہرہ ، رات کی بارش کی طرح ، مجھے خوابوں میں دکھائی دیتا رہتا ہے -

٩—ایک مرتبہ ہم نے خواب میں دیکھا کہ ہم اجنبی ہیں -

ہم نے بیدار ہوکر یہ دیکھا کہ ہم ایک دوسرے کو بہت عزیز ہیں -

١٠—میرے دل میں غم و اندوہ خاموش ہوکر اسی طرح سکون میں تبدیل ہوگیا ہے ' جس طرح خاموش درختوں میں شام -

١١—چند غیر مرئی انگلیاں میرے دل پر ایک ہلکی نسیم کی طرح لہردار آواز میں راگ بجا رہی ہیں -

١٢—" او سمندر - تیری زبان کیا ہے ؟ "

" دائمی سوال کی زبان - "

" او آسمان - اس سوال کا تیرا کیا جواب ہے کہ تیری زبان کیا ہے " ؟

" دائمی خاموشی کی زبان - "

١٣—اے میرے دل - دنیا کی ان سرگوشیوں کو سن ' جن سے یہ تجھ سے اظہار محبت کرتی ہے -

١٤—کائنات کا راز رات کی تاریکی کی طرح ہے——یہ بہت بڑا ہے - واقفیت کا فریب صبح کے کہرے کی مانند ہے -

١٥—اپنی محبت کو چٹان پر مت بٹھاؤ کیونکہ وہ بہت بلند ہے -

١٦—میں آج صبح اپنی کھڑکی میں بیٹھا ' جہاں دنیا ایک رہگیر کی طرح ایک لمحے کے لیے رکتی ہے ' مجھے سلام کرتی ہے - اور پھر چلی جاتی ہے -

١٧—یہ معمولی خیالات ' پتوں کی سرسراہٹ ہیں - ان کی مسرت کی سرگوشی میرے دماغ میں ہے -

١٨—جو تم ہو وہ تم نہیں دکھائی دیتے - جو تم دکھائی دیتے ہو وہ تمہارا پرتو ہے -

١٩—میری خواہشات بیہودہ ہیں - وہ تیرے نغمات کے درمیان خلل ڈالتی ہیں - اے میرے آقا -

مجھے انہیں مت سننے دے -

٢٠—میں بہترین چیز کا انتخاب نہیں کر سکتا -

بہترین چیز میرا انتخاب کرتی ہے -

۲۱—وہ اپنے سائے اپنے آگے ڈالتے ھیں ' جو اپنی لالٹین اپنی کمر پر لے کر چلتے ہیں -

۲۲—کہ میرا وجود ایک مسلسل استعجاب ہے ' جس کا نام زندگی ھے -

۲۳—" ھم سرسراتی ہوئی پتیوں میں آواز ھے ' جو طوفانوں کو جواب دیتی ھے - لیکن تم کون ہو جو اس قدر خاموش ہو ؟ "

" میں تو ایک معمولی سا پھول ہوں - "

۲۴—آرام کام کی ملکیت ھے ' جس طرح پپوٹے آنکھوں کی -

۲۵—انسان ایک پیدا شدہ بچہ ھے - اس کی قوت نشو و نما کی قوت ھے -

۲۶—خدا ان پھولوں کے جواب کی اُمید رکھتا ھے ' جو وہ ھمیں بخشتا ھے - سورج اور زمین کے نہیں -

۲۷—روشنی ' جو ایک برہنہ بچے کی مانند ھرے ھرے پتوں میں کھیلتی ھے ' بےخبر ھے کہ یہ نہیں جانتی کہ انسان جھوٹ بول سکتا ھے -

۲۸—او حسن ' اپنے آپ کو محبت میں تلاش کر - آئینے کی خوشامدوں میں نہیں -

۲۹—میرا دل اسی کی لہروں کو دنیا کے ساحل پر دے دے کر مارتا ھے اور آنسوؤں سے اس پر اس کے دستخط ان الفاظ میں کر دیتا ھے " میں تجھ سے محبت کرتا ہوں - "

۳۰—" اے چاند ' تم کس لیے انتظار کرتے ہو ؟ "

" سورج کو سلام کرنے کے لیے ' جس کے واسطے مجھے راستہ کرنا چاھیے - "

۳۱—درخت میری کھڑکی میں گونگی زمین کی مشتاق آواز کی طرح آتے ھیں -

۳۲—اس کی اپنی صبحیں خدا کے لیے نئے استعجابات ہیں -

۳۳—زندگی دنیا کے مطالبات سے اپنی دولت حاصل کرتی ھے اور محبت کے مطالبات سے اس کی قیمت -

۳۴—دریا کی خشک تہ اپنے ماضی کے لیے کوئی جذبۂ شکر نہیں پاتی -

۳۵—چڑیا چاہتی ہے کہ وہ ایک بادل ہوتی -
بادل چاہتا ہے کہ وہ ایک چڑیا ہوتا -

۳۶—آبشار گاتا ہے " جب مجھے اپنی آزادی مل جاتی ہے تو مجھے اپنا نغمہ مل جاتا ہے "

۳۷—میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ دل کیوں خاموشی میں پژمردہ ہوا جاتا ہے -
ایسا ان معمولی معمولی ضروریات کی وجہ سے ہے ' جن کی یہ کبھی درخواست نہیں کرتا ' یا نہیں جانتا ' یا یاد نہیں رکھتا -

۳۸—اے عورت ' جب تو اپنے گھر کے کام کاج میں اِدھر سے اُدھر گھومتی ہے تو میرے اعضا اس طرح راگ پیدا کرتے ہیں جیسے ایک چشمہ اپنے سنگریزوں میں -

۳۹—سورج مشرق کو اپنا آخری سلام کرتا ہوا مغربی سمندر کو عبور کرنے کے لیے جاتا ہے -

۴۰—اپنے کھانے کو الزام مت دو کیونکہ تمہیں اشتہا نہیں ہے -

۴۱—درخت زمین کی تمناؤں کی طرح آسمان کو جھانکنے کے لیے اپنے انگوٹھوں کے بل کھڑے ہوتے ہیں -

۴۲—تم مسکرائے اور مجھ سے لاشے کا تذکرہ کیا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کے لیے میں بہت دن سے منتظر تھا -

۴۳—پانی میں مچھلی خاموش ہے - زمین پر چوپایہ پر شور ہے - ہوا میں چڑیا گا رہی ہے -
لیکن انسان کے وجود میں سمندر کی خاموشی ' زمین کا شور اور فضا کا راگ ہے -

۴۴—دنیا دل کے ڈھیلے ڈھالے تاروں کے اُوپر سے افسردگی کا راگ پیدا کرتی ہوئی جھپٹتی ہے -

۴۵—اس نے اپنے ہتھیاروں کو اپنا دیوتا بنا دیا ہے -
جب اس کے ہتھیار جیت جاتے ہیں تو اسے خود کو شکست ہو جاتی ہے -

۴۶—خدا اپنے کو تخلیق کرکے پاتا ہے -

۴۷—سایہ اپنا نقاب ڈالے ہوئے اپنے محبت بھرے خاموش قدموں سے پوشیدہ طور پر بےزبانی سے روشنی کا پیچھا کرتا ہے -

۴۸—ستارے جگنوؤں کی طرح ظاہر ہونے میں خائف نہیں ہیں -

۴۹—میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں طاقت کے پہیوں میں سے نہیں ہوں بلکہ ان زندہ مخلوقات میں سے ہوں ' جو اس سے کچلے جاتے ہیں -

۵۰—دماغ ' جو تیز ہے لیکن وسیع نہیں ' ہر ایک نقطے پر رک جاتا ہے لیکن حرکت نہیں کرتا -

۵۱—تمہارا بت یہ ثابت کرنے کے لیے ریزہ ریزہ ہوکر خاک میں مل گیا ہے کہ خدا کی خاک تمہارے بت سے زیادہ عظیم المرتبہ ہے -

۵۲—انسان اپنی شہرت میں اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتا - وہ اس میں سے بڑی کشمکش سے نکلتا ہے -

۵۳—جب شیشے کا لمپ مٹی کے چراغ کو اپنے آپ کو بھائی کہنے پر برا بھلا کہتا ہے تو چاند طلوع ہوتا ہے اور شیشے کا لمپ ایک خوش‌گوار تبسم کے ساتھ اسے پکارتا ہے—'' میری پیاری اور عزیز بہن ''

۵۴—بحری بگلوں اور لہروں کی طرح ہم ملتے ہیں اور قریب آجاتے ہیں - بحری بگلے اُڑ جاتے ہیں - لہریں آگے کو بہ جاتی ہیں - اور ہم جدا ہو جاتے ہیں -

۵۵—میرا دن ختم ہو چکا ہے اور میں اس کشتی کی طرح ہوں ' جو ساحل پر کھڑی کردی گئی ہو اور شام کو مد و جزر کے رقص آمیز نغمے کو سن رہی ہو -

۵۶—زندگی ہمیں دی گئی ہے - ہم اسے دے کر اجر پاتے ہیں -

۵۷—ہم اس وقت بڑے آدمیوں کے زیادہ قریب آتے ہوں جب کہ ہم انکساری میں بڑے ہوں -

۵۸—کنجشک ' مور کے حال پر اس کی دم کے بار کی وجہ سے افسردہ ہے -

۵۹—لمحات سے کبھی خوفزدہ نہ ہو غیرفانی کی آواز یہ نغمہ گاتی ہے -

۶۰—آندھی نا سڑک ہر قریب کی سڑک تلاش کرتی ہے اور یکایک اپنی جستجو کو '' کہیں نہیں '' ختم کردیتی ہے -

۶۱—اے دوست، میرے اپنے جام میں میری شراب لے -
جب اسے دوسروں کے جام میں انڈیلا جاتا ہے تو یہ اپنے جھاگوں کا حلقہ ضائع کر دیتی ہے -

۶۲—مکمل، غیر مکمل کی محبت میں اپنے آپ کو حسن سے آراستہ کرتا ہے -

۶۳—خدا انسان سے کہتا ہے " میں تجھے اچھا کرتا ہوں اس لیے تجھے تکلیف پہنچاتا ہوں - تجھ سے محبت کرتا ہوں اس لیے سزا دیتا ہوں - "

۶۴—مشعل کا اس کی روشنی کے لیے شکریہ ادا کرو لیکن اس مشعلچی کو مت بھولو، جو تاریکی میں صبر کی استقامت سے کھڑا ہوا ہے -

۶۵—اے ننھی گھاس، تیرے قدم چھوٹے ہیں لیکن تو اپنے قدموں کے نیچے زمین کو رکھتی ہے -

۶۶—نوزائیدہ پھول اپنی کلی کھولتا ہے اور چلاتا ہے " عزیز دنیا - براہِ کرم پژمردہ مت ہو - "

۶۷—خدا بڑی بڑی سلطنتوں سے عاجز آجاتا ہے لیکن ننھے ننھے پھولوں سے کبھی نہیں -

۶۸—بےانصافی کو شکست کی قدرت نہیں ہے، لیکن انصاف کو ہے -

۶۹—" میں مسرت میں اپنا تمام پانی دے دیتا ہوں " آبشار گاتا ہے " حالانکہ پیاسے کے لیے اس کا تھوڑا سا ہی حصہ کافی ہے - "

۷۰—وہ فوارہ کہاں ہے جو اِن پھولوں کو انبساط کے متواتر دوروں میں اوپر پھینکتا ہے -

۷۱—لکڑہارے کی کلہاڑی نے اپنے دستے کے لیے درخت سے استدعا کی -
درخت نے دے دیا -

۷۲—میں اپنے دل کی تنہائی میں اس بیوہ شام کی آہ کو محسوس کرتا ہوں، جس پر کہرے اور مینہ کا نقاب پڑا ہو -

۷۳—پاکدامنی ایک دولت ہے، جو محبت کی زیادتی سے آتی ہے -

۷۴—کہرا، محبت کی طرح، پہاڑیوں کے دل پر راگ بجاتا ہے اور حسن کے

ستعجابات پیدا کرتا ہے -

۷۵—ہم دنیا کو غلط پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمیں دھوکا دیتی ہے -

۷۶—شاعر ہوا ' اپنی ہی آواز کو تلاش کرنے کے لیے سمندر اور جنگل پر گئی ہے-

۷۷—ہر بچہ یہ پیام لیے ہوئے آتا ہے کہ خدا ابھی انسان سے دل شکستہ نہیں وا ہے -

۷۸—گھاس اپنے اجتماع کو زمین میں تلاش کرتی ہے -

درخت اپنی آسمان کی تنہائی ڈھونڈتا ہے -

۷۹—انسان اپنے ہی خلاف مورچہ بندی کرتا ہے -

۸۰— اے میرے دوست ' تیری آواز اِن گوش بر آواز صنوبروں میں سمندر کی ی ہوئی آواز کی طرح میرے دل میں چکر لگاتی ہے -

۸۱—تاریکی کا یہ کون سا عیرمرئی شعلہ ہے ' جس کی چنگاریاں یہ ستارے یں ؟ -

۸۲—زندگی کو موسم گرما کے پھولوں کی طرح حسین ' اور موت کو خزاں کے ں کی مانند ہونے دو -

۸۳—وہ ' جو بھلائی کرنا چاہتا ہے ' دروازے پر دستک دیتا ہے ' وہ ' جو محبت تا ہے ' دروازے کو کھلا پاتا ہے -

۸۴—موت میں کثیر تعداد ایک ہو جاتی ہے - زندگی میں ایک کثیر تعداد ہو باتا ہے -

اس وقت مذہب ایک ہوگا جب خدا مرجائے گا -

۸۵—فن کار فطرت کا عاشق ہے - لہذا وہ اس کا غلام اور اس کا آقا ہے -

۸۶— " اے پھل ' تو مجھ سے کتنی دور ہے ؟"

" اے پھول میں تیرے دل میں پوشیدہ ہوں -"

۸۷— یہ تمنا اس کے لیے ہے' جو رات کو محسوس کیا جاتا ہے لیکن دن میں کھا نہیں جاتا -

۸۸—" کنول کی پتی کے نیچے تم شبنم کا ایک بڑا قطرہ ہو - اس کے اوپر کی

طرف میں ایک چھوٹا قطرہ ہوں" شبنم کے قطرے نے جھیل سے کہا -

۸۹— نیام اس وقت اپنے کند ہونے پر قانع ہوتی ہے جب وہ تلوار کی تیزی کی حفاظت کرتی ہے -

۹۰— تاریکی میں واحد یکساں کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے - روشنی میں واحد گوناگوں حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے -

۹۱— زبردست زمین اپنے آپ کو گھاس کی مدد سے متواضع بنالیتی ہے -

۹۲— پتیوں کی پیدائش اور موت گرداب کے وہ تیز چکر ہیں جن کے وسیع دائرے آہستہ آہستہ ستاروں کے درمیان حرکت کرتے ہیں -

۹۳— طاقت نے دنیا سے کہا " تم میری ہو "

دنیا نے اُسے اپنے تخت پر قید رکھا

محبت نے دنیا سے کہا " میں تیری ہوں"

دنیا نے اُسے اپنی گھر کی آزادی دے دی -

۹۴— کہر دنیا کی مانند ہے -

نہ سورج کو چھپا دیتی ہے' جس کے لئے وہ چلاتی ہے -

۹۵— اے میرے دل ' خاموش رہ - یہ بڑے بڑے درخت دعائیں ہیں -

۹۶— وقت کا شور ازلی وجود کے نغمے کا مضحکہ اڑاتا ہے -

۹۷— میں ان دوسرے زمانوں کا خیال کرتا ہوں ' جو زندگی اور محبت اور موت کے چشمے پر تیرتے ہے اور جو بھلا دیے گئے ہیں ' اور میں گذر جانے کی آزادی محسوس کرتا ہوں -

۹۸— میری روح کی افسردگی اس کی دلہن کا نقاب ہے -

یہ رات میں اٹھائے جانے کا انتظار کر رہی ہے -

۹۹— موت کا ٹھپا زندگی کے سکے کو خریدنے کی قوت بخشتا ہے اور یہ ممکن کر دیتا ہے کہ زندگی سے ہر وہ چیز خریدی جا سکے جو در اصل قیمتی ہے -

۱۰۰— بادل آسمان کے ایک گوشے میں عاجزانہ طور پر کھڑا تھا -

صبح نے اس کے سر پر آب و تاب کا تاج رکھ دیا -

۱۰۱—خاک کو ذلت ملی ہے اور معاوضے میں وہ اپنے پھول پیش کرتی ہے -

۱۰۲—پھولوں کو رکھنے کے لیے انہیں جمع کرنے کو مت ٹھہرو ' بلکہ چلتے رہو ' کیونکہ پھر تمہارے تمام راستے پھولتے ہی رہیں گے -

۱۰۳—جڑیں نیچے زمین کے اندر شاخیں ہیں -

شاخیں ہوا میں جڑیں ہیں -

۱۰۴—دور دراز کے گرما کا نغمہ اپنا پہلا آشیانہ تلاش کرتے ہوئے خزاں کے گرد تھرتھراتا ہے -

۱۰۵—اپنی جیب سے فضیلت ادھار دے کر اپنے دوست کی توہین مت کرو -

۱۰۶—نا معلوم دنوں کا مس میرے دل سے پرانے درخت کے گرد کائی کی طرح چمٹا ہوا ہے -

۱۰۷—صدائے بار گشت ' یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ اصلی ہے ' اپنے ماخذ کی تضحیک کرتی ہے -

۱۰۸—خدا کو اس وقت شرم آتی ہے ' جبکہ اقبال‌مند اپنے خاص لطف وکرم کی شیخی مارتا ہے -

۱۰۹—میں اپنے راستے پر اپنا ہی سایہ ڈالتا ہوں کیونکہ میرے پاس ایک چراغ ہے ' جو جلایا نہیں گیا ہے -

۱۱۰—انسان اپنی خاموشی کے ہنگامے کو غرق کرنے کے لیے پرشور مجمع میں جاتا ہے -

۱۱۱—جو ناتوانی پر ختم ہوتا ہے وہ موت ہے لیکن مکمل اختتام لا انتہا میں ہے -

۱۱۲—سورج کی پوشاک سیدھی سادھی روشنی کی ہے - بادل شان و شوکت سے آراستہ ہوں -

—پہاڑیاں ان بچوں کی چیخوں کی مانند ہیں ' جو ستاروں کو پکڑنے کی کوشش میں اپنی بانہیں اوپر کو اٹھاتے ہیں -

۱۱۴—سڑک اپنے ہجوم میں بھی تنہا ہے کیونکہ اس سے محبت نہیں کی جاتی

۱۱۵ـــوہ پتے ' جو گرتے ھیں ' اور وہ بادل ' جو [illegible] تے ھیں ' اس طاقت کا ' جو اپنی شرارتوں کی شوخی ماوتی ھے ' مذاق [illegible] اے ھیں -

۱۱۶ـــآج دھوپ میں زمین ایک عورت کی طرح ' جو کات رھی ہو ' مجھے کسی بھولی ہوئی زبان میں پرانے زمانے کا کوئی گیت گنگنا کر سناتی ھے -

۱۱۷ـــگھاس کی پتی اس زبردست زمین کی اہل ھے جہاں یہ اگتی ھے -

۱۱۸ـــخواب ایک ایسی بیوی ھے ' جسے ضرور بولنا چاھیے -

نیند ایک ایسا شوھر ھے ' جو خاموشی سے برداشت کرتا ھے -

۱۱۹ـــرات ختم ہوتے ہوتے دن کے کان میں کانا پھوسی کرتے ہوئے اس کا بوسہ لیتی ھے - " میں موت ہوں ' تمھاری ماں - میں تمھیں ایک نئی پیدائش عطا کروں گی - "

۱۲۰ـــاے تاریک رات ' میں تیری خوبصورتی اسی طرح محسوس کرتا ہوں جیسے کسی محبوب عورت کی ' جب کہ اس نے چراغ گل کر دیا ہو -

۱۲۱ـــمیں اپنی دنیا میں وہ چیز لیے پھرتا ہوں ' جو اُن دنیاؤں کو ترقی دیتی ھے ' جو ناکام ہوگئی ہیں -

۱۲۲ـــاے عزیز دوست ' جب میں ان لہروں کی باتیں سنتا ہوں تو اس ساحل پر بہت سی سیاہ ہوتی ہوئی شاموں کے تمہارے بلند خیالات کا سکوت محسوس کرتا ہوں -

۱۲۳ـــچڑیا یہ خیال کرتی ھے کہ مچھلی کو [illegible] میں اٹھا [illegible] ایک بڑی عنایت ھے -

۱۲۴ـــ"چاند کی صورت میں تو مجھے [illegible] پنے محبت آمیز خطوط بھیجتا ھے " رات نے سورج سے کہا -

" میں گھاس پر آنسوؤں کی صورت میں اپنے جوابات چھوڑ جا [illegible] ہوں "

۱۲۵ـــعظیم المرتبہ ھستی ایک پیدا شدہ بچہ ھے جب وہ مرتا ھے تو [illegible] نا جلیل القدر بچپن دنیا کو دے دیتا ھے -

۱۲۶—ھتھوڑوں کی چوٹیں نہیں، بلکہ پانی کا رقص نغمہ سناکر سنگریزوں کی تکمیل کرتا ھے -

۱۲۷—مکھیاں پھولوں سے شہد چوستی ھیں اور جب جاتی ھیں تو بھنبھنا کر شکریہ ادا کرتی ھیں -

نمایشی تتلی کو اعتماد ھے کہ پھولوں پر اس کا شکریہ واجب ھے -

۱۲۸—جب آپ مکمل حقیقت بیان کرنے کا انتظار نہیں کرتے تو صاف گو ھونا آسان ھے -

۱۲۹—ممکن ناممکن سے دریافت کرتا ھے "تمھاری جائے قیام کہاں ھے ؟"

"بےبس کے خوابوں میں" جواب ملتا ھے -

۱۳۰—اگر آپ غلطیوں کے لیے اپنا دروازہ بند کر دیں تو حقیقت کا سد باب ھو جائے گا -

۱۳۱—میں اپنے دل کی افسردگی کے پیچھے کچھ چیزوں کی سرسراھٹ سنتا ھوں———میں انھیں دیکھ نہیں سکتا -

۱۳۲—فرصت اپنی سرگرمی میں کام ھے -

سمندر کا سکوت موجوں کی شکل میں حرکت کرتا ھے -

۱۳۳—جب پتی محبت کرتی ھے تو پھول بن جاتی ھے -

جب پھول پرستش کرتا ھے تو پھل بن جاتا ھے -

۱۳۴—زمین کے نیچے والی جڑیں ٹہنیوں کو بار آور کرنے پر کسی انعام کا مطالبہ نہیں کرتیں -

۱۳۵—اس بارانی شام کو ھوا بےقرار ھے -

میں ھلتی ھوئی ٹہنیوں کی طرف دیکھتا ھوں اور تمام چیزوں کی بڑائی پر غور کرتا ھوں -

۱۳۶—نصف شب کے طوفان نے ایک عفریت بچہ کی طرح، جو بے موقع تاریکی میں بیدار ھو گیا ھو، کھیلنا اور چیخنا چلانا شروع کر دیا ھے -

۱۳۷—اے سمندر، تو جو طوفان کی بے مونس و غمخوار دلھن ھے، اپنے عاشق کا

پیچھا کرنے کے لئے بیکار اپنی موجوں کو اٹھاتا ہے -

۱۳۸—"میں اپنے خالی پن سے شرمندہ ہوں" خول نے عمل سے کہا -

"جب میں تمہیں دیکھتا ہوں تو جانتا ہوں کہ میں کس قدر غریب ہوں۔" عمل نے خول سے کہا -

۱۳۹—وقت تبدیلی کی دولت ہے ' لیکن گھنٹہ اپنی نقل میں اسے صرف تبدیل کر دیتا ہے اور دولت نہیں -

۱۴۰—حقیقت اپنی پوشاک میں واقعات کو انتہائی کسا ہوا پاتی ہے -

افسانے میں وہ آسانی سے حرکت کرتی ہے -

۱۴۱—اے سفر ' جب میں کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر سفر کرتا تھا ' تو تجھ سے تنگ آگیا تھا ' لیکن اب جب کہ تو مجھے ہر جگہ لے جاتا ہے میرے اور تیرے درمیان محبت کا رشتہ قائم ہوگیا ہے -

۱۴۲—مجھے یہ خیال کرنے دو کہ ان ستاروں میں ایک ستارہ ہے ' جو غیر معلوم تاریکی میں میری زندگی کی رہبری کرتا ہے -

۱۴۳—اے عورت ' اپنی انگلیوں کی رعنائی سے تونے میری چیزوں کو چھوا اور ان میں نغمے کی طرح ترتیب پیدا ہوگئی -

۱۴۴—برسوں کے کھنڈرات کے درمیان ایک افسردہ آواز کا آشیاں ہے -

یہ رات میں مجھے گاکر سناتا ہے "میں تم سے محبت کرتا تھا -"

۱۴۵—بھڑکتی ہوئی آگ اپنی ہی روشنی سے مجھے دور رہنے کی ہدایت کرتی ہے -

مجھے ان بجھی ہوئی چنگاریوں سے بچاؤ ' جو راکھ میں دبی ہوئی ہیں -

۱۴۶—آسمان میں میرے ستارے ہیں -

لیکن افسوس ہے میرے چھوٹے چراغ پر' جو میرے گھر میں روشن نہیں ہے -

۱۴۷—مردہ الفاظ کی خاک تجھ سے چمٹی ہوئی ہے -

اپنی روح کو سکوت سے پاک کر -

۱۴۸—زندگی میں رخنے چھوڑ دیے گئے ہیں' جن کے ذریعے موت کا افسردہ نغمہ آتا ھے -

۱۴۹—دنیا نے صبح کے وقت اپنا روشنی کا دل کھول دیا ھے -

اے میرے دل' اس سے ملنے کے لیے اپنی محبت کے ہمراہ باہر آجا -

۱۵۰—ان ہلتے ہوئے پتوں کے ساتھ میرے خیالات لغرش کرتے ہیں اور میرا دل سورج کی اس روشنی سے راگ گاتا ھے - میری زندگی تمام چیزوں کے ہمراہ وقت کی تاریکی میں جانے کے لیے فضاے بسیط کے نیل میں بہہ کر خوش ھے -

۱۵۱—خدا کی زبردست طاقت ہلکی نسیم میں ھے' طوفان میں نہیں -

۱۵۲—یہ ایک خواب ھے ' جس میں تمام چیزیں خلاف قاعدہ ہیں اور یہ ظلم کرتی ھیں - جب میں بیدار ہو جاؤں گا تو میں انہیں تجھ میں مجتمع پاؤں گا اور آزاد ھوں گا -

۱۵۳—" میرے فرائض کو لینے کے لیے کون ھے ؟ " غروب ہوتے ہوئے سورج نے دریافت کیا -

"جو میرے امکان میں ھے وہ میں کروں گا ' میرے آقا " مٹی کے چراغ نے کہا -

۱۵۴—اس کی پتیوں کو چن کر آپ پھول کی خوبصورتی کو جمع نہیں کر سکتے -

۱۵۵—خاموشی تمہاری آواز کو اسی طرح لے جاکر رکھے گی جس طرح گھونسلا خوابیدہ چڑیوں کو رکھتا ہے -

۱۵۶—بڑا چھوٹے کے ساتھ بلا خوف و خطر گھومتا ھے -

درمیانی علاحدہ رہتا ھے -

۱۵۷—رات پھولوں کو پوشیدہ طور سے کھلا دیتی ھے اور دن کو شکریہ حاصل کرنے کی اجازت دے دیتی ھے -

۱۵۸—طاقت اپنے شکار کی اذیت کو ناسپاسی سمجھتی ھے -

۱۵۹—جب ہم اپنی کثرت پر خوش ہوتے ھیں تو ہم خوشی سے اپنے پھلوں کو دے سکتے ھیں -

۱۶۰—بارش کے قطروں نے زمین کو بوسہ دیا اور آہستہ سے کہا—"اے ماں، ہم تیرے وہ بچے ہیں، جو یاد وطن میں ملول تھے اور آسمان سے تیرے پاس آئے ہیں۔"

۱۶۱—مکڑی کا جالا شبنم کے قطرے پکڑنے کا بہانہ کرتا ہے اور مکھیاں پکڑتا ہے۔

۱۶۲—اے محبت! جب تو اپنے ہاتھ میں درد کا روشن چراغ لے کر آتی ہے تو میں تیرا چہرہ دیکھ سکتا ہوں اور تجھے روحانی مسرت جانتا ہوں۔

۱۶۳—"عالم لوگ کہتے ہیں کہ ایک دن تمہاری روشنی بالکل نہ رہے گی" جگنو نے ستاروں سے کہا۔

ستاروں نے کوئی جواب نہ دیا۔

۱۶۴—شام کے جھٹپٹے میں کسی سویرے سحر کی چڑیا میرے سکوت کے آشیاں پر آتی ہے۔

۱۶۵—میرے دماغ میں خیالات ایسے گزرتے ہیں جیسے آسمان میں مرغابیاں۔

میں ان کے پروں کی آواز سنتا ہوں۔

۱۶۶—نہر یہ خیال کر کے خوش ہوتی ہے کہ دریاؤں کا وجود صرف اسے پانی مہیا کرنے کے لیے ہے۔

۱۶۷—دنیا نے اپنے درد سے میری روح کو بوسہ دیا ہے اور اس کے معاوضے میں نغمات مانگے ہیں۔

۱۶۸—وہ جو مجھ کو مضمحل کرتی ہے کیا وہ میری روح ہے، جو باہر کھلی ہوا میں آنے کی کوشش کر رہی ہے، یا دنیا کی روح ہے، جو اپنے داخلے کے لیے میرے دل پر دستک دے رہی ہے۔

۱۶۹—سوت خیال اپنے ہی الفاظ پر پرورش پاتی ہے اور بڑھتی ہے۔

۱۷۰—میں نے اپنے دل کے برتن کو اس خاموش وقت میں ڈبویا ہے۔ وہ محبت سے بھر گیا ہے۔

۱۷۱—کیا تمہارے پاس کام ہے یا نہیں؟

جب تمہیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ "ہمیں کچھ کرنا چاہیے" تو فتنہ شروع ہوتا ہے۔

۱۷۳—سورج مکھی کا پھول بے نام کے پھول کو اپنا رشتہ‌دار ماننے میں جھیپ گیا -

سورج طلوع ہوا اور یہ کہہ کر اس کی طرف مسکرایا " میرے پیارے' کیا تم اچھے ہو؟ "

۱۷۴—" میرے نصیب کی طرح کون آگے ہانکتا ہے؟ "

" میرا وجود ' جو میری کمر پر سوار ہے "

۱۷۴— ادنیٰ اپنے آپ کو دور کی پہاڑیوں میں چھپا کر دریا کے پانی کے برتنوں کو بھرتے ہیں -

۱۷۵—اپنے راستے پر جاتے ہوئے میں اپنے پانی کے گھڑے میں سے پانی بکھیرتا ہوں -

میرے گھر کے لیے بالکل ہی نہیں بچتا -

۱۷۶—برتن میں پانی چمکدار ہے - سمندر میں پانی تاریک ہے '

معمولی حقیقت کے الفاظ واضح ہوتے ہیں - زبردست حقیقت کا زبردست سکوت ہوتا ہے -

۱۷۷—تمہارا تبسم تمہارے ہی کھیت کے پھول تھے - تمہاری گفتگو تمہارے ہی پہاڑی صنوبروں کی سرسراہٹ تھی - لیکن تمہارا دل وہ عورت تھا ' جسے ہم سب جانتے ہیں -

۱۷۸—میں اپنے پیاروں کے لیے ادنیٰ چیزیں چھوڑے جاتا ہوں——اعلیٰ چیزیں ہر شخص کے لیے ہیں -

۱۷۹—اے عورت ' تو نے اپنے آنسوؤں کے عمق سے دنیا کے دل کا اسی طرح احاطہ کیا ہے جس طرح کہ سمندر نے زمین کا -

۱۸۰—سورج کی روشنی مجھے ایک تبسم کے ساتھ سلام کرتی ہے -

مینہ' جو اس کی افسردہ بہن ہے ' میرے دل سے باتیں کرتی ہے -

۱۸۱—میرے دن کے پھول نے فراموشی کی پتیاں گرا دیں -

شام کو یہ پک کر یادداشت کا سنہرا پھل بن جاتا ہے -

۱۸۲—میں اس سڑک کی مانند ہوں جو رات کو خاموشی سے اپنی یاد داشت کے قدموں کی آواز سن رہی ہو -

۱۸۳—شام کے وقت آسمان میرے لیے ایک کھڑکی اور ایک روشن چراغ ہے اس کے پیچھے ایک کمین گاہ کی مانند ھے -

۱۸۴—وہ شخص' جو بھلائی کرنے میں بہت مشغول ھے ' بھلا ہونے کے لیے کوئی وقت نہیں پاتا -

۱۸۵—میں خزاں کا بادل ہوں ' جو بارش سے خالی ہوں - میرے بھرے ہوئے ہونے کی حالت پکے ہوئے دھان کے کھیت میں دیکھو -

۱۸۶—انھوں نے عداوت اور قتل و غارت کیا اور لوگوں نے ان کی قصیدہ خوانی کی -

لیکن خدا شرم سے ہری ہری گھاس میں اس کی یادگار کو چھپانے کی جلدی کرتا ھے -

۱۸۷—انگوٹھے ' وہ انگلیاں ہیں' جنھوں نے اپنے ماضی سے قطع تعلق کرلیا ھے -

۱۸۸—تاریکی روشنی کی طرف سفر کرتی ھے ' لیکن بےبصری موت کی طرف -

۱۸۹—پالتو کتا تمام دنیا پر اس کی جگہ لینے کی سازباز کرنے کا شبہہ کرتا ھے -

۱۹۰—میرے دل ' خاموش بیٹھا رہ - اپنی خاک مت اڑا -

دنیا کو اپنی طرف آنے کا راستہ تلاش کرنے دے -

۱۹۱—کمان نے تیر سے اس کے سرعت سے آگے نکل جانے سے قبل کہا— " تمہاری آزادی میری آزادی ھے -"

۱۹۲—اے عورت ' تیرے قہقہے میں زندگی کے فوارے کا نغمہ ھے -

۱۹۳—وہ دماغ' جس میں استدلال ہو' اس چاقو کی طرح ہے' جس میں صرف پھل ہی پھل ہو -

یہ اس ھاتھ کو ' جو اسے استعمال کرتا ھے' زخمی کر دیتا ھے -

۱۹۴—خدا اپنے بڑے ستاروں کی بہ نسبت انسان کے چراغوں کی روشنی سے زیادہ محبت کرتا ھے -

۱۹۵—یہ ہنیا وحشی طوفانوں کی دنیا ھے' جنہیں خوبصورتی کے راگ کے ذریعے پال رکھا ھے -

۱۹۶—" میرا دل تیرے بوسے کے سنہری صندوقچے کی طرح ھے" وقت غروب کے بادل نے سورج سے کہا -

۱۹۷—چھونے سے آپ مار سکتے ہیں - دور رہنے سے آپ قابض رہ سکتے ہیں -

۱۹۸—چمگادڑ کی چیں چیں اور بارش کی ٹپ ٹپ میرے پاس تاریکی میں سے میری گزری ہوئی جوانی کے خوابوں کی سرسراھٹ کی طرح آتے ہیں -

۱۹۹—" میں نے اپنا شبنم کا قطرہ ضائع کر دیا " پھول اس آسمان سے چلا کر کہتا ھے جس نے اپنے تمام ستارے ضائع کر دیے ہیں -

۲۰۰—جلتا ہوا لیمپ شعلوں میں بھڑک اٹھتا ھے اور چیخ کر کہتا ھے——" یہ میرا پھول ھے' میری موت -"

۲۰۱—بھڑ یہ خیال کرتی ھے کہ پڑوس کی شہد کی مکھیوں کا چھتا بہت چھوٹا ھے -

اس کے ھمسائے اُس سے اس چھتے سے چھوٹا چھتا بنانے کو کہتے ہیں -

۲۰۲—" میں تمہاری موجوں کو نہیں رکھ سکتا ". کنارہ دریا سے کہتا ھے -

" اپنے قدموں کے نشانات مجھے اپنے دل میں رکھنے دو "

۲۰۳—دن اس چھوٹی سی زمین کے شور و غل سے تمام دنیاؤں کی خاموشی کو غرق کر دیتا ھے -

۲۰۴—نغمہ' لامحدود کو ھوا میں محسوس کرتا ھے ' تصویر زمین میں ' نظم ھوا اور زمین میں -

کیونکہ اس کے الفاظ میں وہ معنی ہیں جو چلتے ہیں اور وہ موسیقی ھے جو پرواز کرتی ھے -

۲۰۵—جب سورج مغرب میں نیچے کو جاتا ھے' تو اس کی صبح کا مشرق اس کے سامنے خاموشی سے کھڑا ھوتا ھے -

۲۰۶—مجھے اپنی دنیا کے سامنے اپنے آپ کو غلط طریقے پر مت پیش کرنے دو اور اسے میرے خلاف مت ہونے دو -

۲۰۷—تعریف مجھے شرم دلاتی ہے کیونکہ میں پوشیدہ طور پر اس کی التجا کرتا ہوں -

۲۰۸—میرے کچھ نہ کرنے کو ' جب میرے پاس کچھ کرنے کو نہ ہو ' اس کے اطمینان کے عمق میں پرسکون ہو جانے دو ' جس طرح سے شام کے وقت ساحل سمندر ہوتا ہے - جبکہ پانی خاموش ہوتا ہے -

۲۰۹—اے دوشیزہ ' تیری سادگی آسمان کے نیل کی طرح تیری دیانت کے عمق کا اظہار کرتی ہے -

۲۱۰—بہترین چیز تنہا نہیں آتی -
وہ سب کی ہمراہ ہی میں آتی ہے -

۲۱۱—خدا کا دایاں ہاتھ مہربان ہے ' لیکن اس کا بایاں ہاتھ مہیب ہے -

۲۱۲—میری شام بیگانہ درختوں کے درمیان آئی اور اس زبان میں بولی ' جسے میرے صبح کے ستارے نہ جانتے ہیں -

۲۱۳—رات کی تاریکی وہ تھیلا ہے ' جو طلوع صبح ہونے سے پھٹ پڑتا ہے -

۲۱۴—ہماری خواہش زندگی کے معمولی کہروں اور ابخرات کو قوس قزح کے رنگ دے دیتی ہے -

۲۱۵—خدا اپنے ہی پھولوں کو انسان کے ہاتھ سے تحائف کے طور پر حاصل کرنے کا منتظر رہتا ہے -

۲۱۶—میرے افسردہ خیالات مجھ سے اپنے ہی ناموں کو دریافت کر کے مجھے چڑاتے ہیں -

۲۱۷—پھل کا کام قیمتی ہے ' پھول کا کام شیریں ہے - لیکن میرا کام ان کے سایے کی معمولی عقیدت میں پتوں کا کام ہونے دو -

۲۱۸—میرے دل نے '' کہیں بھی '' کے سایہ دار جزیرے کے لیے پر سکون ہوا کے واسطے اپنے بادباں پھیلا دیے ہیں -

۲۱۹—انسان ظالم ہیں ' لیکن انسان رحمدل ہے -

۲۲۰—مجھے اپنا ساغر بنا دے اور میری حالت تکمیل کو اپنے اور اپنے متعلقین

کے لیے وقف کردے -

۲۲۱—طوفان کسی دیوتا کی چیخ کی طرح ہے، جو درد میں مبتلا ہو اور حس کی محبت زمین نے ٹھکرا دی ہو -

۲۲۲—دنیا اس وجہ سے نہیں رستی کیونکہ موت شگاف نہیں ہے -

۲۲۳—زندگی اس محبت سے، جو ضائع ہوگئی ہے، زیادہ بیش قیمت بن گئی ہے -

۲۲۴—میرے دوست، مشرق کے سورج طلوع ہونے پر تمہارا مواج دل اس طرح چمکا، جس طرح طلوع صبح کے وقت کسی تنہا پہاڑی کی برف سے ڈھکی ہوئی چوٹی چمکتی ہے -

۲۲۵—موت کا فوارہ زندگی کے پرسکون پانی کو اچھلنا سکھا دیتا ہے -

۲۲۶—میرے خدا، جن کے پاس سوائے تیرے سب کچھ ہے وہ لوگ ان پر ہنستے ہیں جن کے پاس تیرے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے -

۲۲۷—زندگی کی حرکت کو اپنی ہی موسیقی میں آرام ہے -

۲۲۸—ٹھوکریں زمین سے صرف خاک ہی اٹھاتی ہیں، فصلیں نہیں -

۲۲۹—ہمارے نام وہ روشنی ہے، جو رات کو سمندر کی موجوں کے اوپر چمکتی ہے اور پھر اپنا نشان چھوڑے بغیر ختم ہو جاتی ہے -

۲۳۰—جس کے پاس گلاب کا پھول دیکھنے کے لیے آنکھیں نہیں اسے صرف کانٹے دیکھنے دو -

۲۳۱—چڑیا کے پروں کو سونے سے آراستہ کر دو اور پھر وہ آسمان میں کبھی پرواز نہ کرسکے گی -

۲۳۲—ہماری آب و ہوا کا وہی کنول یہاں غیر ملک کے پانی میں اسی دلکشی سے دوسرے نام سے پھولتا ہے -

۲۳۳—دل کے تناسب سے فاصلہ زیادہ معلوم ہوتا ہے -

۲۳۴—چاند کی روشنی تمام آسمان پر ہے - اس کے سیاہ دھبے اسی کے پاس ہیں -

۲۳۵—یہ مت کہو کہ " اس وقت صبح ھے" اور اسے کل کے نام سے دل سے مت نکالو - اسے اس نوزائیدہ بچے کی حیثیت سے دیکھو' جس کا کوئی نام نہیں ھے -

۲۳۶—دھواں آسمان سے اور راکھ زمین سے شیخی مارتے ھیں کہ وہ آگ کے بھائی ھیں -

۲۳۷—بارش کے قطرے نے یاسمین سے آھستہ سے کہا " مجھے ھمیشہ کے لیے دل میں رکھو" -

یاسمین نے آہ بھر کر کہا " افسوس " اور زمین پر گر گیا -

۲۳۸—ڈرپوک خیالات مجھ سے مت ڈرو -

" میں ایک شاعر ھوں " -

۲۳۹—میرے دماغ کا مدھم سکوت چمگادڑوں کی جھن جھن سے لبریز معلوم ھوتا ھے——آواز کا دھندلکا -

۲۴۰—اے ھوائیو' تمھاری ستاروں کی تو ھین تمھارے پیچھے زمین کی طرف آتی ھے -

۲۴۱—تو مجھے میرے دن کی تیز مسافتوں میں سے میری شام کی تنہائی میں لے گیا ھے -

میں رات کے سکوت میں سے اس کے مطلب کا انتظار کر رھا ھوں -

۲۴۲—یہ زندگی سمندر کا پار جانا ھے' جہاں ھم ایک ھی تنگ جہاز میں ملتے ھیں -

موت میں ھم ساحل پر پہنچتے ھیں اور اپنی مختلف دنیاؤں میں جاتے ھیں

۲۴۳—صداقت کا چشمہ اپنی غلطیوں کی نالیوں میں ھوکر بہتا ھے -

۲۴۴—میرا دل آج وقت کے سمندر پار کی ایک شیریں ساعت کے لیے بےقرار ھے -

۲۴۵—چڑیا کا نغمہ اس صبح کی روشنی کی صدائے بازگشت ھے' جو زمین سے واپس آتی ھے '

۲۴۶— " کیا تم میرا بوسہ لینے کے لیے انتہائی خودبین ھو ؟ " صبح کی روشنی عشق پیچہ کے پھول سے دریافت کرتی ھے -

۲۴۷—" اے سورج ' میں تجھے کس طرح نغمہ سناؤں اور کس طرح تیری پرستش کروں" چھوٹے سے پھول نے دریافت کیا -

" اپنی پاکیزگی کے سادہ سکوت سے "سورج نے جواب دیا -

۲۴۸—انسان جس وقت جانور ہوتا ہے تو جانور سے بدتر ہو جاتا ہے -

۲۴۹—جب روشنی ان کا بوسہ لیتی ہے تو سیاہ بادل آسمان کے پھول بن جاتے ہیں -

۲۵۰—تلوار کے پھل کو اپنے دستے کا کند ہونے کی وجہ سے مذاق نہیں اڑانا چاہیے -

۲۵۱—رات کا سکوت ایک گہرے چراغ کی طرح اپنی کہکشاں کو روشنی سے جل رہا ہے -

۲۵۲—زندگی کے جانفزا جزیرے کے گرد رات دن موت کا سمندری بے پایاں نغمہ بڑھتا رہتا ہے -

۲۵۳—کیا یہ پہاڑ ایک پھول کے مانند نہیں ہے ' جس کی پتیاں یہ پہاڑیاں ہیں اور جو سورج کی روشنی کو جذب کررہا ہے -

۲۵۴—حقیقی' غلط معنی پڑھے جانے اور بے محل زور دینے سے غیرحقیقی ہو جاتا ہے -

۲۵۵—اے میرے دل ' دنیا کی حرکت میں سے اپنا حسن اس کشتی کی طرح تلاش کر ' جس پر ہوا اور پانی کی عنایت ہے -

۲۵۶—آنکھیں اپنی بینائی پر نہیں بلکہ اپنی عینکوں پر مفتخر ہیں -

۲۵۷—میں اپنی اس چھوٹی سی دُنیا میں رہتا ہوں اور اس کو ذرا سا بھی اور چھوٹا بنانے سے ڈرتا ہوں مجھے اپنی دنیا میں اٹھا لے اور مجھے خوشی سے اپنا سب کچھ ضائع کرنے کی آزادی حاصل کرلینے دے -

۲۵۸—طاقت میں بڑھ جانے سے دروغ کبھی صداقت نہیں بن سکتا -

۲۵۹—میرا دل اپنے نغمے کی پرشور موجوں کے ساتھ جانفزا دن کی اس سبز دنیا کو گلے لگانے کے لیے بے تاب ہے -

٢٦٠—اے سڑک کے کنارے کی گھاس ' ستارے سے محبت کر - اس کے بعد تیرے خواب پھولوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے -

٢٦١—اپنے نغمے سے ایک تلوار کی طرح بازار کے شور و غل کے دل کو چھیدنے دے

٢٦٢—اس درخت کی لرزتی ہوئی پتیاں میرے دل کو ایک معصوم بچے کی انگلیوں کی طرح چھوتی ہیں -

٢٦٣—ننھا پھول خاک میں پڑا ہوا ہے -
اس نے تتلی کا راستہ تلاش کیا تھا -

٢٦٤—میں سڑکوں کی دنیا میں ہوں -
رات آتی ہے اے گھر کی دنیا ' دروازہ کھول -

٢٥٦—میں نے تیرے دن کے نغمات گائے ہیں -
شام کو طوفانی راستے سے مجھے اپنا چراغ لے جانے دے -

٢٦٦—میں تجھ سے گھر کے اندر آنے کو نہیں کہتا -
اے میرے عاشق ' میری دائمی تنہائی میں آ جا -

٢٦٧—موت زندگی سے اسی طرح متعلق ہے جیسے کہ پیدائش -
رفتار جس طرح پیر کے اٹھانے میں ہے ' اسی طرح اس کے نیچے رکھنے میں بھی ہے -

٢٦٨—میں نے پھولوں اور دھوپ میں تیری کانابھوسی کے سادہ معنی معلوم کرلیے ہیں——مجھے تکالیف اور موت میں اپنے الفاظ کو جاننا سکھادے -

٢٦٩—جب صبح نے اسے بوسہ دیا تو رات کے پھول کو دیر ہوگئی تھی - وہ تھرایا اور آہ سرد بھری ' اور زمین پر گر گیا -

٢٧٠—میں تمام چیزوں کی افسردگی میں ازلی ماں کی گنگناہٹ سنتا ہوں -

٢٧١—اے میری زمین ' میں تیرے ساحل پر ایک اجنبی کی حیثیت سے آیا - میں تیرے مکان میں ایک مہمان کی حیثیت سے رہا - میں تیرے دروازے سے ایک دوست کی حیثیت سے جاتا ہوں -

۲۷۲—جب میں چلاجاؤں تو میرے خیالات کو سورج غروب ہونے کے بعد ستاروں کے سکوت کے حاشیے پر روشنی کی طرح اپنے پاس آنے دو -

۲۷۳—میرے دل میں آسودگی کی شام کا ستارہ روشن کردے اور اس کے بعد رات کو مجھ سے محبت کے متعلق کانا پھوسی کرنے دے -

۲۷۴—میں تاریکی میں ایک بچہ ہوں -

اے ماں میں تیرے لیے رات کی چادر میں سے اپنے ہاتھ پھیلاتا ہوں -

۲۷۵—کام کا دن ختم ہو گیا ' اے ماں ' میرا چہرہ اپنی بانہوں میں چھپا لے - مجھے سونے دے -

۲۷۶—ملاقات کا چراغ دیر تک جلتا رہتا ھے - جدا ہوتے وقت یہ ایک لحظے میں گل ہو جاتا ھے -

۲۷۷—اے دنیا ' جب میں مر جاؤں تو اپنی خاموشی میں میرے لیے ایک لفظ رکھیو " میں نے محبت کی تھی - "

۲۷۸—ہم اس دنیا میں اس وقت رہتے ہیں ' جب ہم اس سے محبت کرتے ھیں -

۲۷۹—مردوں کو شہرت کی حیات ابدی پانے دو ' لیکن زندوں کو محبت کی حیات ابدی -

۲۸۰—میں نے تجھے اسی طرح دیکھا ' جیسے کہ نیم خوابیدہ بچہ فجر کے جھٹپٹے میں اپنی ماں کو دیکھتا ھے اور پھر مسکراتا ھے اور دوبارہ سو جاتا ھے -

۲۸۱—میں یہ معلوم کرنے کے لیے کہ زندگی لازوال ھے بار بار مروں گا -

۲۸۲—جب کہ میں مجمع کے ساتھ سڑک پر سے گذر رہا تھا تو میں نے بالاخانے پر سے تیرا تبسم دیکھا اور میں نے راگ گایا ' اور تمام شور و غل کو بھول گیا -

۲۸۳—محبت زندگی ھے حالت تکمیل میں ' جس طرح ساغر اپنی شراب کے ساتھ -

۲۸۴—وہ اپنے ھی چراغ جلاتے ھیں اور اپنے مندروں میں اپنے ھی راگ گاتے ھیں -

لیکن چڑیاں تیری اپنی صبح کی روشنی میں- تیرے نام کا راگ الاپتی ہیں- کیونکہ تیرا نام مسرت ہے -

۲۸۵—میرے دل کو نغمات سے لبریز کرنے کے لئے مجھے اپنے سکوت کے وسط میں لے چل -

۲۸۶—انھیں ' جو رہنا پسند کریں ' آتشبازی کی ناپاک دنیا میں رہنے دے -

اے میرے خدا ' میرا دل تیرے ستاروں کی تمنا کرتا ہے -

۲۸۷—محبت کی کسک نے میری زندگی کے گرد گہرے پاتال کی طرح راگ گایا اور محبت کی مسرت نے پھولوں کے کنج میں چڑیوں کی طرح نغمہ سنایا -

۲۸۸—جب تو چاہے اپنا چراغ گل کردے -

میں تیری تاریکی سے آگاہ ہو جاؤں گا اور اس سے محبت کروں گا -

۲۸۹—جب دن کے اختتام پر میں تیرے سامنے کھڑا ہوں گا تو میرے زخم کے نشان دیکھے گا اور یہ جانے گا کہ میرے زخم آئے ' اور مندمل بھی ہوگئے -

۲۹۰—کسی دن میں کسی دوسری دنیا کے طلوع آفتاب کے وقت تجھے گاکر سناؤں گا " میں نے تجھے اس سے قبل زمین کی روشنی اور انسان کی محبت میں دیکھا ہے - "

۲۹۱—اب دوسرے دنوں سے میری زندگی میں بادل بارش کرنے یا طوفان کی آمد کی اطلاع دینے کے لیے تیرتے ہوئے نہیں آتے بلکہ میرے سورج غروب ہوتے وقت کے آسمان کو رنگ دینے کے لئے آتے ہیں -

۲۹۲—صداقت اپنے خلاف وہ طوفان اٹھاتی ہے جو اس کے دانوں کو دور دور بکھیر دیتا ہے -

۲۹۳—پچھلی رات کے طوفان نے اس صبح کے سر پر سنہری سکوت کا تاج پہنا دیا ہے -

۲۹۴—صداقت اپنے آخری لفظ کے ساتھ آتی ہوئی معلوم ہوتی ہے ' اور آخری لفظ اپنے سے اگلے کو پیدا کرتا ہے -

۲۹۵—خوش نصیب ہے وہ ' جس کی شہرت - آب و تاب میں اس کی صداقت سے

نہیں بڑھ جاتی -

۲۹۶—جب میں اپنی دلکشی کو بھول جاتا ہوں تو تمہارے نام کی دلکشی میرے دل کو لبریز کردیتی ہے—صبح کے سورج کی مانند ' جبکہ کہرا اڑگیا ہو -

۲۹۷—پرسکون رات میں ماں کی سی خوبصورتی ہے ' اور پرشور دن میں بچہ کی سی -

۲۹۸—جب انسان مسکرایا تو دنیا نے اس سے محبت کی - جب اس نے قہقہہ لگایا تو دنیا اس سے خوفزدہ ہوگئی -

۲۹۹—خدا انسان کو اپنے بچپن کی عقلمندی پھر حاصل کرنے کا انتظار کرتا ہے -

۳۰۰—مجھے اس دنیا کو اسی طرح محسوس کرنے دے ' جس طرح ہے کہ تیری محبت شکل اختیار کرتے وقت - اس کے بعد میری محبت اس کی مدد کرے گی -

۳۰۱—تیری دھوپ اس کے بہار کے پھولوں کا کبھی دھیان تک نہ کرتے ہوئے میرے دل کے سرما کے دنوں پر مسکراتی ہے -

۳۰۲—محبت میں خدا محدود کو بوسہ دیتا ہے اور انسان لامحدود کو -

۳۰۳—تو نقطۂ تکمیل تک پہنچنے کے لیے اوسر زمانے کے ریگستانی علاقے عبور کرتا ہے -

۳۰۴—خدا کی خاموشی انسان کے خیالات کو پختہ کر کے تقریر میں تبدیل کر دیتی ہے -

۳۰۵—اے ازلی مسافر ' تو میرے نغمات میں اپنے قدموں کے نشانات پائے گا -

۳۰۶—اے باپ ' تو جو اپنی بزرگی کو اپنے بچوں میں عیاں کرتا ہے - مجھے اپنے آپ کو شرمندہ مت کرنے دے -

۳۰۷—دن بے رونق ہے - ڈراؤنے بادلوں کے نیچے روشنی اس سرزنش شدہ بچہ کی طرح ہے ' جس کے زرد رخساروں پر آنسوؤں کے نشانات ہوں - اور ہوا کا شور ایک زخمی دنیا کے شور کی مانند ہے - لیکن میں جانتا ہوں کہ میں اپنے " دوست " سے

ملاقات کرنے کے لیے سفر کر رہا ہوں -

۳۰۸—آج رات کھجوروں کے پتوں میں سرسراہٹ ہے- سمندر میں جزر و مد ہے' اور بدر کامل دنیا کی قلبی حرکت کی مانند ہے کس نامعلوم آسمان سے تو اپنی خاموشی میں محبت کا پردرد راز لایا ہے -

۳۰۹—میں ایک ستارے کا' جو روشنی کا ایک جزیرہ ہے - خواب دیکھتا ہوں جہاں میں پیدا ہوں گا اور اپنی جاں بخش مہلت کے عمق میں میری زندگی خزاں کی دھوپ میں دہان کے کھیت کی طرح پک جائے گی -

۳۱۰—بارش میں بھیگی ہوئی زمین کی خوشبو ادنیٰ لوگوں کے بےآواز ہجوم کے زبردست قصیدے کی طرح اٹھی ہے -

۳۱۱—کہ محبت کبھی معدوم ہو سکتی ہے' یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ ہم اسے صحیح نہیں مان سکتے -

۳۱۲—ہم کسی نہ کسی دن یہ جان جائیں گے کہ موت ہم سے کبھی وہ چیز نہیں چھین سکتی جو ہماری روح نے حاصل کی ہے - کیونکہ اس کی حاصل شدہ چیزیں اس سے پیوست ہیں -

۳۱۳—خدا میری شام کے جھٹپٹے میں اپنی ڈلیا میں میرے ماضی کے پھول تر و تازہ رکھے ہوئے میرے پاس آتا ہے -

۳۱۴—اے میرے آقا' جب میری زندگی کے تمام تار بجائے جا چکے ہوں گے تو تیرے ہر لمس پر محبت کا نغمہ پیدا ہوگا -

۳۱۵—اے میرے مالک' مجھے صداقت سے رہنے دے تاکہ موت میرے لیے صادق بن جائے -

۳۱۶—انسان کی تاریخ صبر سے توہین شدہ آدمی کی فتح کا انتظار کر رہی ہے -

۳۱۷—میں اپنے دل پر تیری تکتکی کو اس لحظہ اس طرح محسوس کرتا ہوں' جیسے اس تنہا کھیت پر صبح کی جانفزا خاموشی' جس کی فصل ختم ہو چکی ہو -

۳۱۸—میں اس لہروں والے نعروں کے سمندر کے اس پار راگوں کے جزیرے کی تمنا کرتا ہوں -

۳۱۹ —سورج غروب ہونے کے نغمے میں ، جو ناقابل بیان تاریکی کی سنجیدہ توصیف ہے ، رات کی تمہید شروع ہوگئی ہے -

۳۲۰—میں چوٹی کے اوپر چڑھ چکا ہوں اور شہرت کی بے برگ و گیاہ بلندی پر کوئی پناہ نہیں پائی - اے میرے رہبر ، روشنی مدہم ہونے سے قبل مجھے سکوت کی وادی میں لے چل ، جہاں زندگی کی فصل رسیلی ہوکر سنہری حکمت میں تبدیل ہوجاتی ہے -

۳۲۱—جھٹپٹے کے اس دھندلے پن میں چیزیں عجیب و غریب معلوم ہوتی ہیں - مینار ، جن کے پائے تاریکی میں غائب ہوگئے ہیں اور درختوں کی چوٹیاں روشنائی کے دھبوں کی طرح - میں صبح کا انتظار کروں گا اور شہر کو روشنی میں دیکھنے کے لیے بیدار ہوں گا -

۳۲۲—میں نے تکالیف برداشت کی ہیں ، اور مایوس ہوا ہوں ، اور موت سے آگاہ ہوا ہوں اور میں خوش ہوں کہ میں اس زبردست دنیا میں ہوں -

۳۲۳—میری زندگی میں ایسے قطعات ہیں ، جو ویران اور خاموش ہیں - یہ ایسی کھلی ہوئی جگہیں ہیں ، جہاں سے میرے مصروف دن روشنی اور ہوا حاصل کرتے ہیں -

۳۲۴—مجھے میرے ناکام ماضی سے آزاد کردے ، جو مجھ سے پیچھے سے چمٹا ہوا ہے ، اور موت کو دشوار بنا رہا ہے -

۳۲۵—یہ میرا آخری لفظ رہنے دے کہ میں تیری محبت پر اعتماد کرتا ہوں -

---

شواهد "نظیر"

(از جناب سلیم جعفر)

سلطنت برطانیا کی نوازشات بےپایاں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس نے انتظام حکومت کے لیے جو عملہ منتخب کیا اُس میں اکثر عالی دماغ ادیب شہر هندوستان پہونچے اور اپنی قوم گستری کو ایک قدم آگے اِس طرح بڑھایا کہ اُن کی دماغ سوزیوں کی قدر کے طور پر اُن کی اِشاعت میں سخنے ' درمے ' قدمے اِمداد فرمائی چنانچہ ڈاکٹر ایس - ڈبلیو - فیلن (شاید) اِسی گروہ کے ایک فرد ممتاز تھے ؛

۱۸۷۹ع تک انگریزوں کی سہولت تعلیم کے لیے متعدد بسیط کتب لغات لکھی جا چکی تھیں مگر اُن میں الفاظ و معانی پر اکتفا کیا گیا تھا ' اس لیے گو وہ اپنے مقصد تالیف کو بہ‌خوبی پورا کرتی تھیں مگر دل‌چسپی سے قطعاً عاری اور گویا جسد بےروح تھیں - اثبات معانی کے لیے کلام شعرا سے اِستناد بھی نہ کیا گیا تھا - ۱۸۵۸ع میں ڈاکٹر ڈنکن فاربز نے اپنا لغت(۱) دوبارہ شایع کیا اوراس وقت تک اِس موضوع پر جتنی کتابیں شائع ہوچکی تھیں سب کو اُس کے دامن میں لپیٹ لیا ' یہ امر نہایت ہمت‌شکن تھا - اِس کتاب کو دیکھ کر مستقبل کا لغات نویس شاید کم اُٹھتا -

حریفاں بادہ‌ہا خوردند و رفتند   تہی خم خانہ ہا کردند و رفتند

لیکن قدرت کی فیاضی نے جن کی ودایع فطری کا مرتبہ سطح عام سے بلند رکھا ہے وہ یہی نہیں کہ صرف زبان سے "nil desper andum" (لاتقنطوا)کہتے ہیں بلکہ اس پر عامل بھی ہیں - اُن کے لب' زمزمہ سنج -

(1) A Dictionary, Hindustani and English by, Duncan Forbes, LL.D., London, 1858.

رہتے ہیں - وہ ہر امر کو کسی معلوم و معروف حد تک محصور ومقصور نہیں کرتے ہیں - وہ اُسے لاتعد و لاتحصی امکانات کا حامل سمجھتے اور ہر وقت اُس کا نیا رخ بےنقاب کرنے کی سعی میں مصروف رہتے ہیں ، چنانچہ ڈاکٹر فیلن کو بھی جدت آرائی کا موقع مل ہی گیا - انہوں نے بھی ایک لغت (۲) لکھا اور اس کی خصوصیت یہ رکھی کہ اُس میں زیادہتر وہ الفاظ لکھے جائیں جو اس ملک کے رسم و رواج اور خیالات کی آئینہ داری کرتے ہوں اور ثبوت صحت الفاظ و معانی کے لیے کلام شعرا اور ضرب الامثال وغیرہ سے استناد کیا - اس التزام کا تقاضا یہ تھا کہ اُن شاعروں کو کم جگہ ملے جن کا طائر فکر تاک ایوان پر اپنی قوت بال و پر کا مظاہرہ کرکے تماشائیوں کو محو حیرت کردیتا ہے- اِس میدان کے یکہتاز اگر تھے تو نظیر اکبرآبادی یا میر حسن ، چنانچہ اِنہیں دو باکمالوں کے کلام سے زیادہ استفادہ کیا گیا اور ان میں بھی 'نظیر' گوے سبقت لے گئے -

ہندستانی اکیڈیمی صوبۂ متحدہ نے ۱۹۳۶ء میں کلام نظیر کی اشاعت کا فیصلہ کر کے اُس کے متن کی تصحیح وترتیب راقم الحروف کے سپرد کی-اِس سلسلے میں جو کتابیں دیکھنی پڑیں اُن میں ڈاکٹر فیلن کا لغت بھی تھا - بہ غرض سہولت میں نے پہلے نظیر کے وہ سب شعر ایک جگہ جمع کر لیے جو اس میں درج تھے - تصحیح سے فارغ ہونے کے بعد خیال آیا کہ اگر یہ مسودہ صاف کردیا جائے تو ایک تو آئندہ کلام نظیر کا مطالعہ کرنے والے کو سب مواد و مصالحہ ایک ہی جگہ مل جانے سے سہولت ہوگی! دوسرے یہ ایک طرح کا اِنتخاب ہوگا جس سے مرحوم کے کلام کی عظمت ہی پر روشنی نہ پڑے گی بلکہ اِس خیال عام کی اِصلاح بھی ہو جائے گی کہ وہ ہمیشہ اِبتذال ہی کی دلدل میں پھنسے رہتے تھے - درحقیقت اُن کے اشہب قلم نے ہر میدان میں جولانیاں دکھائی ہیں اور اُن کی صریر کلک سے وہ وہ نغمات دل آویز نکلے ہیں جن کا ترنم آج بھی رند و زاہد ، عابد و فاسق ، عاکفان زاویۂ معرفت اور سرگردانان بادیۂ ضلالت سب کا دل موہ لیتا ہے - یہ اِنتخاب اُن کی ہمہگیر طبیعت پر کافی روشنی ڈالتا ہے اور اِس پر بھی شاہد ہے کہ بےنظیر کے کلام سے صرف

---

(2) A New Hindustani-Enulish Dictionary by, S. W Fallon, Ph. D. 1879.

انہیں لفظوں اور محاوروں سے استناد نہیں کیا گیا جن پر اِبتذال کا الزام لگا کر یہ کہا جائے کہ ڈاکٹر فیلن کو ایسے لفظ نظیر کے سوا اور مل ہی کہاں سکتے تھے - اِس میں بہت سے لفظ ہیں جن کے اِستعمال پر تہذیب و شایستگی چیں بہ جبیں نہیں ہو سکتی -

انگریزی میں اوقاف (Punctuation) فہم معانی کے معاون سمجھے جاتے ہیں - ڈاکٹر فیلن نے اساتذہ کا کلام نقل کرنے میں اِس ایجاد سے مدد لی ھے ' اور اشعار میں اوقاف لگائے ہیں - اس سے صرف یہ ظاہر ہوتا ھے کہ اُنھوں نے اُن کے کیا معانی لیے ہیں - اِس اِنتخاب میں وہی اوقات ہیں - جو ڈاکٹر صاحب نے لگائے ہیں - لیکن ممکن ھے کہیں غلطی ہو گئی ہو لیکن صحت کا بالخصوص خیال رکھا گیا ھے -

اس تحصیل حاصل کا مقصد سطور بالا میں بیان کیا جا چکا اور اُس کا اِعادہ کیا جانا ھے - وہ مقصد ہے صرف اُن لوگوں کو سہولت بہم پہنچانا جو آئندہ اس شاعر بے عدیل کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوں - امید ھے کہ اہل کرم اہل قلم میري اِس تضئیع اوقات کو بہ نظر اکراہ و اِعتراض نہ دیکھیں گے - میں نے سعي خدمت کی ھے اور بس -

گر قبول افتد ز ھے عز و شرف

سلیم جعفر

ابرو :— آبرو دنیا میں ' یارو ' موتی کی سی آب ھے
تندرستی ' اور یہي پھر عیش کا اسباب ھے

اب و رنگ :— جس نے اس دنیا میں آکر ایک دن بھي پی نہ بھنگ
اس نے ' سچ پوچھو ' تو کیا دیکھا جہاں کا آب و رنگ

آباد :— آباد ھیں چھرکٹ ' ماچے ' پلنگ ' کھٹولے

آبلنا :— کیا ہی ' نظیر ' رات کو عیش کے تھے مقابلے !
مے کے نشے اُبل چلے ' دل کے فراخ حوصلے

آپ سے آنا :— کہا کہ " ہم نہیں آنے کے یاں " تو اس نے ' نظیر '
کہا کہ " سوچو تو ' کیا آپ سے تم آتے ہو " ؟

اتارا :— یہ تن جو ہے ہر اک کے اُتارے کا جھونپڑا
اس سے ہے اب بھی سب کے سہارے کا جھونپڑا

اُتنا :— اس آندھی میں، اہا ہا ہا، عجب ہم نے مزے مارے
فلک پر عیش و عشرت کے دکھائی دے گئے تارے
رقیبوں کی میں خواری، خرابی، کیا کہوں، بارے
تلے کوٹھے کے بیٹھے آتے گئے سب گرد کے مارے
بھری نتھنوں میں اُن کے خاک دس دس سیر آندھی میں

اٹھتی شہوت :— اس جوش سے اٹھتی شہوت میں پھر آکر دھینگا مشتی ہو
وہ ہلا کر کے آن بڑے، اور یاں شہوت کی پشتی ہو
کچھ دانت بھڑ، کچھ چرپائی مل، کچھ منہ میں ٹھٹا ڈشتی ہو
بن جائے اکھاڑا عشرت کا، اور عیش و طرب کی کشتی ہو
سب تن کے تار کھڑکتے ہوں، جب دیکھ بہاریں ہولی کی

اجارہ کرنا :— جارا لگے تو اس کا کرتا ہوں میں اجارہ
نو دام کے وہ مجھ سے لے جائے تل کے لڈو

اچپل :— کیا کام اُنھیں جو ہنس بولے، یا شوخی میں اچپل نکلے
ہے مقصد جن کا دیکھے سے، وہ گھر سے جب اک پل نکلے

اُچیلیاں :— گھروں سے سانوری، اور گوریاں نکل چلیاں
کسمبی اوڑھنی، اور مست کرتی اچیلیاں
جدھر کو دیکھیں، اُدھر مچ رہی ہیں رنگ رلیاں
تمام برج کی پریوں سے بھر رہی گلیاں
مزہ ہے، سوز ہے در ہر کنار ہولی میں

اچھا :— کچھ اچھا کھاؤں، پہنوں، جو ہو زیست کا مزا
کہہ کر یوں آنسو لاتی ہے آنکھوں میں ڈبڈبا
کوئی پکارتی ہے "کیا کیا مجھے بھگویا"
کوئی پکارتی ہے "کیسا مجھے بھگویا"

" ناحق قرار کر کو جھوٹا مجھے بھگویا "
" یوں ھور سے بلاکر اچھا مجھے بھگویا "

اُچھالنا :— جو دیکھے اُن کی صورت ' لے پیار سے کھلاوے
هاتوں اُپر اُچھلے ' اور جوڑ کر ھنساوے
چومے کبھی دھن کو جھاپی کبھی لگاوے
کوئی حسنی منھ میں دیوے ' کوئی جھنجھنا بجاوے
کیا سیر دیکھنے ھیں ' یہ طفل شیر خورے

اُچھلنا :— (۱) مینڈک اُچھل رھے ھیں اور مور ناچتے ھیں
(۲) چلا خم ٹھوک اچھلنا شوقِ دیکھ بہاریں جاڑے کی

" کچھ راگ اور رنگ جھمکتے ھیں کچھ مے کے جام چھلکتے ھیں
کچھ کودیں ھیں ' کچھ اچھلیں ھیں ' کچھ ھنسیے ھیں کچھ بکتے ھیں
یہ طور ' یہ نشہ عشرت کا ' ھر آن بنایا ھولی نے

اُچھل کود :— روٹی سے جس کا ناک تلک پیٹ ھے بھرا
کرتا پھرے ھے کیا وہ اُچھل کود جا بجا

اَچھوتا :— تجھے عادل نشے میں جب پایا
پھر اَچھوتا کسی نے کب چھوڑا

اِخلاص :— آیا جو کوئی حسن کا بوٹا ' یا کوئی جھاڑ
جا شوق سے جھٹ لپٹے ' یہ پتّھروں کے تئیں جھاڑ
انگیا کے تئیں حیدر کے کرتی کو لیا پھاڑ
اخلاص ' کہیں پیار ' کہیں مار ' کہیں دھاڑ
اس ڈھب کے مزے رکھتی ھے اور ڈھنگ جوانی

ادا :— ھے حسن بھی اُس کا ناز بھرا ' اور آن و ادا بھی پائی ھے
سرپاؤں سے لے اُس چنچل میں سو زینت اور زیبائی ھے

آدر :— سب فرش سے اُٹھا کر بٹھلایا جوتیوں میں
مفلس کو ھر مکاں میں آدر ملا تو ایسا

ادھورے :— تھے ہم بھی جوانی میں بہت عشق کے پورے
وہ کون سے گل رو ھیں ' جو ہم نے نہیں گھورے ؟
اب آکے بڑھاپے نے کئے ایسے ادھورے
پر جھڑ گئے ' دم اُڑ گئی ' پھرتے ھیں لنڈورے

اُودھار ' اُدھار :— صرف حرام کی کوڑی کا جن کا ھے بیوپار
اُنھوں نے کھانا ھے اس دن کے واسطے اُودھار

آدھر :— سوا کے اوپر جو آسماں کا بےچوبا خیمہ بن رھا ھے
نہ اُس کے میخیں' نہ ھیں طنابیں' نہ اُس کے چوبیں' ادھر کھڑا ھے

اِدھر اُدھر :— گیا ھے جب سے ہو دل کو لے کر 'نہیں ھے مجھ کو قرار یکجا
امید ملنے کی ہیرے رکھ کر اِدھر اُدھر ھوں میں جاتا آتا

آرام :— دل چاھے دلدار کو اور تن چاھے آرام
دبدھا میں دونوں گئے مایا ملی نہ رام

آرتی :— آرتی میچ رسی کہیں تھن تھن
کہیں گھنٹوں کی شو رھی جھن جھن

ارداس :— سب سیس نوا ارداس کرو اور ھر دم بولو "واہ گرو"

اُڑانا :— رقیبوں نے جو دیکھا ' یہ اُڑا کر لے چلا اُس کو
پکارا یہ کوئی "کیسا ھوا اندھیر آندھی میں !"

" چلا ڈرتا جو آگے کو' تو وہ پھر ھنس کے یوں بولا
اُڑا کر مت نظارے' سچا ' اب ہم لگے چلنے

" ساکے بھی ٹوکے ھم نے اِس دید کو اُڑایا
مانک و پنا و نیلم' گنگا و لعل بھرایا

آزاد :— یا سر منڈا کے بیٹھے آزاد ھو نویلے
یا خود منڈا کہا کر سو رنگ روپ کھیلے

اس ھات دے اُس ھات لے :—

کل جگ نہیں ' کرجگ ہے یہ' یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ھے ' اس ھات دے اُس ھات لے

آسمان ٹوٹنا :— خدا کے واسطے اتنا تو جھوٹ مت بولو
کہیں نہ ٹوٹ پڑے آسمان کوٹھے پر

آسوار :— کیا باندھا ہے آسن، میں تجھ اسوار کے صدقے

آنت یا آنتیں ڈالنا :—

واہ! ہوئیں تھیں رات کیا چاندنی کی اجالیاں
جھوم رہی تھیں باغ میں سنبل و گل کی ڈالیاں

شوخ بغل میں نار سے کھولے تھا زلفیں کالیاں
خوش ہو گلے لپٹ لپٹ دیتا تھا میٹھی گالیاں

ہم بھی نشے میں مست تھے، ساقی کی پی کے پیالیاں
جل کے فلک نے اس میں، ہائے، آنتیں لایہ ڈالیاں

صبح ہوئی، گجر بجا پھول کھلے، ہوا چلی،
یار بغل سے اٹھ گیا، جی کی جی ہی میں رہ گئی

اکسنا : اٹھنا :— کتنے تو کیچڑوں کی دلدل میں پھنس رہے ہیں
کپڑے تمام گندی دلدل میں بس رہے ہیں

کتنے اٹھے ہیں مرمر، کتنے اکس رہے ہیں
وہ دکھ میں پھنس رہے ہیں، اور لوگ ہنس رہے ہیں

کیا کیا مچی ہیں، یارو، برسات کی بہاریں

اکسنا : پیدا ہونا:— سو سو طرح کی چہلیں جی میں اکستیاں ہیں
کیا جوش بھر رہے ہیں، کیا جوش مستیاں ہیں

یہ عیش سن کے، رقیبوں کے دل میں آگ لگی
تو چور بن کے چڑھے، اور منڈیر آ پکڑی

آگا : آگ لگنا:—دل میں کسی کے ہرگز، نے شرم، نے حیا ہے
آگا بھی کھل رہا ہے، پیچھا بھی کھل رہا ہے

ظاہر یہی اُن کا صاف ہے، جھوڑا بھی صاف ہے
آگا بھی اُن کا صاف ہے، پیچھا بھی صاف ہے

اُگنا :— اُگنا ہے میرے دل میں ترے پیار کا بودا

اللہ ہی اللہ :— کیا حسن کہیں پایا ہے، اللہ ہی اللہ
کیا عشق کہیں چھایا ہے، اللہ ہی اللہ

اِمکا ڈھمکا :— بوشا، ادھیڑ، اِمکا ڈھمکا، فلاں(۱) کیا ہے؟
ہم سے جو ہو مسائل، پتے میں جان کیا ہے؟

اُمنڈنا :— جھک کر رہی ہیں چڑیاں، کالے اُمنڈ رہے ہیں
برسے ہے مینہ جھڑا جھڑ، بادل گھمنڈ رہے ہیں

" برسے تھا مینہ بھی جھوم جھوم، جھاڑوں اُمنڈ امنڈ پڑا
جھوکے ہوا کے چل رہے، یار بغل میں لوٹتا

آن: حسن، ناز :— ادا بھی چلبلی، اور آن میں بھی کچھ عجب چھل بل
دسوں گو انکھڑیاں ظالم کی، اور جس پر لگا کاجل

آن: خواہش :— جو اور کسی کی جان بخشے، تو اُس کی بھی حق جان رکھے
جو اور کسی کی آن رکھے، تو اُس کی بھی حق آن رکھے

آن : مرتبہ ، عزت :—

مفلس کی کچھ نظر نہیں رہتی ہے آن پر
دیتا ہے اپنی جان وہ اک ایک نان پر

آن ماننا : فوقیت تسلیم کرنا :—

دیکھ کر کرتی گلے میں سبز دھانی آپ کی
دھان کے بھی کھیت نے اب آن مانی آپ کی

آنچ :— چولہے کے آگے آنچ جو جلتی حضور ہے
جتنے ہیں نور سب میں یہی خاص نور ہے

---

(۱) یہ لفظ بالفتح جمایا گیا ہے - اس کو بالضم جمانا تھا تاکہ معنی قبیح نہ پیدا ہوتے- ڈاکٹر نول نے اپنے لغات کے ص ۸۷۳ پر فلاں بالضم اور فلاں بالفتح دونوں لکھے ہیں - اور فلان بھی - لغات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عربی میں صرف لفظ فلاں بالضم بہ معنی شخص نامعلوم آتا ہے اور فلانہ بالسم، جس کا ماخذ مشکوک ہے، بہ معنی اندام نہانی زن آتا ہے - نظیر نے گو اس لفظ کو بہ اعلان نون باندھا ہے لیکن وہ اس فرق سے ہرگز بے خبر نہیں ہو سکتے - فصحائے اردو اس فرق لفظ کو خاص طور سے مدنظر رکھتے ہیں، لہٰذا عوام کا ذکر ہی فضول ہے —سلیم جعفر

آنکھ اٹھانا :— جب آنکھ اٹھائی ھنسنے سے ' جب نین لگے مٹکانے کو
سب کاچھ کچھے 'سب ناچ نچے 'اُس رسیا 'چھیل رچھانے کو
آنکھ بند کرلینا :— بس خوب تماشا دیکھ چکے ' اب آنکھیں اپنی بند کرو
آنکھ لڑنا :— نہ سر کی سدھ تجھے ھے ' نہ بالوں کی ' اے پری
شاید کسی سے آج تری آنکھ ھے لڑی
آنکھوں میں چبھنا یا کھبنا :—
لہریں دکھا رھے ھیں لڑکوں کے لال جوڑے
آنکھوں میں چبھ رھے ھیں پیاروں کے لال جوڑے
آنکھوں کے آگے سرسوں پھولنا :—
آنکھوں کے آگے آکر سرسوں سی پھول جاوے
عشرت کی لہریں آویں ' دکھ ' درد بھول جاوے
انگلی یا انگلیوں پر نچانا :—
کیسی ھی دھوم دھام کی رنڈی ھو خوش جمال
جب مفلسی کا آن پڑے سر پر اُس کے جال
دیتے ھیں اس کے ناچ کو ٹھٹھے کے بیچ ڈال
ناچے ھے وہ تو فرش کے اوپر قدم سنبھال
اور اُس کو انگلیوں پہ نچاتی ھے مفلسی
انگلی نچانا :— ڈاڑھی کے کنگے انگلی کو لا لا کے نچاوے
یہ خواری تو اللہ کسی کو نہ دکھاوے
انگوٹھا دکھانا :— گر ناچ میں جاویں تو یہ حسرت ھے ستاتی
جو ناچے ھے کافر ' وہ نہیں دھیان میں لاتی
اوروں کی طرف جاوے تو آنکھیں ھے لڑاتی
پر ھم کو تو کافر وہ انگوٹھا ھے دکھاتی
آنند :— کھائے جب، مال پوے ' دودھ ' دھی ' موھن بھوگ
دل کو آنند ھوئے ' بھول گئے روگ اور دھوگ
آواز بھرانا :— کل باجے بج کر ٹوٹ گئے ' آواز لگی جب بھرانے
اور چھم چھم گھنگرو بند ھوئے ' تب گت کا انت لگے پانے

اور : انتہا :— بادہ کشی کے اُور بھے عیش و طرب کے دور تھے

اُوس پڑنا :— سچ کہہ، صبا، گلوں پر کیوں اُوس پڑ گئی ہے
شاید کہ کھل کھلاکر کوئی ہنسا چمن میں

اُولا :— کیا کہوں میں وہ مٹھائی میں کہ دیسے نکلے
کوئی اُولا، کوئی مصری، کوئی شکر ترپور

اونچا ہاتھ رہنا :— دینے سے اس کے تیرا اونچا رہے گا ہاتھ

اُوئی :— رتی اُدھر کو "اُوئی رے" کہہ کر گری ندھال
بھڑوا اُدھر کو "آہ رے" کہہ کر پھسل پڑا

آہا :— سب کو دوئیں اہا ہا ہا! زور مزوں کی مستیاں
دھلی کی شکلیں ننتیاں، بوندیں پڑی برستیاں

" کچھ سہنیں برجبی سحر بھری، کچھ گہات لگاوٹ جوکی ہے
کچھ شور اہاہاہا! کا ہے، کچھ دھوم اوہو ہو! کی ہے

ایڑیاں رگڑنا :— سخی، کریم پڑے ایڑیاں رگڑتے ہیں
سڈول موذیوں کو موسلوں سے جھڑتے ہیں

ایسا :— کھانا جہاں تھا بنتا، واں جاکے دھکے کھائے
کم بخت کو جو کھانا اکثر ملا تو ایسا

بات :— بڑے بھٹکے ہیں لاکھوں دانا، کروڑوں پنڈت، ہزاروں سیانے
جو خوب دیکھا تو "یار" آخر، خدا کی باتیں خدا ہی جانے

" یہ بات سنی برج نارن نے، تو گھر گھر اُس کی دھوم مچی

بات رکھنا :— چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری
کام آتی ہے عاشق کے بہت رات اندھیری

بات کہنا : ذکر کرنا :—

کیا تجھ سے "نظیر" اب میں جوانی کی کہوں بات
اس پن میں گزرتی ہے عجب عیش سے اوقات
محبوب پری زاد چلے آتے ہیں دن رات
سیریں ہیں، بہاریں ہیں، تواضع ہے، مدارات

باگا :— وہ راکھ ملی جو مکھ، تن پر وہ راکھ نہ تھی، وہ تھا اُبٹن
اور لال شہانا باگا تھا، وہ گیروا رنگا پیراہن

بال بکھرنا :— پھوس، اور تتھرے اُس کے ہیں جوں سر کے بکھرے بال

بالن :— یارو، سنو یہ ددھ(۱) کے لٹیا کا بالن
اور مدھ پوری نگر کے بسیا کا بالن
موہن سروپ نرت کریا کا بالن
بن بن کے گوال، گوئیں چربا کا بالن
ایسا تھا بانسری کے بجیا کا بالن
کیا کیا کہوں میں کرشن کنہیا کا بالن

بالے بھولے :— غل، شور "بالے بھولے، کھلونے کی ہے بہار"
کیا کیا مزے ہیں عید کے، آج عیدگاہ میں

باچنا :— کیا علم اُنہوں نے سیکھ لیا، جو بن لکھے کو باچتے ہیں
اور بات نہیں منہ سے نکلی، بن ہونٹ ہلائے جانچے ہیں

بانکا :— یا ہو سادھی بانکا، ترچھا، بڑا کہایا
بل دار باندھ چیرا، طرے کو جھمکایا
کھیتوں میں جا کے کودا، لاکھوں کے تئیں بھگایا
جب منہ اجل کا دیکھا، پھر کچھ بھی بن نہ آیا

بجنا :— تھرتھر کا زور اکھاڑا ہو، بجتی ہو سب کی بتیسی

بٹ مار :— بٹ مار اجل کا لوٹے ہے، دن رات بجا کر نقارہ

بتھانا :— جاگیر میں کسی نے زر ریز ملک پایا
کر بندوبست اپنا نظم و نسق بتھایا

---

(۱) ددھ (दधि) کے معنی ہیں دہی اور ددھ (दुध) مخفف ہے، ددھ کا - فیلن نے لکھا ددھ ہے اور ترجمہ کیا ہے (milk) اس لیے ددھ ہونا چاہیے نہ کہ ددھ جو غلط ہے — سلیم جعفر -

ہتھیا :— جب ہاتھ آئی اُس کی انشا کی نرم بتی
لگنے ہی تاپ نکلی رگ رگ کی ساری سردی

بدیس :— تک حرص و ہوا کو چھوڑ، میاں ! مت دیس بدیس پھرے مارا

برات :— بیٹے کا ہو بیاہ تو بہائی ' نہ سادی ھے
نے روشنی ' نہ باجے کی آواز آتی ھے
ماں بیچھے میلی چادر ایک اوڑھے جاتی ھے
بھیا بنا ھے دولہا ' تو ناوا براتی ھے
مفلس کی یہ برات چڑھاتی ھے مفلسی

برسا برس (سال بسر) :— عارب تو سب کی کہیو برسابرس کی خیر

برسات :— برسات کا جہان میں لشکر اچھل پڑا
بادل سی ہر طرف سے ہوا پر پھسل پڑا

بڑھاپا :— کیا قہر ھے ' یارو ' جسے آجائے بڑھاپا !
اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بڑھاپا !
عشرت کو ملا خاک میں ' غم لائے بڑھاپا !
ہر کام کو ' ہر بات کو ترسائے بڑھاپا !
سب چیز کو ہوتا ھے برا ' ھائے بڑھاپا !
عاشق کو تو اللہ نہ دکھلائے بڑھاپا !

بدیکھا :— شوخی ' شرارت ' مکر و فن ' سب کا بدیکھا ھے یہاں
جو جو دکھایا اور کو وہ آپ بھی دیکھا یہاں

بگھارنا :— زباں ھے جس کے اشارت سے وہ پکارے ھے
جو گونگا ھے وہ کھڑا فارسی بگھارے ھے

بل :— کاندھے پہ دال ' آٹا ' ھلدی گرہ کے بل میں
ہاتھوں میں گھی کی پیالی ' اور لکڑیاں بغل میں

بنا :— جدھر کو جاؤ ' اُدھر غم جگر کو ھے کھاتا
عجب جدائی ھے ' کچھ ھائے ! بن نہیں آتا

بننا :— بھائی سگا بھی اُن کے پوچھے نہ بات کو
بن پیسے، یاروں، دولہا بنے آدھی رات کو
,, بن کوڑی خربوزے کے برابر بھی پت نہ تھی
کوڑی جب آئی پاس تو بن بیٹھے سیٹھ جی
,, کچھ بن سکا نہ آیا، جب جان لینے والا
بید و قرآن پڑھ کر میسر ہوا تو پھر کیا
,, کسی کے جھن گئے کپڑے، اُچکوں کی گئی واں بن
کسی کی اُڑ گئی پگڑی، کسی کا پھٹ گیا دامن
بنا (دولہا) :— بہتیرے ہیں مفلسی میں، میاں، جانئے جتنے
جو تندرست ہیں وہی دولہا ہیں اور بنے
بنانا :— بیٹھے ہیں آدمی ہی دکانیں لگا لگا
اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خوانچا
کہتا ہے کوئی "لو" کوئی کہتا ہے "لا رے، لا"
کس کس طرح سے بیچیں ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
بند :— ہر گھر میں اس طرح سے بھر آئی ہے مفلسی
پانی کا ٹوٹ جاوے ہے جوں ایک بار بند
,, (اصول) :— جو لوگ ایک کوڑی کے محتاج اب ہیں، آہ!
کسب و ہنر کے یاد ہیں جن کو ہزار بند
,, (کاغذ کی چٹ) :— یاں تک کہ اپنی جنتی کے لکھنے کے واسطے
کاغذ کا مانگتا ہے ہر اک سے اُدھار بند
,, (شعر) :— شاعر کہو، نظیر کہو، آگرے کا ہے
اس واسطے یہ اُس نے لکھے پانچ چار بند
,, (روکنا) :— آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو، ہائے!
دشمن کا بھی خدا نہ کرے کار و بار بند

،، (ڈکنا) :— کچھ ایک دو کے کام کا رونا نہیں ہے، یار،
چھتیس پیشے والوں کا ہے کار و بار بند

،، (کدن) :— کیا بات ایک بال کٹے یا ترشے کور
ہاں تک ہے اُسترے و سہونی کی دھار بند

بنڑی :— زردار کی تو اُن میں ہے سچ رتی پلنگڑی
رنڈی بڑی سی بیٹھی جھمکائے چوڑی بنگڑی

بوتا :— وہ دم پھدنا سی اور بوٹا سا قد، اس کا اسا ہا ہا!

سوتی سوتی پھڑکنا :—

جس دن کی جدائی میں دڑی پھڑکے تھی بوٹی
اُس تن کو نہ پوشاک، نہ اس پیٹ کو روٹی
بال اُڑ گئے، اور مانگ ہے کچھ نوچی کھسوٹی
کاجل ہے، نہ مسی ہے، نہ کنگھی ہے، نہ چوٹی

بھاجی بانٹنا :— دامن جھوڑو حصے بکھرے کی، اور بھاجی اپنی تم بانٹو
باکند سچرے کود چکے، اور دلتی مت چھانٹو

بہار :— شب کو چمن میں واہ! واہ! کیا سی بہار تھی مچی
پھول کھلے تھے پھول پھول، غنچے کھلے کلی کلی
بیلا، چنبیلی، رائے بیل، موتیا، جوہی، سیوتی
باد صبا بھی چلتی تھی، عطر و گلاب میں بسی
حوض بھرے چھلکتے تھے، نہر ہلوریں لیتی تھی
شوخ بغل میں غنچہ لب، مے کے نشوں کی تازگی
عیش و طرب کی لہر میں، رات جب آدھی ڈھل گئی
اس میں کہیں سے، ہے غضب! نکلی جو مکر چاندنی
صبح کے در سے سٹڑا یار نے گھر کی راہ لی
ہم بھی دغا میں آگئے، مفت بہار لٹ گئی

بہار (عروج) :— ہر دانت جڑنے سے دلتا ہو، تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

بھاؤ :— ہیں راگ اُنہیں کے رنگ بھرے، اور بھاؤ اُنہیں کے سانچے ہیں
جو بے گت، بےسر، تال ہوئے، بن تال پکھاوج ناچے ہیں

بھاری :— جو خوش ہیں وہ خوشی میں کاٹے ہیں رات ساری
جو غم میں ہیں انہوں پر گزرے ہے رات بھاری

بھٹی :— کچھ پکتا ہے، کچھ بھنتا ہے، پکوان، مٹھائی پٹتی ہے
جب دیکھا خوب تو آخر کو نا چولھا، بھاڑ نہ بھٹی ہے

بھرنا (دولت مند کرنا) :— یہ کون جانے کہ دل کیا کیا، اور آج مالک وہ کیا کرے گا
کسے بگاڑے، کسے سنوارے، کسے لنڈھاوے، کسے بھرے گا

بھڑ بھونجا :— بیٹھے بساطی راہ میں نکلے سے جلتے ہیں
جلتے ہیں نان بائی، تو بھڑبھونجے بھنتے ہیں

بھڑنا :— جس وقت ہوئی رات اندھیرے سے دھواں دھار
جو شوخ ملا شوق سے جا بھڑ گئے للکار

بھنگ :— کوڑی حقے کو بھا، اور دیکھ تک قدرت کے کھیل
چھوڑ سب کاموں کو، عاقل، بھنگ پی اور ڈنڈ پیل

بھنگیا (بھنگڑ) :— کہتی ہے آشنا سے کیوں، میرے یار، بھنگیا
تو آج بھی نہ لایا موری کا کے اکیا

بھولا :— کیا دن تھے، یارو، وہ بھی، تھے جب کہ بھولے بھالے

بھیڑ :— بھیڑ، انبوہ، اور بھڑکے ہیں
دھوم، دھونسوں کی، اور دھڑکے ہیں

بھیس :— کون سے بھیس میں ہو، کون گرو کے چیلے

بےتابی :— یہ بےتابی، یہ بےخوابی، یہ بےچینی دکھاتا ہے
نہ گھر میں دل مرا لگتا، نہ صحرا مجھ کو بھاتا ہے

بیڑا :— دنیا نہ جان اس کو، میاں، دریا کی یہ منجدھار ہے
اوروں کا بیڑا پار کر، تیرا بھی بیڑا پار ہے

بیل :— ناچیں بھا کے نالیاں، اور گاویں ہیجڑے
لے لے کے بیل بھاو بھی بالوں میں ہیجڑے

بیل :— کیسا ہی آدمی ہو، پر اطلس کے طفیل
کوئی گدھا کہے، کوئی ٹھہراوے اس کو بیل

پار :— پہنچا ہے کوئی پار، بھٹکتا ہے کوئی وار
بیٹھا ہے کوئی عیش میں، پھرتا ہے کوئی زار

پاسبان :— جو چور تھا سو وہ ہو پاسبان بیٹھا ہے
زمیں پھرتی ہے، اور آسمان بیٹھا ہے

پالا :— ہم وہ میاں ہیں - اللہ پالا نہ ڈالے ہم سے
رکھتے ہیں ہاتھ باندھے اب حسن والے ہم سے

پاؤں پڑنا :— نہ پاؤں پڑ کسی کے، تو اے دل نہ جوڑ ہاتھ
دو ہاتھ والے جتنے ہیں، اِن سب سے موڑ ساتھ
اس سے ہی مانگ جس کے ہیں اب سو کروڑ ہاتھ

پانی پانی ہونا :—جس صراحی میں صاف پانی ہے
موتی کی آب پانی پانی ہے

پانی چوانا یا ڈالنا :— مر جائیں تو اب منہ میں نہ ڈالے کوئی پانی
کس دکھ میں ہمیں چھوڑ گئی، ہائے جوانی!

پت جھڑ :— بیٹھے تھے پرند آن کے جب تک تھا ہرا روکھ
اب کیا ہے جو پت جھڑ ہو اور جڑ بھی گئی سوکھ

پچھڑنا :— بھیں ہے زور جنھوں میں وہ کشتی لڑتے ہیں
جو زور والے ہیں وہ آپ سے پچھڑتے ہیں

پروا :— جس جا پہ نیند آئی، پھر واں ہی اِن کو سونا
پروا نہ کچھ پلنگ کی، نے چاہیے بچھونا

پڑنا :— کاندھے پہ رکھتے پالکی ہیں آدمی کہار
اور اُس میں جو پڑا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

پڑھنا :— ماتھے پہ کھینچ ٹیکا، یا ہاتھ لے کے مالا
پوتھی بغل میں داب، زنار کو سنبھالا

پوجا ' کتھا بکھانی ' گیتا سبن نکالا
کچھ بن سکا نہ ' آیا جب جان لینے والا

بید و پران پڑھ کر مسر ہوا تو پھر کیا

پکارنا :— پگڑی بھی آدمی کی اُتارے ھے آدمی
چلا کے آدمی کو پکارے ھے آدمی

پوچھنا :— پوچھا کسی نے یہ کسی کامل فقیر سے
یہ مہر و ماہ حق نے بنائے ھیں کاھے کے ؟

وہ سن کے بولا 'بابا' خدا تجھ کو خیر دے
ھم تو نہ چاند سمجھیں' نہ سورج ھیں جانتے

بابا' ھمیں تو یہ نظر آتی ھیں روٹیاں

,, :— یہ پھر بڑھاپے نے کیا ' اہ ! نظیر' آہ !
اب کوئی نہیں پوچھتا اللہ ھی اللہ

پورا :— پورے ھیں وھی مرد جو ہر حال میں خوش ھیں
,, :— شکر کا جن کے حلوا ھوا وہ تو پورے ھیں
گڑ کا ھوا ھے جن کے وہ اُن سے ادھورے ھیں

پولا :— کرتا ھے سیر کوئی کوٹھے کا لے سہارا
مفلس بھی کر رھا ھے پولے تلے گزارا

پھاندنا :— جاکر اُنھوں کے گھر پر جب زور آزماویں
وہ گر دوال کودیں ھم کوٹھا پھاند جاویں

پھتکل :— عجب طرح کی یہ رنگیں' چوپڑ عرض بچھائی ھے یاں خدا نے
کوئی ھے پھتکل' کسی کا حگ ھے' پھریں ھیں نردیں یہ خانے خانے
جو پاسا پھینکیں بنا بناکر' اور داؤں کتنے ھی دل میں ٹھانے
جو چاھتا ھے اٹھارہ آویں' تو اس کے پڑتے ھیں تین کانے

پھرنا :— یاں تک کہ آدمی ہی اُٹھاتے ہیں جا ضرور

اور جس پے وہ پھرا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

پھسلن :— کیچڑ سے ہر مکان کی تو سچتا بہت پھرا

پر جب دکھائی دی کھلے بالوں کی اک گھٹا

بجلی بھی چمکی حسن کی، مینہ برسا ناز کا

پھسلن جب ایسی آئی تو پھر کچھ نہ بس چلا

آخر وہاں نظیر بھی آکر پھسل پڑا

پھسلنی :— کیچڑ سے ہو رہی ہے جس جا زمیں پھسلنی

مشکل ہوئی ہے، واں سے ہر اک کو راہ چلنی

پھسلا جو پاؤں، پگڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی

جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی

پھوٹنا :— کتنوں نے اپنی غم سے اب ہے یہ گت بنائی

میلے کچیلے کپڑے، آنکھوں میں ڈبڈبائی

نا گھر میں جھولا ڈالا نا اوڑھنی رنگائی

پھوٹا پڑا ہے چولھا، ٹوٹی پڑی کڑاہی

پیٹ :— جب کہا میں نے، میاں، یہ تو یہیں ہے کچا

اور کچا ہے تو میں پیٹ میں بیٹھا تو نہ تھا

پینڈی :— اوروں نے ڈال مصری گر پینڈیاں بنائیں

ہم نے بھی گڑ منگا کر بندھوائیے تل کے تو

تار :— کچھ بھولی بھولی پیار بھری، کچھ کالی ہے کچھ مالی ہے

اِن جرجوں کا، اِن چھلوں کا یہ تار لگایا ہولی نے

تار بندھنا :— کیا ہی چمن میں شب کو واہ، برسے تھی نور کی جھڑی

تار نشوں کے تھے بندھے، لوٹے تھی چاندنی پڑی

تاڑنا :— مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں، میاں،

بنتے ہیں آدمی ہی امام اور خطبہ خواں

پڑھتے ھیں آدمی ھی قرآن و نماز یاں
اور آدمی ھی اُن کی چراتے ھیں جوتیاں
جو اُن کو تاڑتا ھے سو ھے وہ بھی آدمی

ترکی تمام ھونا :—

ھم نے پھر بات کھود کر پوچھی — کیا کسی نے لگالیا چھاتی
بولا وہ، تم تو سنتے ھو کم جی، — آج ترکی ھی واں تمام ھوئی

ترنا :— جو ٹوبی حسرتیں تھیں دل میں سب اُس دم لگیں ترنے
مزے، عیش و طرب، لذت لگی یوں ٹوٹ کر گرنے

تڑاکا :— چھٹتے ھی زباں بھرتی ھے اُس ڈھب کے تڑاکے
شبرات میں جس طرح سے چھٹتے ھیں، پڑاکے

تڑپنا :— پھندے میں کہیں جو ھے، کہیں دل ھے تڑپتا
مرتے ھیں، سسکتے ھیں، بلکتے ھیں، آھا! ھا!

تلنا :— کالی گھٹائیں آکر ھو مست تل رھی ھیں

تن :— سینہ نہ سنہ، تن بہ تن، عیش وطرب کے سب بجن

تندرست :— جتنے سخن ھیں سب میں یہی ھے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

تودہ :— ھر وقت دل ھمارا مکدر ھی بھانتا ھے
تیر اب تلک ھمارا تودے ھی چھانتا ھے

توڑنا :— کشتی میں مدتوں تک ھم نے بدن کو توڑا
سو گل‌بدن کے تن کو من مانتا مروڑا

تومڑی :— گر ھے فقیر تو، تو نہ رکھ یاں کسی سے میل
یاں تومڑی نہ بھول، پڑا سر پہ اپنے کھیل

تھانگ :— ٹھہرا ھے کوئی چور، لگاتا ھے کوئی تھانگ

تھوپنا :—

آٹا ملا تو ایندھن، چولھا، توا ندارد — روٹی پکاوے کس پر، گھر میں توا ندارد

گر ٹھیکرے پہ تھوپے تو پھر مرا ندارد نو
نو چھید، پینڈي غائب، جس پر گلا ندارد
پانی کا گرمیوں میں جھجھر سلا تو ایسا

بیاري :— جو نوجواں ہیں اُن کي بیاریاں بڑي ہیں
ہاتھوں میں لال چھڑیاں، کوٹھوں اُپر کھڑی ہیں

ٹوٹنا :— مزے، عیش و طرب لذت لگے یوں ٹوٹ کر گرنے
کہ جیسے ٹوٹ کر میوں کے ڈھویں ڈھیر آندھی میں

،، :— ہر آن ٹوٹ پڑتا ہے روٹی کے خوان پر

ٹھاٹ :— کیا گیہوں، چانول، موٹھ، مٹر، کیا آگ دھواں اور انگارا
سب ٹھاٹ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

جاڑا :— بن ٹھوکر مار پچھاڑا ہو، اور دل سے ہوتي ہو کشتی
تھرتھر کا زور اکھاڑا ہو، بجتی ہو سب کی بتیسی
ہو شور پھو پھو ہوہو کا، اور دھوم سے ہوہي ہو سی سي
کلے پر کلا لگ کر چلتی ہو منہ میں چکی سی
ہر دانت چنے سے دلتا ہو تب دیکھ بہاریں جاڑے کی

جڑنا :— ہے آن یہ جڑنے کی، مری جان، جڑے جا

جنگم :— جوگی، اتیت، جنگم، یا سیوڑا کہایا
یا کنول کے جٹا کو، یا گھوٹ سر منڈایا

جھڑکنا :— یہ جو کڑوے ہوکے تم کو اب جھڑکتے ہیں یہاں
ان کی تلخی میں ہزاروں ہیں بھری شیرینیاں
اُٹھ سکے جب تک اُٹھا، اے دل، تو ان کی سختیاں
لذتیں جنت کے میوں کی بہت ہوں گی وہاں
پر یہ میٹھی گالیاں خوباں کی کھانی پھر کہاں

جھڑی :— کر شور مور' بگلے جھڑیوں کا مینہ بلاویں
پی پی کریں پپیہے' مینڈک ملہر گاویں

جھگڑا :— سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں' سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا' سب قصے دقیے پاک ہوئے

جي اُکتانا :— کاجل ڈھلکا' سرمہ بگڑا' منه میں پان ہوا پھیکا
جي اُکتاوے' دل گھبراوے' آہ! بھلا اب کیجیے کیا

چاربند (اعضا) :— کہوں یارو' اس مثال میں یہ کیسی چلي ہوا
جو مفلسي سے ہوش کسی کے نہیں بجا
جو ہے سو اس ہوا میں دوانا سا ہو رہا
سودا نہ ہو مزاج زمانہ کو' یا خدا
تو ہے حکیم' کھول دے اب اُس کے چاربند

چاہ :— کتنوں میں بڑھ کے ایسي بڑھي الفتوں کی چاہ
جو جسم و جان ایک ہوئے اُن کے' واہ واہ!
عاشق موا تو مرگیا معشوق خوامخواہ
معشوق مرگیا تو وہ عاشق بھی کرکے آہ
اُس گلبدن کی قبر اُپر جا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئي ہر اک آکے مرگیا

چباتا (شرمندہ کرنا) :—
جب روٹیوں کے بٹنے کا آکر پڑے شمار
مفلس کو ایک دیں' تو تونگر کو چار چار
گر اور مانگے وہ تو اُسے جھڑکیں بار بار
اِس مفلسی کا آہ! بیاں کیا کروں میں' یار
مفلس کو اس جگہ بھي چباتي ہے مفلسی

چٹخارہ :— چٹخارے جي میں بھرتے ہیں نان و کباب سے

چٹ کرنا :— محبوب دلبروں سے خوش ہو لپٹ لپٹ کر
پی دودھ اور بتاشے، میوے، مٹھائی چٹ کر

چٹکی :— محبوب گلے سے لپٹا ہو، اور کہنی، چٹکی لاتیں ہوں
سچ بوسے ملتےجاتے ہوں، کچھ میٹھی میٹھی باتیں ہوں

چرچا :— دنیا کے جو مزے ہیں، ہرگز یہ کم نہ ہوں گے
چرچا یہی رہے گا، افسوس ہم نہ ہوں گے

" :— کوئی دن تو یہ چرچا رہا، ہاتھی ملا، ہاتھی ملا !
بیٹھا اگر ہودے اُپر، یا پالکی میں جا چڑھا
آگے کو نقارے نشاں، پیچھے کو فوجوں کا پرا
دیکھا تو پھر اک آن میں ہاتھی، نہ گھوڑا، نا گدھا
گر یوں ہوا تو کیا ہوا، اور یوں ہوا تو کیا ہوا !

چرخہ :— پیسا ہی رنگ روپ ہے، پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

" :— جب کبڑی کمر ہو گئی اور سر ہوا کالا
منہ سوکھ کے چمرخ ہوا اور تن ہوا تکلا
پھر روٹی کو چرخے سے کما کھاتی ہے بڑھیا

چرکنا :— ہم نے پوچھا کہ، کیا لیا بوسا پھر تو کچھ اور اور ہی چرکا

چڑھائی :— گر دیکھنی ہے تجھ کو کچھ عیش کی چڑھائی
اچھلیں دوال باکھے، بھناوے چارپائی
پی عاشقوں میں آکر دو بھنگ کے پیالے

چڑھنا :— نٹنی نٹ اگر اینٹھ کے چلتے ہیں عجب چال
جو پاؤں کہیں، راہ کہیں، سیف کہیں، ڈھال
کھینچیں ہیں کہیں دال، کہیں توڑ لیا گال
چڑھ بیٹھے کہیں، ہاتھ کہیں، منہ کو دیا ڈال
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے، اور رنگ جوانی

چڑھانا :— ہم سے غریب غربا کیچڑ میں گر پڑے ہیں
ہاتھوں میں جوتیاں ہیں، اور پائنچے چڑھے ہیں

چڑیل :— ہوتے ہے جوانی میں تو پریوں کے گزارے
اور اب تو چڑیل آکے بھی اک لات نہ مارے

چکھنا :— دل کی خوشی کی خاطر، چکھ ڈال مال دھن کو
گر مرد ہے تو عاشق کوڑی نہ رکھ کفن کو

چلانا :— پیسا جو ہوا پاس تو رنڈی کو بلایا
رنڈی نہ ملی تو کسی لونڈے کے چلایا
اور جو نہیں، تو سوراخ پلنگ ہی میں آزایا
یا اپنے متھولوں میں ہی بس کام چلایا

چل بچل :— گر ہو خدا نہ خواستہ! اک کل بھی چل بچل
پھر نہ خوشی نہ عیش، نہ کچھ زندگی کا پھل

„ :— مجلس میں چل بچل یہ پڑی تب خبر پڑی

چلکنا :— موتی بھی جھلکتے ہیں جواہر بھی چمکتے
سب ٹھاٹھ اسی چلکی سے دیکھے ہیں چلکتے

چلنا :— مجھے اُس شوخ چنچل نے جب اپنا حسن دکھلایا
دکھا کر اک نظر چلتا ہوا اور مجھ کو ترسایا

„ :— موت آئی سر پر اپنے، پھر کچھ چلی نہ حکمت
لقمان یا فلاطوں آکر ہوا تو پھر کیا

چل نکلنا :— جب اُس عیار نے دیکھا کہ یہ اب یاں سے چل نکلا
کہا ہنس کر، ارے! پرتن کہاں تو جانے پاوے

„ — ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے، اور چل نکلے

چل بسنا :— یا ذات میں کہائے، نامی، اصیل، ذاتی
جمشید فر کے پوتے، نوشیرواں کے ناتی

ہے آپ مثل دولھا' اور فوج تھی براتی
جب چل بسے تو کوئی' نا سنگ تھا نہ ساتھی
ملک و مکاں' خزانہ' لشکر ھوا تو پھر کیا

جوِرن :— اور جو کم کھائیں تو پھر ضعف سے غش آتا ھے
بہت بھر کھائیں تو پھر چاھیے جورن کو تکا

جوں جوں : سانجھ سویرے چڑیاں مل کر جوں جوں جوں جوں' کرتی ھیں
جوں جوں' چوں جوں جوں جوں کیا' بےچوں' بے چوں' کرتی ھیں

چھاتی سے لگانا :—

خوب دیکھا ھے تو خوشامد کی بڑی کھیتی ھے
غیر کیا اپنے ھی گھر بیچ یہ سکھ دیتی ھے
ماں خوشامد کے سبب چھاتی لگا لیتی ھے
نانی' دادی بھی خوشامد سے دعا دیتی ھے
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ھے

جھٹ لگن :— کہتا ھے تھتھے‌نار ھر اک اُن سے آکے واں
'کیا دیتے جھٹ کو روتے ھو تم' اے میاں' یہاں
واں جھٹ لگن (۱) کا آپ کی سب گھر بھسل پڑا

چھانا :— یا ھو ندومی کامل' تاروں کو چھان ڈالا
سورج گہن سچارا' چندر گہن نکالا

،، ھو ملک دیان آتے ھیں کوڑی کے واسطے
مسند کو دم ڈھاتے ھیں کوڑی کے واسطے

چھاونی چھانا :— ھے جن کی سیج سونی اور خالی چارپائی
رو رو اُنھوں نے ھر دم یہ بات ھے سنائی
پردیسی نے ھماری اب کے بھی سدھ و بھلائی
اب کے بھی چھاونی جا پردیس ھی میں چھائی

نوٹ

(۱) یہ لفظ دیگر لغات میں بہ معنی مطلوب نہیں ملتا - غالباً "جِت لگن" (चित्तलगन) کا مخرب ھے جس کے بہ معنی ھو سکتے ھیں -

چھننا :— اور جس پہ سرخ جوڑا یا اودی اوڑھنی ہے
اس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے

چھیڑنا :— ساون آئیں اچھالے اور چھیڑ کر ہنساوے
کوئی جامن منہ میں دیوے، کوئی جھنجھنا بجاوے

" :— خوب رو بھی پھر آکے چھیڑیں گے   کاغذوں کی طرح چتھیڑیں گے
سب پہ باتیں کڑی اکھیڑیں گے   خوب سا شہد میں لتھیڑیں گے
دم میں کردیں گے ترکی سب شان   اب بھی ظالم ہماری بات کو مان

چھیڑنا :— کیا یارو الٹ ہم سے کہا، ہائے رمانا!
جو شخص کہ تھے اپنی نگاہوں کے نشانا
چھیڑے ہے کوئی ڈال کے دادا کا دبانا
ہنس کر کوئی کہتا ہے "کہاں جاتے ہو، بابا ؟

چھیڑی :— وہ بالی سندر ناریں خوش بیٹھی آگے دونوں کے
ہر چھیڑی باندھے ہاتھ کھڑی، نوشاکیں پہنے اور گہنے

حاضر ہونا :— فرمائش اگر ہو کوئی تو ہم سے وہ فرماؤ
ہم سب طرح حاضر ہیں، ذرا ہم سے نہ شرماؤ

حال :— آتا ہے ان کو دیکھ مجرد کے دل کو حال
رنڈی کو لات مار کے اک دم میں دے نکال
وہ مردوا کہ حسن کے تئیں ساریں ہیچڑے

حساب :— یا لے کے اک قلمدان، اور رکھ قلم کو سر پر
جوڑے حساب لاکھوں، چھیڑے لکھے برابر
جب عمر کی کچہری جالکی قضا نے آکر
نہ آب، نا قلمدان، کاغذ رہا، نہ دفتر .
منشی، وکیل، دیوان مرمر ہوا تو پھر کیا

حسرت :— اس دن تو وہاں ڈھولک و مردنگ بجے گی
اور روح دری دم میں حسرت سے جلے گی

حقیر :— عزیز تھے جو ہوئے چشم میں سبھوں کے حقیر
حقیر تھے سو ہوئے سب میں صاحب توقیر
عجب طرح کی ہوائیں ہیں اور عجب تاثیر

حلال :— لاکھوں میں کوئی لے ہے محبت سے حق کا نام
ورنہ سب اپنے پیٹ کے حیلے ہیں، مکر و دام
ناعاقبت سے دھیان، نہ راہ خدا سے کام
سمجھے نہ کچھ حلال، نہ جانا کہ ہے حرام
جو جس سے ہوسکا سو کیا پیٹ کے لیے

حوصلہ :— کل میکدے میں ہم جو گئے با قد دوتا
اور پی شراب لوٹ گئے، شور و غل مچا
اس دم ہمارے دیکھ بڑھاپے کا حوصلہ
ہنس ہنس کے جب تو پیر مغاں نے یہی کہا
'پیری کہ دم ز عشق زند بس غنیمت است'

خاطر :— جب بات کی خاطر ہوتے ہیں اب اپنی خاطر ہو، بابا!

خاک :— گر ایک کو ہزار روپے کا ملا کفن
اور ایک یوں پڑا رہا بےکس، برہنہ تن
کیڑے، مکوڑے کھا گئے دونوں کے تن بدن
دیکھا جو ہم نے، آہ! تو سچ ہے یہی سخن
'جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے'

،، :— وہ تو یہ سمجھی دل میں، کہ دھیلا میں پاؤں گی

دمڑی کے پان، دمڑی کی مسی منگاؤں گی

باقی رہے چھ دام سو پانی بھراؤں گی،

پھر دل میں سوچتی ہے، کہ 'کیا خاک کھاؤں گی'؟

آخر جویا اُس کا بھائی ہے مقامی

،، :— چھوٹ جاویں غم کے ہاتھوں سے جو نکلے دم کہیں

خاک ایسی زندگی پر! تم کہیں، اور ہم کہیں

خاک اُڑنا :— چلے جو ہوا کے اِس میں پھر تو اور سناٹے

اندھیرا ہوگیا یک سو منوں خاکیں لگیں اُڑنے

انہیں جھوکوں میں دمنے اُس پری چھتری کی جاتی سے

چڑیا کوٹھے پہ، دیوارے پر موتی، اور کھول کو پردے

لگا چھاتی، لیے بوسے، کیا مت پھر، آندھی میں

خاک چھاننا :— ہزاروں حکمت کا اک سچھونا، یہ دانی اوپر جو سمجھ رہا ہے

بہت حکیموں نے خاک چھانی، کوئی نہ سمجھا یہ بھید کیا ہے

،، :— دنیا کے نیاریا زر کی دکان بیٹھا ہے

جو سانچی وال ہا رہ خاک چھان بیٹھا ہے

خالصے لگنا ;— جو جو خلل کتنی زر جوڑ کر مرے؟

یا کھائے گا جوائی، یا خالصے لگے گا

خالی خولی :— نیند اُچٹ گئی، کروٹ جل گئی، کانی بھیں لگی ہے رات

خالی خولی کیا بیٹھیں، تک جی بہلاویں مل کو ساتھ

خانگی :— جو خانگی ہے گھر میں آرام کر رہی ہے

پردوں میں دوستوں سے پیغام کر رہی ہے

چتون لگاوٹوں سے، سودا دام کر رہی ہے

چھپکے ہی چھپکے اپنا سب کام کر رہی ہے

خبر :— ادھر تو آگئی آندھی، اندھیرا ہو گیا ہر سو
خبر کس کو کسی کی، میں کہاں ہوں، اور کہاں ہے تو
اہا ہا! عجب عشرت کی اس دم نہ گئی اک جو
وہ کوٹھے کا مکاں، وہ کالی آندھی، وہ صنم گل رو
عجب رنگوں کی ٹھہری آکے پھرا پھر آندھی

,, :— دیا کہ 'عرض کریں ہم نہ جو گردنی ہے؟'
کہا 'خبر ہے تمہیں' کیوں زباں پہ لاتے ہو؟'

خبر پڑنا :— جب تک جڑتی جوانی تھی اور دل تھے سادہ
الفت، کسی سے پیار، محبت، کسی سے چاہ
ایسی شراب اس میں پڑ جانے کی خواہ مخواہ
پہلے کے جام میں نہ سوا کچھ نشا ہو آہ!
دل پر پڑے جبھی جب اس سے کڑی اب سر پڑی

کھٹکا :— کوٹھی کے سارے در کھلنے کا لگا دھکا
بت سنگ کی عاشق دن رات سدا ڈنکا

خدا کے واسطے :—
کوئی خدا کے واسطے کرتا نہیں ہے کار
دلی بھی ساری ہے دھوکا دہی کے لیے

خدمت :— پائے قضا کی خدمت جو بیٹھے آپ قاضی
منصور، مثالے لب، قضیے چکائے شرعی
اعلاء لے قضا کا جب آ بنا شکاری
نہ مصلحت، نہ حجت، قاضی بنا نہ مفتی

خرابی :— جسم میکشوں کے تمور میں خرابی یہ ہے
جو منہ دیکھے وہ جانے کہ شرابی یہ ہے
,, دل یار نے اور ہم نے جو مے پی کے گلابی
اور بہکنے لگے کرنے جو ہو ہو کے شرابی

اپنے میں رقیب آگیا تو سونگھ سنائی
گر حاندنی ہوتی تو بڑی ہوتی خرابی

خواہ مخواہ :— اور جس کسی کے دل کو ہے لڑکوں کے پن کی چاہ
نکلا وہ سادہ لڑکے کے کیچڑ میں ہو تباہ

الفت کی اپنی چاہ جتانے کو خواہ مخواہ
لونڈا گرا جو آگے تو پیچھے سے یہ بوی' اہ

بے اختیار اِس کے برابر بسمل پڑا

,, :— خواہی ہے لئے جاتے ہیں سب نفس کے خواہ مخواہ
دل باغ سب کے ہوتے ہیں فرحت سے واہ واہ

خود کام :— ہووے جو کوئی اُس بت خود کام سے واقف
پھر عمر نہ ہو پھر کبھی اسلام سے واقف

خود مختار :— نا سر منڈا کے بیٹھے' آزاد ہو نویلے
یا خود مختارے کہا کر' سو رنگ روپ کھیلے

خوشی کرنا :— گر یار کی خوشی نہ کروں تو وہ ہو خفا
اور جو اجل کو روکوں تو مانے ہے وہ برا

خون کرنا :— کاٹتے ہیں نہ تیغ دیتے ہیں کوڑی کے واسطے
آپس میں خون کرتے نہیں کوڑی کے واسطے

خیال :— پیارے ہمارے ملنے سے آؤ نہ کچھ خیال

خیر :— جب کہا میں نے کہ 'تم آئے' اسی میں ہوئی خیر'
مانے کس ناز سے فرمایا کہ 'تو کیا کرتا؟'

آٹا دال :— سب چھوڑو بات طوطی و بدری و لال کی
فکر و کچھ اپنی فکر کرو آٹے دال کی!

در :— یہ مفلسی وہ شے ہے کہ جس گھر میں بھر گئی
پھر جتنے گھر ہیں سب میں اُسی گھر کی در گئی

در :— کہا جو ہم نے 'ہمیں در سے کیوں اُٹھاتے ہو؟'
کہا کہ 'اس لیے ہم یہاں جو دل ہچاتے ہو'

دکھ :— دکھ پانے والے لڑکے جو دنیا میں آتے ہیں
لچھن سب اُن کے پہلے ہی پہچانے جاتے ہیں

دل :— کم نہیں کو دلبری سے دل بر لے جاتا ہے وہ
پاس میرے اب تو آتا ہے جو دل پاتا ہے وہ

دل دیکھنا :— جگر ... اک ... ... دیکھتا تھا
... پوچھا تو کہا 'دل دیکھتا تھا'

دم غنیمت ہے :— ہمارا اب ہے جہاں حسن کا عالم غنیمت ہے
ہمارا دیکھنا اور عاشقی کا دم غنیمت ہے

بھروسا کچھ نہیں ... عزیزو! دم غنیمت ہے
نہ یہ جوہر نہ یہ ... ... یہ ... ہم ہوں گے
... اک دن وہ آئے ... ہوئے نہ ہم ہوں گے

دم لینا :— یار کے ... ... جیسے ... عشق اور جنوں
جان ... منہ لگوں' عشق پکارے دم نہ لوں

دم نہ مارنا :— دیوے ... جو نہ دیوے تو دم نہ مار
اُس کے سوا ... سے نہ رکھ اپنا کاروبار

دن بھرنا :— ... ... شعر میں اُس ...
دن عمر کے ... شب و روز میں گن گن

دوچار ہونا :— شب کو ... میں واہ! واہ! روز مزوں نے ... تھے
... سے دوچار یار رہا' یار سے ہم دوچار تھے!

دو دن کا مہمان :—
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان' ہنس لے' بول لے!

دور :— جنوں کے کان نہیں' دور کی وہ سنتے ہیں
دو کان والے ہیں بیٹھے وہ سر کو دھنتے ہیں

دوست :— چڑیا نے دیکھ کیڑا عادل ادھر گھسیٹا
کوے نے وقت پاکر چڑیا کا پر گھسیٹا
چیلوں نے مار ننھے کوے کا سر گھسیٹا
جو جس کے ھاتھ آیا اُس نے ھی دھر گھسیٹا
ہشیار، یار جانی! یہ دشت ھے ٹھگوں کا
یاں تک نگاہ چوکی، اور مال دوستوں کا

دوڑنا :— مالس دری لاوے تو منہ کو چھپاتے ھیں
شکر کا حلوا سنتے ھی بس دوڑے جاتے ھیں
کہتے ھوئے یہ دل میں 'اھاھا! ری شبرات

دھڑاکا :— چڑیوں نے اس طرح کا دیا آکے چہچہا
سبے جدھر اُدھر کو دھڑاکے کی ھے صدا

دھن :— بہلائے دل کے بیچ رھی اور خاطر بیچ آیات رکھی
ناکام رکھا مل بیٹھنے سے، نہ اور مطالب کی بات رکھی
اک حرف نہ لائے ہونٹوں پر 'دھن دیکھنے کی دن رات رکھی
جب سنمکھ ھو گئے دلبر کے، منظور یہی اک بات رکھی
ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ھوئے، اور چل نکلے

دھوکے کی ٹٹیاں :—

شکلیں جو دیکھتا ھے یہ جادو کی ھیں عیاں
سب کچھ بری ھیں یہ دھوکے کی ٹٹیاں

ڈاین :— ایسا جو مرے ساتھ لگی جائے گی جھانپو
اک روز مجھے گھر سے نکلوائے گی جھانپو؟
سب بھاچکی مجھ کو بھی یہ اب کھائے گی جھانپو
وہ کون سا دن ھوگا جو مرجائے گی جھانپو
اب تو مجھے ڈاین سی نظر آتی ھے جھانپو

ڈر :— بار جب ہم سے ہے تربوز کبھی منگوایا
جتایا اُس کا منھ سے توبی کی طرح دے ہے بٹھا

اور یہ کہا ہے کہ 'پھینکا تو چکھاؤں گا مزا'
کیا کہوں، ماروں، میں اُس شوخ کے ڈر کا مارا

دو دو دن رکھے ہوئے سڑا ہوں سو تربوز

ڈبکا :— باری بٹھیاں مت سن، دانا ستی کیا جا
اک دم تو اُبلا، ڈبکا من مانا، بندا جا

ڈالب :— اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجئے
اور نہ ہو کام تو اُس ڈھب کی خوشامد کیجئے

:— یہ عرس، یہ جشن، یہ کام، یہ ترتیب سو آن جدا ہوئی ہے

ڈھکوسو :— [illegible]
اور [illegible]

دھالا :— جب [illegible]

ڈنگر :— اور اُس [illegible] حسن کی دھوم
اور جب تو [illegible]

راضی :— راضی نہیں ہم اُسی میں جس میں تیری رضا ہو
ہاں یوں بھی واہ واہ ہے، اور یوں بھی واہ وا ہے

رخصت :— اب جینے کو رخصت دو، مرنے کو مہماں کرو
خیرات کرو، احسان کرو، یا بن کر، یا دان کرو

رشتہ :— جب تو ہوا مہر تو ناتا کسی سے کیا؟
دھوکا کھم تو مہر رہا رشتا کسی سے کیا؟
مطلب ہوا مہر کو ناتا کسی سے دیا؟

رنگ :— منہ سرخی سے گلنار ہوئے، تن ٹیسو کی سی کیاری ہے
یہ روپ چمکنا دکھلایا، یہ رنگ دکھایا ہولی نے

رنگ چھڑکنا :— ہر آن خوشی سے آپس میں سب ہنس ہنس رنگ چھڑکتے ہیں
رخسار گلاوں سے گل گوں کپڑوں سے رنگ ٹپکتے ہیں

رنگ روپ :— سو مکر و فن بنانا سو رنگ روپ کرنا
عاشق کو ہر طرح سے خوباں کی دید کرنا

روانگی :— کوئی دو لمبی داڑھی لیے ہو گیا رواں
موچھیں بھویں ناک کوئی منڈوا کے مرگیا

روئی :— گھونگٹ نہ جانو دوستو تم زینہار اسے
اس پردے میں یہ اپنی سماتی ہے روئیاں

روٹھنا :— میاں تو ہم سے نہ رکھ کچھ غبار ہولی میں!
کہ روٹھے ملتے ہیں آپس میں یار ہولی میں

رونا :— آتا ہے ایسے حال پہ رونا ہمیں تو یار
دشمن کا بھی کرے نہ خدا کاروبار بند!

رونا :— کوئی پھول کے بیٹھے مسند پر کوئی روئے اپنی دولت کو
کوئی بولے اپنا منہ سے لو میرا ہو سو منہ کو دو!

روپ یا روپی صورت :—
اس میں ہی جور تھگ ہیں اسی میں امول ہیں
اس میں سی روپی شکل ہیں اسی میں ٹھٹول ہیں

زبان ہلانا :— اے دل! کہیں تو جا کے نہ اپنی زباں ہلا
مانگ اس سے جس کے ہاتھ سے تو بہت بھر کے کھا!

• غیر از خدا کے کس میں ہے قدرت کہ ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے!

زر :— بٹھاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے سو ہے وہ بنی آدمی

زور آزمانا :— جاکر انہوں کے گھر پر جب زور آزماویں
وہ گردوال کودیں ہم کوٹھا پھاند جاویں

[illegible] :— [illegible] کے [illegible] کا چوٹا کہاں سے ہو؟
کوڑی نہ ہو تو سائیں کا میلا کہاں سے ہو

ساہوکار :— دنیا کے شہروں میں جہاں جس جس جگہ بازار ہیں
کس کس طرح کے ہیں ہنر، کس کس طرح کے کار ہیں!

تکیے اسی بازار میں رہ کے ہی بیٹھے دار ہیں!
دنیا میں کیسے کیسے [illegible] رہ کے لگے انبار ہیں!

سب لوگ اپنے گھر انہیں [illegible] ساہوکار ہیں!

سمجھانا :— سب مست ہو رہے ہیں پہچاں تمہاری قدرت
ہم [illegible] ہیں، سمجھاں تمہاری قدرت!

[illegible] :— [illegible] کہا
[illegible] اور [illegible] ہی کہا!

[illegible] :— [illegible]
[illegible] بھٹکا

سج دھج :— [illegible] دیکھا ہر دم [illegible] دکھلانا سج دھج شوخی کا
[illegible] فدر [illegible] ہر ایک قدم اٹھلانے کا

دل شاد کیا اور موہ لیا یہ جوبن پیارا ہولی نے

سجانا :— وہ جب گھر سے چلے سجکے سجکے
قدم بھی اٹھائے جھجھکتے جھجھکتے

دکھانا :— مدت میں اب اس بچے کو ہے تم نے سدھایا
[illegible] کے سوا ناچ بھی اس کو بھی سکھایا

[illegible] کھڑا ہونا :— اجل کا [illegible] اے دل دار سنتے ہو!

[illegible] :— گر یار کی مرضی ہوئی سر جوڑ کے بیٹھے
گھر بار چھڑایا تو وہیں چھوڑ کے بیٹھے

[illegible] :— [illegible]

[illegible] جو [illegible]

[illegible] :— [illegible] بات [illegible]

[illegible]

[illegible] :— [illegible]

[illegible]

سر بابا :— [illegible] کسی کے جو [illegible] باویں [illegible]

[illegible]

[illegible] :— [illegible]

[illegible]

[illegible] :— [illegible]

[illegible]

[illegible] :— [illegible] کے [illegible]

[illegible] ہے

[illegible] :— [illegible]

[illegible] اور [illegible]

[illegible] اور [illegible]

[illegible] :— [illegible]

[illegible]

[illegible] کو [illegible]

[illegible]

[illegible] اور [illegible]

[illegible] :— [illegible]

[illegible] :— [illegible] حسن مکاں [illegible] سوار [illegible]

پیادہ عزیب اس جا پھر کس شمار میں ہے

شوخی :— ہنس دینا ہردم نار بھرا' دکھلا سج دھج شوخی کا
ہر گالی مصری قند بھری' ہر ایک قدم اٹکھیلی کا
دل شاد کیا اور موہ لیا' یہ جوبن پایا سولی نے

،، :— چڑھتا رنگ جواں پر عجب شوخی دکھاتا ہے
کبھی کچھ نار کی 'وہ · وہ' کبھی انداز 'رہ - رہ' کا

شہر خموشاں :— جا ترے حسن وقت کہ شہر خموشاں میں ظاہر!
یہ غزل یہ ریختہ یہ شعر جوانی پھر کہاں؟

شیشہ میں اتارنا :— او بھوت ہو چھائی وہ اگر آن چڑھے گا
تو واں بھی ترے واسطے عامل کوئی دلوا
شیشے میں اتروا کے تجھے دبویں گے گڑوا
یا خوب سا سلگا کے کوئی ہار و داغتا
دھونی بھی تری ناک میں دلوائے گی· نانا!

صبا :— کل جو تھے یاں گل کھلے' آج اُن کی ایک ایک پنکھڑی
سامنے میرے اڑا کر لے گئی باد صبا

صدقے جانا :— بی بی کہتی ہے میاں تیرے میں صدقے جاؤں!
ساس بولی بہو مت جا ترے صدقے جاؤں!
خالہ کہتی ہے کہ کچھ کھا ترے صدقے جاؤں!
سالی کہتی ہے کہ بھیا ترے صدقے جاؤں!
جو خوشامد کرے خلق اُس سے سدا راضی ہے!

صندوق :— مردوں کے تن کو تانبے کے صندوق میں دھرا
مفلس کا تن پڑا رہا مائی اُبر پڑا
دائم نہ یہاں رہے وہ اور نہ ثابت رو واں رہا
دونوں کو خاک کھا گئی آگے کہوں میں کیا!
جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

ضد :— مجھ کو بڑی ضد چڑھی ہے دن رات پینگ بھروں !
یوں ہیں تو اب کے ساری برسات پینگ، بھروں

طاق :— اک کابی میں ہیں چودہ طاق روشن ہوئے

طاقہ :— ہوتا ہے آج گھر گھر گھونگھرو دھنک رہے ہیں
پڑتا ہے مینہ جھڑا جھڑ طبلے کھڑک رہے ہیں

طالب :— مشہور طالب اور بید ہوئے یا پڑھ کر عام طاقت کا
دالان کتابوں سے روکا اور نسخوں سے صندوق بھرا
گو نسخے لاکھ مجرب تھے پر کام نہ آیا اک نسخہ

طوائف :— کسبی جو طوائف کوئی ہوجائے ہے بڑھیا
پھر، جان، کہانے سے وہ شرماتی ہے بڑھیا
سر دھنتی ہے، اکتاتی ہے، گھبراتی ہے بڑھیا
دن رات اسی سوچ میں غم کھاتی ہے بڑھیا
یہ درد وہی جانے جو ہو جاتی ہے بڑھیا

طوطی بولنا :— بولے جو سوم پیڑا مار اُس کے سر پہ جوتی،
دو دن تو دوستوں میں بلوائے اپنی طوطی!

طویلہ :— کوئی نہ ہو تو پھر یہ جھمیلا کہاں سے ہو؟
رتھ خانہ، فیل خانہ، طویلا کہاں سے ہو

عاجز :— آتے ہیں ملنے ملتے جو عاجز نری رجاں
دیتے ہیں ملنے والوں کو گھبرا کے گالیاں
تس پر بھی لٹے جاتے ہیں حوں گر یہ مکھیاں
دامن کے ٹکڑے اُڑتے ہیں، بٹتی ہیں دھجیاں
کیا کیا مزے ہیں عید کے آج عیدگاہ میں

عراقی :— عراقی ہوس تھتھورے کھڑے جاتے ہیں
گدھے ٹٹو کے تئیں لات مار جاتے ہیں

[illegible] :— [illegible] میں [illegible] جہاں بٹھا دے
یا عرش پر [illegible] دے، یا خاک میں ملا دے

[illegible] :— [illegible] ہے [illegible] لکھا، والے
جب [illegible] [illegible]

[illegible] :— [illegible] [illegible] میں [illegible]
[illegible] کے [illegible] و روز میں گن گن

[illegible] :— [illegible] آ [illegible] مر [illegible] جائے گا
[illegible] [illegible] جائے گا
[illegible] اور [illegible]

[illegible] :— [illegible]
[illegible] میں [illegible] جاتے ہیں

[illegible] :— [illegible] [illegible]
[illegible] [illegible] کرو، یا [illegible]

[illegible] :— [illegible] میں [illegible] کو
[illegible] [illegible] کو
[illegible] [illegible] کو
[illegible] لوگوں سے چھپ کے [illegible] کو
[illegible] اور [illegible] پرونا تھا

[illegible] :— [illegible] ان میں کوئی [illegible] ہے کہانی
[illegible] [illegible] رحم ہے [illegible]
[illegible] ہے جتانی
[illegible] ہے وہ ہم کو ذرا خوش [illegible] آئی

[illegible] :— [illegible] عشق کی کڑی ہے [illegible] اندھیری
[illegible] عاشق کے [illegible] رات اندھیری

کام کرنا :— سچ پوچھئے تو دونوں عجب کام کر گئے
معشوقی عاشقی میں عوض نام کر گئے

دم گزرنا :— ان کی بلا سے گھر میں ہو فہد یا کہ گھرنا
جس بات پر یہ مچلے پھر وہ ہی کو گزرنا
ماں اوڑھنی کو، بابا پگڑی کو بیچ ڈالے

کڑی :— جب راج تھا کے کڑی ، دسولی ٹانکی
اب اینٹ بھی نہ پائی ہرگز کسی مکاں کی
دیکھیں محل سنہرا پر زر ہوا تو پھر کہا ؟

کڑیم :— سعدی کریم بڑے ایڑیاں رگڑتے ہیں
مخمل موسلوں سے موتیوں کو چھڑتے ہیں

کڑی :— پہلے ہی جام میں نہ ہوا کیوں بنا تو آیا
دل نے دی جب اس سے کڑی سب خبر پڑی

کڑی سنانا یا کہنا :— کوئی کوڑی اگر وہ ملائم ہوئے تو کہا ؟
کہ دینیں گے پھر ایک کڑی دو گھڑی کے بعد

کڑھی :— پہلی جہاں کسی نے دال اور کڑھی پکائی
مکھی نے دونوں دولی ! اونٹ کی ہولائی

کڑوں کوں :— مرغوں نے کڑوں کوں کی ، اور کلغی پھڑپھڑائیں

ککڑی کھیرا :— سن ، میاں ، ہم کو جو تو کرتا ہے ککڑی کھیرا
کوسنا ہر گھڑی ، پر آں کا ہونا ہے برا

کل :— جو آج دیوے گا ، یہاں ویسا ہی وہ کل پاوے گا
دل دیوے گا کل پاوے گا ، دلاوے گا کلپاوے گا

کلہا :— اے بی ! تم اپنی کلہیا میں چھوڑنے کو دو !
اور چاہو تم ہمارا یہ منہ پھول چھوڑ دو

کلیجہ منہ کو آنا :— اگر کچھ منہ سے بولوں ہوں مرا الفت کا جاتا ہے
اگر چپکا ہی رہتا ہوں کلیجا منہ کو آتا ہے

کوڑی کے تین تین ہونا : کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کھٹا میٹھا ہونا :— جب بہار آئی مرے شوخ کے سینے کی بہار
کھٹا میٹھا سا لگا ہونے مرا دل اک بار

کھٹکا :— سوتے تھے جو ہم، اس میں سنے غیر کے کھٹکے
چھپ چھپ گئے اُٹھ دونوں وہیں نیچے پلنگ کے
ہم ہنستے رہے، اس نے ڈھنک ڈھوئے دو مارے
کہتا ہے تتولا، جو اُجالا ہو تو پاوے
چوری کی بھی رکھ لیتی ہے کیا بات اندھیری

کھڑکھڑانا :— ناکے بھی تھم کے ہم نے اس دیو کو اُڑایا
شمشیر اور سپر کو اب عمر کھڑکھڑایا

کھپ پڑنا :— یہ کھپ پڑے جو جاتا ہے، یہ کھپ، میاں، مت کرو اپنی
اب کوئی گھڑی پل ساعت میں یہ کھپ بدن کی ہے کفنی

کھیر :— بطور یار کی ہم نے جو دل مدارات کی
پکایا فرنی صدقا کو لاؤ اور قلیا
سو اب یار نہ آیا، رقیب کو بھیجا
ہزار حیف : ہم ایسے نصیب کے دلہا
ادھر تو فرنی ہوا، اور ادھر نہ آیا یار
پکائی کھیر بھی قسمت سے ہو گیا دلیا

کیا ہی :— کیا ہی چمن میں شب کو واہ، در سے بھی نور کی جھڑی!
بادشوں کے تھے بندھے، لوٹے تھی چاندنی بڑی
غنچہ دہن تھا بے خبر، پی تھی جو مے کڑی کڑی
دینا تھا بوسے یار کے سینے سے مل گھڑی گھڑی
چشم سے چشم لب سے لب چھاتی سے چھاتی جب لڑی
کیا ہی گھڑی تھی عیش کی! اُس میں بلا یہ آپڑی
صبح ہوئی، گجر بجا، پھول کھلے، ہوا چلی
یار بغل سے اُٹھ گیا، دل کی ہی دل میں رہ گئی

گانٹھا :— نہ کوئی طالب ہوا ہمارا ، نہ ہم نے دل سے کسی کو چاہا

نہ ہم نے دیکھی خوشی کی لہریں ، نہ دردوغم سے کبھی کراہا

نہ ہم نے بویا ، نہ ہم نے جوتا ، نہ ہم نے کاتا ، نہ ہم نے گاہا

اُٹھا جو دل سے بھرم کا پردہ ، تو اس کے اُٹھتے ہی پھر ، اہا ! اہا !

نہ باپ ، بیٹا ، نہ دوست ، دشمن ، نہ عاشق و یہ صنم کسی کے

عجب طرح کی ہوئی فراغت ، نہ کوئی ہمارا ، نہ ہم کسی کے !

گت :— پڑے اس دل بروں کے بھی گانوں میں گت کے گت

گدڑی :— پہنا لباس خوب اگر زردار کا پہنا

یا جھونپڑوں کی گدڑی کوئی اوڑھ کر مرا

گدڑی :— گر یار کے موصی ہوئے سو جوڑ کے بیٹھے

کچھ یار چھڑایا تو وہیں دوڑ کے بیٹھے

موا جدھر اس نے وہیں منہ موڑ کے بیٹھے

گدڑی جو سلائی تو اُسے اوڑھ کے بیٹھے

اور شال اڑھایا تو اُسی شال میں خوش ہیں

پورے ہیں وہی مرد جو ہر حال میں خوش ہیں

گرد ہونا :— آئے عالم میں نہ آنا دال بھی کیا فرد ہے

حسن کی آن و ادا سب اس کے آگے گرد ہے

گرمی :— یہ دل دھڑک رہا ہے خوبان کے درد و غم میں

بتوں میں وہ کہاں ہیں جو گرمیاں ہیں ہم میں

گرنا :— تھامے تھے واں غرور تو تن کی محل سرا

یہ گور بنا رہے تھے دوالیں اُٹھا اُٹھا

اس میں قضا کا راج جو کوٹھے پہ آچڑھا

شہتیر سا وہ دن تھا سو خم ہو کے جھک گیا

گرنے لگی کڑی یہ کڑی تب خبر پڑی

گرنا : — کیچڑ سے ہو رہی ہے حسن چارمیں پھسلنی
مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پکڑی مشکل ہے پھر سنبھلنی
جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی

گرزنا : — زن بچے روتے ہیں گویا نانی گزر گئی
ہمسائے پوچھتے ہیں کہ ' کیا دادی مرگئی ؟ '

بن مردے گھر میں شور مچاتی ہے مفلسی

گل لالہ :— ایک پیالی کے پیتے ہی توحارت کا متوالا
آنکھوں میں تیری آکر کھل جائے گا گل لالہ

گلا : — جو روکا رہ گلا ہے یہ بہوتا تو جیسے ڈھول

گل لالہ :— اک روز کہا یار کو میں پا کے اکیلا
مرتا ہوں ' مری جان ' گلے مجھ کو لگا لے !
منہ پھیر کے ' شرما کے ' لگا کہنے کہ اچھا
کہنا نہ کسی سے ' یہ دستہ پہلے تو کھا لے !

گون :— جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی ناج سمیٹے گا تیرا ' کوئی گون سیئے اور ٹانکے گا

گہات : — اِس کی نعل میں کتی ' یعنی اُس کے ہاتھ میں ہے
یہ اُس کی فکر میں ہے ' وہ اِس کی گھات میں ہے

گھستنا : — کوئی گھستا زمیں کے اوپر کوئی خوشی سے فلک نشین ہے
یہ بھید اپنا وہ آپ ہی جانے ' کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے

گھلاوٹ : — اور جس پہ سرخ جوڑا ' یا اودی اوڑھنی ہے
اس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے

گھنا : — یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے
جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو ' دن رات یہ لکڑی گھنتی ہے

گھیر : — نظیر ! آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں

میاں! ہم کو تو لے جاتی ہیں پریاں گھیر آندھی میں

لاٹھی ٹیک کے جانا : — جاتے ہیں لاٹھی ٹیک کے دل شاد ہم جہاں
جو ہم کو دیکھتا ہے وہ کہتا ہے ، آفریں ! '
لال انگار : — اس کے سنتے ہی غضب ہو کے وہ لال انگارا
لاٹھی پاتھی جو نہ پائی تو پھر جھنجلا
کھینچ مارا مرے سینے نہ اُٹھا کر ترنور
لٹو ہونا :— جوہیں اُس نے وہ بچہ ، آہ یارو ، اک نظر دیکھا
وہیں لٹو ہو کر بولا ' یہی لوں گا ' یہی لوں گا '
لڑنا : — اور وہ جو آشنا سے جھگڑی ہیں ' یا لڑی ہیں
منہ کو چھپا پلنگ پہ مچلی ہوئی پڑی ہیں
لگن : — بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ ہو
سچ ہے کہا کسی نے کہ ' بھوکے بھجن نہ ہو '
لگ چلنا : — کل لگ چلے جو ہم دم ' ہم یار سے زیادہ
دشنام دے کے جھڑکا ' ہر بار سے زیادہ
لوٹنا : — دکھاویں ہم کسی لڑکے کو گر بچہ گلہری کا
تو دم میں لوٹ جائے دیکھ کر بچہ گلہری کا
لہلہاہٹ : — دن میں ہوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاہٹ باغات کی بہاریں
لہو کے گھونٹ پینا : — تھے جیسے جوانی میں پیے جام سبو کے
ویسے ہی بڑھاپے میں پیے گھونٹ لہو کے
لے : — باندیاں ، کسبیاں جو گاتی ہیں دم تو دم بھوکنے کہ جاتی ہیں
مکھیاں منہ پہ بیٹھ جاتی ہیں اس قدر دھوم مکھیوں کی ہے
تو بھی تندستی نہیں ہے اُن کے لے

گرنا : — کیچڑ سے ہو رہی ہے حسن چار میں پھسلنی
مشکل ہوئی ہے واں سے ہر اک کو راہ چلنی
پھسلا جو پاؤں پڑتی مشکل ہے پھر سنبھلنی
جوتی گری تو واں سے کیا تاب پھر نکلنی

گزرنا : — زن بچے روتے ہیں گویا نانی گزر گئی
ہمسائے پوچھتے ہیں کہ ' کیا دادی مر گئی ؟ '

بن مردے گھر میں شور مچا ہی ہے ماسی

گل لالہ : — ایک پیالی کے پیتے ہی سودا رہے گا متوالا
آنکھوں میں تیری آکر پھول جائے گا گل لالہ

گلا : — جو روکا رہ گلا ہے یہ پھوٹا تو جیسے ڈھول

گل لالہ : — اک روز کہا یار کو ماں پا کے اکیلا
مرتا ہوں ' مری جان ' گلے مجھ کو لگا لے !
منہ پھیر کے ' شرما کے ' لگا کہنے کہ اچھا
کہنا نہ کسی سے ' یہ دستہ پھولے تو کھا لے !

گون : — جب مرگ پھرا کر چابک کو یہ بیل بدن کا ہانکے گا
کوئی ناج سمیٹے گا تیرا ' کوئی گون سیئے اور ٹانکے گا

گھات : — اِس کی بغل میں کتی ' تیغ اُس کے ہاتھ میں ہے
یہ اُس کی فکر میں ہے ' وہ اِس کی گھات میں ہے

گھستا : — کوئی گھستا زمین کے اوپر کوئی چوٹی سے فلک نشین ہے
یہ بھید اپنا وہ آپ ہی جانے ' کسی کو ہرگز خبر نہیں ہے

گھلاوٹ : — اور جس پہ سرخ جوڑا ' یا اودی اُوڑھنی ہے
اس پر تو سب گھلاوٹ برسات کی چھنی ہے

گھندا : — یہ عمر جسے تم سمجھے ہو یہ ہر دم تن کو چنتی ہے
جس لکڑی کے بل بیٹھے ہو ' دن رات یہ لکڑی گھنتی ہے

گھیر : — نظیر ! آندھی میں کہتے ہیں کہ اکثر دیو ہوتے ہیں

مماں! هم کو تو لے جاتی هیں پریاں گھیر اندھی میں

لاٹھی ٹیک کے جانا : — جاتے هیں لاٹھی ٹیک کے دل شاد هم جہاں
جو هم کو دیکھتا هے وہ کہتا هے ' آفریں! '

لال انگار : — اس کے سنتے هی غضب هو کے وہ لال انگارا
لاٹھی پاٹھی جو نہ پائی تو پھر جھنجلا
کھینچ مارا مرے سینے پہ اُٹھا کر تربوز

لٹو هونا : — جوبھی اُس نے وہ سچے ' آؤ یارو ' اک نظر دیکھا
وہ هیں لٹو هو کر بولا ' یہی اوں گا ' یہی لوں گا '

لڑنا : — اور وہ جو آشنا سے جھگڑی هیں ' یا لڑی هیں
منہ کو چھپا پلنگ پہ مچلی هوئی پڑی هیں

لگن : — بھوکے غریب دل کی خدا سے لگن نہ هو
سچ هے کہا کسی نے کہ ' بھوکے بھجن نہ هو '

لگ چلنا : — کل لگ چلے جو هم دم ' هم یار سے زیادہ
دشنام دے کے جھڑکا ' هر بار سے زیادہ

لوٹنا : — دکھاویں هم کسی لڑکے کو گر بچہ گلہری کا
تو دم میں لوٹ جائے دیکھ کر بچہ گلہری کا

لہلہاهٹ : — دن رات هوا میں کیا کیا برسات کی بہاریں
سبزوں کی لہلہاهٹ باغات کی بہاریں

لہو کے گھونٹ پینا : — تھے جیسے جوانی میں پیے جام سبو کے
ویسے هی بڑھاپے میں پیے گھونٹ لہو کے

لے : — باندیاں ' کسبیاں جو گاتی هیں دم بہ دم بھولتے کہ جاتی هیں
مکھیاں منہ پہ بیٹھ جاتی هیں اس قدر دھوم مکھیوں کی هے
تو بھی بندش نہیں هے اُن کے لیے

لینا ایک نہ دینا دو:—

کوئی پھول کے بیٹھے مسند پر، کوئی رو دے اپنی دولت کو

" جو اپنا ہو سو صدقہ سے لو، اور میرا ہو سو مجھ کو دو " !

کوئی لڑتا ہے، کوئی مرتا ہے کوئی جھگڑے حق پر نا حق کو

جب دیکھا خوب تو آخر کو، کچھ لینا ایک نہ دینا دو

مارا مارا پھرنا:— تک حرص و ہوا کو چھوڑ، میاں، مت دیس بدیس پھرے مارا !

مالک:— مالک سے وہ جو آپ اُنہیں بالوں سے کہا ؟

ان بالوں، جرائی، بڑھاپا سب ایک ہوا!

مت ماری جانا:— بنگلہ تو ہماری اگر اسواری گئی ہے

تو ان بھی لی ساتھ بھی سواری گئی ہے

سنئے نہیں نہ کوئی سواری گئی ہے

لو دیکھو ! بڑھاپے میں یہ مت ماری گئی ہے !

منہ پھیر:— بے جس سوا دال سمجھے میں گو دیکھنے میں کچھ دیر ہوئی

گھڑا لے نکلے بےبس ہو اور ٹھوں کی ایسا گھیر ہوئی

بازار، گلی اور کوچوں میں ہر ساعت ھیرا پھیر ہوئی

سی چاہ نظر ہو دیکھنے کی جس جا، پر منہ پھیر ہوئی

تک دیکھ لیا، دال بنا لیا خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

مزہ:— لڈو میں، نہ پاپڑ میں، نہ برفی میں مزا ہے

جو مزہ محمود کے سنبھولوں میں مزا ہے

میں:— کوئی آکر بہانے اور مس سے مال رہتا ہے ملا ہے دال جس سے

من مارنا:— زردار ہے تو ہرگز مت مار اپنے من کو

تن زیب، تن سکھوں سے ڈھک نہ اپنے تن کو

منت ترسانا:— جوتی کوئی ڈھالے، دھوتی کوئی پنھالے

هنسلی گلے میں ڈالے، منت کوئی بڑھا لے
موٹے ہوں یا کہ دبلے، گورے ہوں یا کہ کالے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے!

منہ پھیرنا :— اب آ کے بڑھاپے نے کہا، ہائے! یہ اندھیر
جو دوڑ کے ملتے تھے سو اب لیتے ہیں منہ پھیر

مٹی آوار :— سر کانپا، چاندی بال ہوئے، منہ پھیلا، پلکیں آن جھکیں
قد ٹیڑھا، کان ہوئے بہرے، اور آنکھیں بھی چندھیائے گئیں
سکھ نیند گئی، اور بھوک گھٹی، دل سست ہوا آوار مٹی
جو ہونی تھی سو ہو گزری، اب چلنے میں کچھ دیر نہیں
تن سوکھا، کبڑی پیٹھ ہوئی، گھوڑے پر زین دھرو، بابا
اب موت نقارہ باج چکا، چلنے کی فکر کرو، بابا

نرالا :— جس گت پر اُن کا پاؤں پڑا، اُس گت کی چال نرالی ہے
جس مجلس میں وہ ناچیں نہیں وہ مجلس سب سے خالی ہے

نرسنگھا :— آگے کو نرسنگھا بجتا، پیچھے کو فوجوں کا پرا
دیکھا تو پھر اک آن میں ہاتھی، نہ گھوڑا نے گدھا

نظارہ :— جو عرش سے ہے فرش تلک آدمی میں ہے
دیکھ آنکھ کھول کے کیا کیا نہیں ہے اس میں
سب کچھ اسی میں ہے پر چاہیے نظر

نظر لگنا :— مجھے یہ ڈر ہے کسی کی نظر نہ لگ جاوے
پھرو نہ تم کھلے بالوں سے، جان، کوٹھے پر

نقشا :— وہ چال چنچل، وہ نظریں جادو، وہ پیاری صورت وہ خوب نقشا
ادائیں بانکی غضب طرح کی، وہ ترچھی چتون بھی کچھ تماشا

نکھٹو :— کوئی سوم، بے حیا، کوئی، بولا نکھٹو ہے
بیٹے نے جانا باپ تو میرا نکھٹو ہے
بیٹی پکارتی ہے کہ، بابا نکھٹو ہے،

بیوی یہ دل میں کہتی ہے 'بھڑوا نکھٹو ہے'
اجر نکھٹو نام دہرائی ہے مفلسی!

پہنا :— کوئی اپنے آنگنا سے [illegible] کا جھتا
کہتی ہے ہنس کے 'کانو جتکی لے یا پہنا'
تم سے تو دل سارا اب ہو گیا ہے کھٹا
ہم [illegible] بھی نہ لائے رنگوا میرا دوپٹا

[illegible] :— جنگل میں [illegible] کے دیکھا تو اس [illegible] بیاریا
[illegible] داک جمایا ہے بڑا [illegible] کے لیے

ولولہ :— [illegible] اک ادھر رہے [illegible] ولولے
اور جب سپید ہو کے ہوئے برف کے ڈالے

[illegible] :— آنکھیں [illegible] سے [illegible] ہیں روٹھاں
سونے [illegible] ساتھ [illegible] ہیں روٹیاں

[illegible] — کسی نے [illegible] کی [illegible] گور رکھا [illegible]
جو [illegible] بھی جنس میسر [illegible] بنا ہاری
کسی نے [illegible] کسی کی جوا [illegible] ہاری
کسی نے گھری پڑوسن کی اپنی لا ہاری
یہ سب جیت کا [illegible] بڑا دوالی میں

ہنس :— کالا ہنس کی کوا [illegible] ہے
اچھل کے مینڈکی ساتھی کے لات مارے ہے

ہریالی :— جنگل سب اپنے تن پر ہریالی سج رہے ہیں
گل' پھول' جھاڑ' بوٹے کر اپنی دھج رہے ہیں

ہونٹ چپکنا :— میٹھے اور سرد ہیں اتنے کہ ذرا نام لیے
ہونٹ چپکے ہیں' جدا دانت ہیں کڑکڑ بجتے

[illegible] لانا :— تک ہونٹ ملاؤں تو یہ کہنا ہے 'نہ تک بے!'
اور پاس جو بیٹھوں تو سنانا ہے 'سرک تے!'

خاص رعایت!

رسالۂ ہندستانی (اردو) جو علم ادب کی خدمت کرنے والے رسالوں کی صف اول میں شامل ہے ' اُس کے حلقۂ اشاعت کی توسیع کے پیش نظر ' یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ رسالے کے خریداروں ' نیز ایسے صاحبوں کی خدمت میں جو پانچ خریدار بہم پہنچائیں ' ہندستانی اکیڈیمی کی بعض مطبوعات ' رعایتی قیمت پر پیش کی جائیں گی - رسالے کا سالانہ چندہ چار روپیہ ہے - سال میں چار مرتبہ ' جنوری ' اپریل ' جولائی اور اکتوبر میں شائع ہوتا ہے -

جنرل سکریٹری

ہندستانی اکیڈمی ' یوپی ' الہ آباد

فہرست

کتب ' مطبوعات اکیڈیمی مفت طلب فرمائیے

جنرل سکریٹری

ہندستانی اکیڈیمی ' یوپی ' الہ آباد

ہندستانی اکیڈیمی صوبہ متحدہ کے مقاصد

۱—اردو اور ہندی ادب کی حفاظت اور ان کی ترقی اور نشو و نما کی کوشش کرنا۔

(الف)—مختلف مضامین کی مطبوعات میں سے منظور شدہ کتابوں پر انعام دینا۔

(ب)—معاوضہ وغیرہ کے ذریعے غیر زبانوں کی کتابوں کے ترجمے کرانا اور ان کو شائع کرنا

(ج)—یونیورسٹیوں اور دیگر اداروں میں وظائف دے کر یا دوسرے ذرائع سے ہندی اور اردو زبانوں میں تصنیف یا ترجمے کے کاموں کی حوصلہ افزائی کرنا۔

(د)—اکیڈیمی کے مصنفین کو اعزازی فیلو منتخب کرنا۔

(ہ)—ایک کتب خانہ قائم کرنا اور اس کا انتظام رکھنا۔

(و)—مشہور ارباب علم و فضل کو علمی مقالات کے لیے مدعو کرنا۔

پرنٹر—عابد حسین - کراؤن پریس الہ آباد پبلشر—ہندستانی اکیڈیمی یو پی الہ آباد